

یادگارِ غالب

یعنی

جنابِ اسد اللہ خان متخلص غالب دہلوی کی زندگی کے حالات

اور

انکی اقسامِ نظم و نثر اردو و فارسی کا انتخاب ہر ایک قسم پر جدا گانہ یکاں

مرتبہ

خاکسار الطاف حسین حالی پانی پتی

۱۸۹۷ء

محمد رحمت اللہ رحمد کے

نامی پریس کلپنور میں چھپی

حسب ملاحظہ و رجسٹری کرائی گئی

فہرست مضامین یادگار غالب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹-۲۸	ملازمت سرکاری سے انکار۔	۸	دینا چہ
۳۳-۲۹	قید ہونے کا واقعہ۔	پہلا حصہ مرزا کی لائسنس	
۳۵-۳۳	قلعہ کا تعلق۔		
۳۵	خدمت اصلاح اشعار بادشاہ۔	۹	تاریخ ولادت۔
۳۶-۳۵	برہیدہ گوئی۔	۱۳-۹	خاندان۔
۳۶-۳۶	اولاد۔	۱۵-۱۳	تعلیم۔
۳۱-۳۶	حالات غدر و کتاب دستنبو۔	۱۶	تائیل۔
۴۲-۴۱	وظیفہ رام پور۔	۱۶-۱۶	تنہیاں۔
۴۴-۴۲	قاطع برہان۔	۱۶	صورت شکل۔
۴۵-۴۴	قاطع برہان کی مخالفت۔	۱۸	مسکن۔
۵۱-۴۵	قاطع برہان کی تائید۔	"	مطالعہ کتب۔
۵۲	گناہ خطوں میں گالیاں۔	۲۰-۱۸	سفر کلکتہ۔
۵۸-۵۲	راقم کے ساتھ مرزا کا معاملہ۔	۲۱	مجادلہ اہل کلکتہ۔
۵۸	استعداد عربی۔	۲۶-۲۱	مثنوی بادِ مخالفت۔
"	فارسی دانی۔	۲۸-۲۶	قیام لکھنؤ۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۸-۶۹	عروض۔ خود داری۔	۵۸	عروض۔
۶۹	خوراک۔	۵۹	بخوم۔
۶۹-۷۱	آموں کی رغبت۔	"	تصوف۔
۷۱-۷۲	نار و نوش کی عادت۔	"	آئیخ و سیاق و مساحت سے
۷۲-۷۳	مذہب۔	"	اجنبیت
۷۳-۷۴	سلامتی طبع۔	"	خوشحظی۔
۷۴-۷۵	مسئلہ امتناع نظیر خاتم النبیین۔	۵۹	انداز شعر خوانی۔
۷۵-۷۶	داود سخن۔	"	اخلاق و عادات و خیالات و
۷۶	انصاف۔	۶۱-۶۲	اخلاق
۷۶-۷۷	تقریظ لکھنے کا ڈھنگ۔	۶۲	مروت۔
۷۷	تقریظ دیوان تفسہ۔	۶۲-۶۳	فراخ و صلیگی۔
۷۷-۷۸	تقریظ تصحیح آئین اکبری۔	۶۳	حافظہ۔
۷۸-۷۹	محققانہ نظر۔	۶۵	شعر منہی۔
۷۹-۸۰	حق پسندی۔	۶۵-۶۶	سخن سنجی
۸۰-۸۱	راست گفتاری۔	۶۶	کتاب منہی
۸۱	ما قدر دانی کی شکایت۔	۶۶-۶۷	سخن بیان و ظرافت و شوخی۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۰-۹۱	سخن فہموں کی قدر۔	۹۰	سخن فہموں کی قدر۔
۹۱-۹۲	اپنے عجز کا اقرار۔	۹۱-۹۲	اپنے عجز کا اقرار۔
۹۲-۹۳	ہجوزہ لکھنا۔	۹۲-۹۳	ہجوزہ لکھنا۔
۹۳-۹۴	خانگی تعلقات۔	۹۳-۹۴	خانگی تعلقات۔
۹۴-۹۵	موت کی آرزو۔	۹۴-۹۵	موت کی آرزو۔
۹۵	اخیر عمر کی حالت۔	۹۵	اخیر عمر کی حالت۔
۹۵-۹۶	مرض الموت کی حالت۔	۹۶-۹۷	مرض الموت کی حالت۔
۹۷	تاریخ وفات۔	۱۰۰	تاریخ وفات۔
"	جنازے کی نماز۔	"	جنازے کی نماز۔
۱۰۱-۱۰۲	شاگردوں کی کثرت۔	۱۰۱-۱۰۲	شاگردوں کی کثرت۔
۱۰۲-۱۰۳	سید غلام علی خان وشت۔	۱۰۲-۱۰۳	سید غلام علی خان وشت۔
۱۰۳-۱۰۴	نواب ضیاء الدین احمد خاں۔	۱۰۳-۱۰۴	نواب ضیاء الدین احمد خاں۔
۱۰۴-۱۰۵	نواب محمد مصطفیٰ خاں۔	۱۰۴-۱۰۵	نواب محمد مصطفیٰ خاں۔
دوسرا حصہ		دوسرا حصہ	
مرزا کے کلام پر ریویو اور اسکا انتخاب		مرزا کے کلام پر ریویو اور اسکا انتخاب	
۱۰۶	تمتید۔	۱۰۶	تمتید۔
۱۰۷-۱۰۸	مرزا کا سابقہ استعداد۔	۱۰۷-۱۰۸	مرزا کا سابقہ استعداد۔
۱۰۸-۱۰۹	مرزا کے دیوان ریختہ اور انکی	۱۰۸-۱۰۹	مرزا کے دیوان ریختہ اور انکی
۱۰۹-۱۱۰	اردو شاعری پر ریویو	۱۰۹-۱۱۰	اردو شاعری پر ریویو
دیوان ریختہ کا انتخاب		دیوان ریختہ کا انتخاب	
۱۱۱-۱۱۲	غزلیات۔	۱۱۱-۱۱۲	غزلیات۔
۱۱۲-۱۱۳	قطعات۔	۱۱۲-۱۱۳	قطعات۔
۱۱۳-۱۱۴	رباعیات۔	۱۱۳-۱۱۴	رباعیات۔
۱۱۴-۱۱۵	نثر اردو پر ریویو اور اسکا	۱۱۴-۱۱۵	نثر اردو پر ریویو اور اسکا
۱۱۵-۱۱۶	انتخاب	۱۱۵-۱۱۶	انتخاب
۱۱۶-۱۱۷	نظم و نثر فارسی پر ریویو اور	۱۱۶-۱۱۷	نظم و نثر فارسی پر ریویو اور
۱۱۷-۱۱۸	نثر فارسی پر ریویو اور	۱۱۷-۱۱۸	نثر فارسی پر ریویو اور
۱۱۸-۱۱۹	غزلیات فارسی کا انتخاب۔	۱۱۸-۱۱۹	غزلیات فارسی کا انتخاب۔
۱۱۹-۱۲۰	مرزا کی غزل کا نظیری غزل	۱۱۹-۱۲۰	مرزا کی غزل کا نظیری غزل
۱۲۰-۱۲۱	سے مقابلہ	۱۲۰-۱۲۱	سے مقابلہ
۱۲۱-۱۲۲	مرزا کی غزل کا نظیری غزل	۱۲۱-۱۲۲	مرزا کی غزل کا نظیری غزل
۱۲۲-۱۲۳	سے مقابلہ	۱۲۲-۱۲۳	سے مقابلہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۹-۳۰۰	نثر فارسی کا انتخاب -	۲۹۹-۳۰۰	مرزا کی رباعیات فارسی -
۳۰۱-۳۱۱	نثر فارسی کا مقابلہ ظہوری کی	۳۰۱-۳۱۱	مرزا کے قصائد فارسی پر بیکارک
۳۱۲-۳۱۳	نثر کے ساتھ	۳۱۲-۳۱۳	اور ان کے نمونے
۳۱۴-۳۱۵	شیخ علی حزیں اور مرزا کی	۳۱۴-۳۱۵	قطعات فارسی -
۳۱۶-۳۱۷	نثر کا مقابلہ	۳۱۶-۳۱۷	مرزا کے ترکیب بند کا نظیری کے
۳۱۸-۳۱۹	مرزا اور ابوالفضل کی نثر	۳۱۸-۳۱۹	ترکیب بند سے مقابلہ
۳۲۰-۳۲۱	کا مقابلہ	۳۲۰-۳۲۱	مرزا کی فارسی شاعری کا نمونہ -
۳۲۲-۳۲۳	خاتمہ -	۳۲۲-۳۲۳	نثر فارسی پر بیکارک -

غالب نام آور نام و نشانم پیرس * ہلم لہم لہم اللہ



شہیدانِ خرم اور اہلِ ملک خاں میرا اللہ جان بیا و نظام جنگ المتخلصین غالب مرحوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم دیباچہ

تیرہویں صدی ہجری میں جیکہ مسلمانوں کا تشریل درجہ غایت کو پہنچ چکا تھا اور انکی دولت و عزت اور حکومت کے ساتھ علم و فضل اور کمالات بھی رخصت ہو چکے تھے، حسن اتفاق سے دار الخلافہ کربلا میں چند اہل کمال ایسے جمع ہو گئے تھے جنکی صحبتیں اور جلسے عہد اکبری و شاہجہانی کی صحبتوں اور جلسوں کو یاد دلاتی تھیں؛ اور انہیں سے بعض کی نسبت مرزا غالب مرحوم فرماتے ہیں

ہند را خوش نفاست و ستور کہ بود باد در خلوت شاہ مشک نشاں از دم شاہ

مومن و تیر و صہبائی و علوی و انگاہ حسرتی آشرف و آزرہ بود اعظم شاہ

اگرچہ جس زمانے میں کہ پہلی ہی بار راقم کا دلی جانا ہوا اس بلغم میں پت جھڑ شروع ہو گئی تھی کچھ لوگ دلی سے باہر چلے گئے تھے اور کچھ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے؛ مگر جو باقی تھے اور جیکے دلچسپی کا مجھ کو ہمیشہ فخر رہیگا وہ بھی ایسے تھے کہ نہ صرف دلی سے بلکہ ہندوستان کی خاک سے پھر کوئی دیرا اٹھا نظر نہیں آتا؛

کیونکہ جس سانچے میں وہ ڈھلے تھے وہ سانچا بدل گیا اور جس ہوا میں انھوں نے نشوونما پائی تھی وہ ہوا پلٹ گئی۔

زمانہ درگوند آئیں نہناد شد آں مرغ کو ہیفہ زریں نہاد

علی انصوح مرزا اسد اللہ خاں غالب جبکی عظمت و شان اس سے بالاتر تھی کہ انکو بارہویں یا تیرہویں صدی ہجری کے شاعروں یا دانشپردازوں میں شمار کیا جائے۔

مرزا نے اپنی کتاب ”مہر خروزم“ میں ایک موقع پر بہادر شاہ کی بظن خطاب کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ شاہجہاں کے عہد میں کلیم شاعر کو سیم وزر میں تولایا گیا تھا، مگر میں صرف اس قدر جانتا ہوں کہ اوپر کچھ نہیں تو میر اکلام ہی ایک دفعہ کلیم کے کلام کے ساتھ قول لیا جائے، ”اس مضمون کو جو لوگ مرزا کے رتبے سے واقف نہیں ہیں شاید خود ستانی اور تعلی پر غور کر لیں گے، مگر ہمارے نزدیک مرزا نے اس میں کچھ بھی مبالغہ نہیں کیا، بلکہ بالکل وہی کہا ہے جو انکے زمانے کے اہل نظر و راہل تیز آنگلی نسبت اسے رکھتے تھے۔

اگرچہ زمانے نے اپنی بیاد کے موافق مرزا کی کچھ قدر نہیں کی، ان کا تمام کلام، اردو، فارسی، نظم، اور نثر انکے جیسے ہی جی اطراف ہندوستان میں پھیل گیا تھا، انکے ماننے والے اور مداح و ثنا خواں ملک کے ہر گوشے میں پائے جاتے تھے اور اب تک پائے جاتے ہیں، بدیہ تصانیف پر انکو کم و بیش ضلع اور ضلع و انعام بھی ملتے رہے، مرحوم بہادر شاہ نے بھی اپنی حیثیت کے موافق انکی خاصی قدر کی، ریاست رامپور سے انکے لیے اخیر دوم تک حقوق و وظیفہ جاری رہا، یہ سب کچھ ہوا، مگر جب مرزا کے اس اعلیٰ مرتبے کا۔

جو شاعری و دانشپردازی میں فی الواقع انھوں نے حاصل کیا تھا۔ ٹھیک اندازہ کیا جاتا ہے تو ناچار یہ کہنا پڑتا ہے کہ زمانے کی یہ تمام قدر دانی زیادہ سے زیادہ اس پیر زل کی سی قدر دانی تھی جو ایک نبوت کی

آنی لیکر یوسف کی خریداری کو مصر کے بانڈ میں آئی تھی۔ سچ یہ ہے کہ مرزا کی قدر جیسی کہ چاہیے باجلال الدین اکبر کرتا، یا جہانگیر و شاہجہاں، مگر جس قدر اس اخیر دور میں انکو مانا گیا انکو بھی نہایت عقلمند چاہیے۔

بیکے منت بھیاں ہم نہانے کے ہاتھوں پد کیا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ

اگرچہ مرزا کی تمام لائف میں کوئی بڑا کام انکی شاعری اور دانشپردازی کے سوا نظر نہیں آتا۔ مگر صرف اسی ایک کام نے انکی لائف کو دار الخلافہ کے اخیر دور کا ایک متمم یا نشان واقع بنا دیا ہے اور میرا خیال ہے کہ اس ملک میں مرزا پر فارسی نظم و نثر کا خاتمہ ہو گیا ہے، اور اردو نظم و نثر پر بھی انکا کچھ کم احسان نہیں ہے، اسی لیے کبھی کبھی مجھ کو اس بات کا خیال آتا تھا کہ مرزا کی زندگی کے عام حالات جس قدر کہ معتبر و معقول معلوم ہو سکیں اور انکی شاعری و دانشپردازی کے متعلق جو امور کا احاطہ بیان میں آسکیں اور انکی ان کی فہم سے بالاتر ہوں، انکو اپنے سلیقے کے موافق قلمبند کر لوں۔

پچھلے برسوں میں جبکہ میں دہلی میں مقیم تھا۔ حبش احباب کی تحریک سے اس خیال کو اور زیادہ تقویت ہوئی۔ میں نے مرزا کی تصنیفات کو دو سطروں سے مستعار لیکر جمع کیا، اور جس قدر اس میں انکے حالات اور اخلاق و عادات کا سراغ ملا انکو قلمبند کیا، اور جو باتیں اپنے ذہن میں محفوظ تھیں یا دوستوں کی زبان سے معلوم ہوئیں۔ انکو بھی ضمیمہ تحریر میں لایا۔ مگر ابھی ترتیب مضامین کی نوبت نہ پہنچی تھی کہ انور کاموں میں مصروف ہو گیا، اور کئی برس تک تمام یادداشتیں کاغذ کے ٹکٹوں میں بندھی ہوئی رکھی رہیں۔

ان دنوں میں دوستوں کا پھر تقاضا اور بہت سخت تقاضا ہوا اور باوجودیکہ میں ایک نہایت اہم اور ضروری کام میں مصروف تھا۔ دوستوں کے تقاضے نے یہاں تک مجبور کیا کہ اس ضروری کام کو چند روز کے لیے ملتوی کرنا پڑا، اور یہ خیال کیا گیا کہ جو یادداشتیں مرزا کی لائف کے متعلق بڑی کوشش سے

تج کی گئی ہیں؛ اور جو تھوڑی سی توفیق سے مرتب ہو سکتی ہیں۔ انگو اب زیادہ حالت نظروں میں رکھنا مناسب نہیں
میں نے ان مکتوبوں کو لکھو لا اور ان یادداشتوں کے مرتب کرنے کا ارادہ کیا؛ مگر ان کے دیکھنے سے
معلوم ہوا کہ مرزا کی تصنیفات پر پھر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہوگی؛ اور اس کے سوا کچھ اور کتابیں بھی
درکار ہونگی۔ میں نے دلی کے بعض بزرگوں اور دوستوں کو لکھا اور انھوں نے مہربانی فرما کر میری
تمام مطلوبہ کتابیں اور جس قدر مرزا کے حالات انکو معلوم ہو سکے لکھ کر میرے پاس بھیج دیے؛ اور
اس طرح مرزا کی لائف جہاں تک کہ اسکی تکمیل ہو سکتی تھی مکمل کی گئی۔

میں اور پھر لکھ چکا ہوں کہ مرزا کی لائف میں کوئی منوہ یا نشان واقعہ انکی شاعری و انشائیہ ردازی
کے سوا نظر نہیں آتا۔ لہذا جس قدر واقعات انکی لائف کے متعلق اس کتاب میں مذکور ہیں انکو معنی اور
استقرا دی سمجھنا چاہیے۔ اصل مقصود اس کتاب کے لکھنے سے شاعری کے اُس عجیب و غریب ملک کا
لوگوں پر ظاہر کرنا ہے جو خدا تعالیٰ نے مرزا کی فطرت میں ودیعت کیا تھا؛ اور جو کبھی نظم و نثر کے پیرائے
میں، کبھی ظرافت اور بزدلی کے روپ میں، کبھی عشق بازی اور رنڈ مشربی کے لباس میں، اور
کبھی تصوف اور حبیبیت کی صورت میں ظہور کرتا تھا۔ پس جو فکر ان چاروں باتوں سے علاوہ نہیں
رکھتا اسکو کتاب کے موضوع سے خارج سمجھنا چاہیے۔

ظہری دنیا میں بہت سے صاحب کمال ایسے گزرے ہیں جنکے زمانے میں انکی قدر و منزلت کا پورا
پورا اندازہ نہیں کیا گیا؛ مگر آخر کار ان کا کمال ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہا۔ سعدی کے زمانے میں اس کے

یعنی نواب سعید الدین احمد خاں خلعت الصدوق نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم اور سید اکبر مرزا و سید مظفر مرزا جابر نواب
اسام الدین حیدر خاں مرحوم اور میر محمدی حسین مرحوم اور لالہ بہاری لال شقائق

اکثر ہمعصر اعلیٰ ہرادی کو اس پر ترجیح دیتے تھے؛ مگر کچھ بہت عرصہ نگذرا تھا کہ سعدی کا نام اور اس کا
کلام اطرافِ عالم میں منتشر ہو گیا؛ اور اعلیٰ کا کلام صرف تذکروں میں باقی رہ گیا۔ شکسپیر کے قلم
اسکو ایک ایکٹ سے زیادہ رتبہ نہیں دیا گیا، مگر آج اسی شکسپیر کے ورکس بائبل کے ہم پرت سمجھے جاتے ہیں۔
خود مرزا بھی اپنے کام کی نسبت ایسا ہی خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک فارسی غزل میں فرماتے ہیں۔

تا زدیو انم کہ سرست سخن خواہ شدن؟ ایں می از قحط خریداری کن خواہ شدن
کو کبر را در عدم اوج قبولے بودہ است شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہ شدن

اگرچہ اس غلط سے کہ ایشیائی شاعری کا مذاق یورپین سولریشن میں روز بروز جذب ہوتا جاتا ہے
اور فارسی لٹریچر ہندوستان سے ایسا رخصت ہوا ہے کہ بظاہر اس کے مراجعت کرنے کی توقع نہیں رہی۔
یہ امید رکھتی توفیق ہے کہ مرزا کی فارسی نظم و نثر اب یا آئندہ زمانے میں مقبول خاص و عام ہوگی؛
لیکن جو تو بر تو پر دے مرزا کی شاعری اور نکتہ پردازی پر انکی زندگی میں پڑے رہے اور جواب تک
مرفع نہیں ہوئے؛ کیا عجیب ہے کہ ہاری یا ہارسے بعد کسی دوسرے شخص کی کوشش سے منع ہو جائیں۔

مرزا کو بحیثیت شاعری پہلے سے روشناس کرنے اور انکی شاعری کا پایہ لوگوں کی نظر میں جلوہ گر
کرنے کا عمدہ طریقہ یہ تھا کہ انکے اصنافِ کلام میں سے ایک مستند حصہ نقل کیا جاتا، ہر صنف میں جو
باتیں مرزا کی خصوصیات سے ہیں وہ بیان کی جاتیں، جو کلام نقل کیا جاتا اسکی لفظی و معنوی خوبیاں
نراکتیں، اور باریکیاں ظاہر کی جاتیں، شعرا کے جس طبقے میں مرزا کو جگہ دینی چاہیے اُس طبقے کے
شاعروں کے کلام سے مرزا کے کلام کا موازنہ کیا جاتا، انکی غزل سے مرزا کی غزل کو، قصیدے سے
قصیدے کو، اور اسی طرح ہر صنف سے اسی صنف کو ٹکرایا جاتا، اور اس طرح مرزا کے پایہ شاعری اور انکے

کلام کی حقیقت سے اہل وطن کو خبردار کیا جاتا۔ مگر یہ طریقہ جس قدر مصنف کے حق میں دشوار گزار تھا
 اسی قدر پبلک کے لیے خاص کر اس زمانے میں غیر مفید بھی تھا؛ اگر ہم اس دشوار گزار منزل کے طے کرنے
 میں کامیاب بھی ہو جاتے تو ہماری وہی شل ہوتی کہ ”مرغی اپنی جان سے گئی اور کھانیہ انوکھ کچھ فرادہ آیا“
 ناچار ہم نے بجائے طریقہ مذکور کے جو حالت موجودہ میں باوجود دشوار ہونے کے غیر مفید بھی ہے
 اس موقع پر ایک ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جو ہمارے لیے سہل تر اور پبلک کے لیے مفید تر معلوم ہوتا ہے۔
 پہلے دوسرے حصے میں مرزا کے تمام کلام کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے؛ نظم اردو، نثر اردو، نظم فارسی
 اور نثر فارسی۔ اور اسی ترتیب سے ہر قسم کا قصہ، تمثیل، انتخاب چار جدا جدا مضامین میں درج کیا ہے۔ ہر قسم پر اقل کچھ
 مختصر کیا کہیں کہیں۔ پھر اس قسم کا انتخاب لکھا گیا ہے۔ اور جو اشعار یا فقرے شیعہ طلبہ کے ہیں انکی جا بجا شرح
 بھی کر دی ہے۔ اور کہیں کہیں محاسن کلام کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اور آخر میں۔ خاص کر ان لوگوں کے لئے جو
 فارسی لٹریچر کا صحیح مذاق رکھتے ہیں۔ نونے کے طور پر مرزا کے کسی قدر فارسی کلام کا موازنہ ایران کے مسلم الثبوت
 استادوں کے کلام کے ساتھ کر کے دکھایا ہے کہ مرزا نے فارسی لٹریچر میں کس درجے تک کمال ہم پہنچایا تھا۔
 مذکور بالا انتخاب سے ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ مرزا کے کلام میں جس قدر بلند اور پاکیزہ خیالات تھے
 وہ سب بے نئے نئے گئے ہیں؛ اور جو ان سے پست درجے کے خیالات تھے وہ چھوڑ دیے گئے ہیں؛ نہیں۔
 بلکہ مطلب ہے کہ اس رسالے کی بساط اور وسعت کے موافق تا بقدر ہر ایک صنف میں سے کم و بیش ایسا
 کلام لے لیا گیا ہے جو اس زمانے کے لوگوں کے مذاق سے بیگانہ اور انکی فہم سے بعید تر نہ ہو؛ اور جو
 اسکے مولف کی نظر میں بھی بوجہ سن الوجہ انتخاب کے قابل ہو۔

اس انتخاب سے جبکہ مرزا کے تمام کلام کا نمونہ سمجھنا چاہیے کئی غائے قصود کے لئے گئے ہیں۔ ایک کہ

جو لوگ شرکی سمجھ اور اسکا عمدہ مذاق رکھتے ہیں؛ انکو بغیر اسکے کہ تمام کلیات پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہو۔
 مرزا کا ہر قسم کا عمدہ کلام ایک جگہ جمع کیا ہوا مل جائیگا۔ دوسرے جو لوگ مرزا کا کلام کبھی طرح نہیں سمجھ سکتے۔
 بسبب اسکے کہ ہر شکل شعریہ فقرے کے معنی حل کر دیے گئے ہیں۔ مرزا کے خیالات سے بخوبی واقفیت حاصل
 کر لیں گے۔ اور دونوں طبقوں کو معلوم ہو جائیگا کہ مرزا نے قوت تخیل اور ملکہ شاعری کس درجے کا پایا تھا؛
 اور کس خوبی اور لطافت سے وہ نہایت نازک اور دقیق خیالات کو اردو اور فارسی دونوں بانوں میں
 ادا کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔

الغرض یہ رسالہ دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے؛ پہلے حصے میں مرزا کی زندگی کے واقعات۔ جہاں تک
 کہ معلوم ہو سکے۔ اور انکے اخلاق و عادات و خیالات کا بیان ہے۔ انھیں حالات کے ضمن میں انکی فہم
 خاص تھیں یا اشعار جو کسی واقعے سے علاقہ رکھتے ہیں، اور انکے لطافت و نوادریں جن سے مرزا کی طبیعت کا
 اصلی چہرہ اور انکی تمیز میں کی قوت نہایت واضح طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اپنے اپنے موقع پر ذکر کیے گئے
 ہیں۔ دوسرے حصے میں مرزا کے تمام کلام نظم و نثر اردو اور فارسی کا انتخاب؛ اور ہر قسم پر جدا جدا
 اور آخر میں مرزا کے کسی قدر کلام کا موازنہ ایران کے بعض مسلم الثبوت استادوں کے کلام کے ساتھ کیا گیا ہے
 خاصہ کتاب پر ایک مختصر بیوی مرزا کی تمام لائق اور ان کی طرز شاعری و افشار داری پر لکھا گیا ہے؛
 جسکو ساری کتاب کا لٹل باب سمجھنا چاہیے۔

اگرچہ مرزا کی لائق۔ جیسا کہ ہم آئندہ کسی موقع پر بیان کرینگے۔ ان قافیوں سے خالی نہیں ہے
 جو ایک بانیوگرافی سے حاصل ہونے چاہئیں۔ لیکن اگر ان قافیوں سے قطع نظر کیا جائے تو بھی ایک
 ایسی زندگی کا بیان جس میں ایک خاص قسم کی زندہ دلی اور شگفتگی کے سوا کچھ نہ ہو۔ ہماری نظر مردہ اور

دل مردہ سوسائٹی کے لیے کچھ کم ضروری نہیں ہے۔ اسکے سوا ہر قوم میں عموماً، اگر گری ہوئی قوموں میں خصوصاً، ایسے عالی خلقت انسان شاذ و نادر پیدا ہوتے ہیں جنگی ذات سے (اگرچہ قوم کو براہِ راست کوئی معتد بہ فائدہ نہ پہنچا ہو) لیکن کسی علم یا صنعت یا لٹریچر میں کوئی حقیقی اضافہ کم و بیش قوموں میں کیا ہوتا اور سلف کے ذخیرے میں کچھ نیا سرمایہ شامل ہوا ہو۔ ایسے لوگوں کی لافٹ پر غور کرنا، اسکے ورکس میں چھان بین کرنی، اور اسکے نوادر افکار سے مستفید ہونا، قوم کے اُن فرائض میں سے ہے جن سے غافل رہنا قوم کے لیے نہایت افسوس کی بات ہے۔ جیسا کہ خود مرزا ایک جگہ لکھتے ہیں ”حیف کہ ابنائے روزگار حسن گفتار، مرا نشانہ خستہ، مرا خود دل پر آناں فی سوزد کہ کامیاب شناسائی خزانہ از وی گشتند و انہیں نہایشای نظر فروز۔ کہہ، نظم و نشر بکار بردہ ام۔ سرگراں گذشتند۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم آغاز کتاب

میرزا اسد اللہ خان غالب المعروف بہ میرزا فوشہ، الخطاب بہ یحکم الدولہ و بہر الملک اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ، المتخلص بہ غالب در فارسی و اسد در ریختہ، شب ہشتم ماہ رجب سالکہ ہجری کو شہر اگرہ میں پیدا ہوئے۔ مرزا کے خاندان اور اصل دگوہر کا حال جیسا کہ انھوں نے اپنی تحریروں میں جا بجا ظاہر کیا ہے۔ یہ ہے کہ اُنکے اباؤ اجداد ایک قوم کے ترک تھے؛ اور اُن کا سلسلہ نسب ابنِ فریدون تک پہنچتا ہے۔ جب کیانی تمام ایران و توران پر سلبط ہو گئے، اور تورانیوں کا جاہ و جلال دنیا سے رخصت ہو گیا؛ تو ایک مدت دراز تک تور کی نسل ملک و دولت سے بے نصیب رہی۔ مگر تلوار کبھی ہاتھ سے نہ چھوئی؛ کیونکہ ترکوں میں قدیم سے یہ قاعدہ چلا آتا تھا کہ باپ کے متروک کس سے بیٹے کو تلوار کے سوا اور کچھ نہ ملتا تھا؛ اور کل مال و اسباب اور گھر بار بیٹی کے حصے میں آتا تھا۔ بسا ایک مدت کے بعد اسلام کے عہد میں اسی تلوار کی بدولت ترکوں کے بختِ خفّہ نے پھر کر دٹ بدلی؛

اور سلجوقی خاندان میں ایک زبردست سلطنت کی بنیاد قائم ہو گئی۔ کئی سو برس وہ تمام ایران و توران و شام و روم دینی ایشیائے کوچک پر حکمران رہے۔ آخر ایک مدت کے بعد سلجوقیوں کی سلطنت کا خاتمہ ہوا، اور سلجوق کی اولاد جا بجا منتشر و پراگندہ ہو گئی۔ انھیں میں سے ترسم خاں نام ایک میرزا دے نے سمرقند میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ مرزا کے دادا جو شاہ عالم کے زمانے میں سمرقند سے ہندوستان میں آئے وہ اسی ترسم خاں کی اولاد میں تھے۔ مرزا عمر خیر و زکے و باپے میں لگتے میں "ازد اسپان این خاں نیا سے من کرد قلم و ماوراء النہر سمرقند شہر مسقط الاراس دے بود۔ چون سیل کرد بالا بستی آید از سمرقند بند آمد" اور درفش کاویانی میں اس طرح لکھا ہے "بالجہ سلجوقیاں بعد ز دل دولت و برہم خوردن ہنگامہ سلطنت در تعلیم و سبع الفضای ماوراء النہر پراگندہ شدند۔ ازاں جہا سلطان ترسم خاں کہ از قلم از سمرقند و سمرقند را بہر اقامت گزید۔ تا دے عہد سلطنت شاہ عالم نیا سے لے کر سمرقند بہ تبتان مرزا کے دادا کی زبان بالکل ترکی تھی، اور ہندوستان کی زبان بہت کم سمجھتے تھے۔ اُس زمانے میں ذوالفقار الدولہ مرزا بخت خاں شاہ عالم کے دربار میں دخل کھی رکھتے تھے۔ بخت خاں نے مرزا کے دادا کو سلطنت کی حیثیت کے موافق ایک عمدہ منصب دیا اور پراسا سکا یہ حاصل پرگنہ ذات اور رسالے کی تنخواہ میں مقرر کر دیا۔ اُنکے کئی بیٹے تھے جن میں سے دوسرے نام معلوم ہیں: ایک مرزا کے باب عابد اللہ بیگ خاں عرف میرزا دولہا اور دوسرے نصر اللہ بیگ خاں۔ عباد اللہ بیگ کی شادی خواجہ غلام حسین خاں کیدان کی بیٹی سے ہوئی تھی؛ جو کہ سرکار میرٹھ کے ایک معزز فوجی افسر اور عاملہ شہر آگرہ میں سے تھے۔ مرزا عابد اللہ بیگ خاں نے بطور فائدہ دادا کے اپنی

مرزا کے ایک اُس بچے کو لے کر تھے جو صوبہ کی نسبت چھوٹا اور پرگنہ و محال و چیز سے بہت بڑا ہوا تھا۔

تمام عمر سسرال میں بسر کی؛ اور اُن کی اولاد نے بھی وہیں پرورش پائی۔ مرزا عابد اللہ بیگ خاں کے دو بیٹے ہوئے: ایک مرزا اسد اللہ خاں؛ اور دوسرے میرزا یوسف خاں۔ جو تباہ و تباہ میں جنون ہو گئے تھے اور اُسی حالت میں شہر میں انتقال کیا۔

مرزا کے والد عابد اللہ بیگ خاں۔ جیسا کہ مرزا نے خود ایک خط میں لکھا ہے۔ اول لکھنؤ میں جا کر نواب آصف الدولہ کے ہاں نوکر ہوئے؛ اور چند روز بعد وہاں سے حیدرآباد پہنچے؛ اور سرکار صغریٰ میں تین سو سو روپے کی تنخواہ پر رہے۔ مگر وہ نوکری ایک خاندان کے کچھڑے میں جاتی رہی؛ اور وہ واپس آکرے میں چلے آئے۔ یہاں آکر انھوں نے اور کا قصد کیا۔ راجہ پنجاہ در سنگھ نے ابھی اُنکو کوئی خاطر خواہ نوکری نہیں دی تھی کہ اتفاق سے انھیں دونوں میں ایک گروہی کے منیڈا ران سے پھر گئے۔ جو فوج اُس گروہی پر سرکوبی کے لیے بھیجی گئی اُسکے ساتھ مرزا عابد اللہ بیگ خاں کو بھی بھیجا گیا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی اُن کے گولی لگی اور وہیں اُنکا انتقال ہو گیا؛ اور ران گروہی میں دفن ہوئے۔ راجہ پنجاہ در سنگھ ریس الورنے دو گانوسیر حاصل اور کسی قدر روزینہ مرزا مرحوم کے دو نوادوں کی پرورش کے واسطے مقرر کر دیا؛ جو ایک مدت دراز تک جاری رہا۔ مرزا کے والد کی وفات کے بعد اُنکے چچا نصر اللہ بیگ خاں نے اُنکو پرورش کیا۔

جب سرکار آگرہ کی عکدار ہندوستان میں اچھی طرح قائم ہو گئی؛ اور نواب غزالہ اللہ خاں نے

مرزا نے جو قصیدہ "چندو دیان سنگھ کی من میں لکھا ہے" میں لکھے ہیں

در چہا گلی شدہ ام چہ کہ حضور: بگین حق ہر دم دیرینہ غور: دارم گوش مقدر ز قیادت سال: کنوں کہ غرضت دوس سال سے شاد

بایں شہید روزنامہ سپان مارگاہ: بایں شہید مقدر ز قیادت آن دیار: کانی بود مشاہدہ شام عز وریست: در خاک لاج گروہی ہم را بود نظر: ۱۰

لاؤ ایک کے لشکر میں شامل ہوئے؛ تو انھوں نے مرزا غالب کے چچا نصر اللہ بیگ خاں کو جس سے
خواب موصوف کی ہمیشہ منسوب تھیں۔ سرکاری فوج میں بھرتہ رسالہ داری ملازم کرادیا۔ اُن کی ذات اور راسخ
کی تحواہ میں دوپہ گئے یعنی سونک اور سوناب۔ جو فوج اگر وہ میں واقع ہیں۔ سرکار سے اُن کے نام پر مقرر
ہو گئے۔ جب تک وہ زندہ رہے۔ دونوں پر گئے اُن کے نامزد رہے؛ اور ان کی وفات کے بعد اُن کے وارثوں
اور متعلقوں کی پیشین سرکار نے فیروز پور جگر کی ریاست سے مقرر کر دیں جس میں سے سات سو پیر
سالانہ مرزا کو اخراج پیل مشتمل ایک برابر ملتا رہا۔ مگر فتح دہلی کے بعد تین برس تک قلعے کے تعلقات کے
سبب یہ پیشین بند رہی۔ آخر جب مرزا کی ہر طرح سے بریت ہو گئی تو پیشین پھر جاری ہو گئی؛ تو تین برس کی
واصلات بھی سرکار نے عنایت کی۔ جب تک پیشین بند رہی مرزا کے دوستوں کو نہایت تعلق خاطر رہا۔
اکثر لوگ پیشین کا حال دریافت کرنے کو خط بھیجتے تھے۔ ایک دفعہ میر ہمدی نے اسی مضمون کا خط بھیجا
تھا؛ اسکے جواب میں مرزا صاحب لکھتے ہیں "میاں بے رزق بیٹے کا دھب مجھ کو لگایا ہے؛ اس طرح سے
خاطر جمع رکھنا۔ رمضان کا مہینہ روز بے کھا کھا کر کاٹا آگے خدا رزاق ہے؛ کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہے۔"
مرزا نے اپنے علو خاندان پر جایا فارسی اشعار میں فخر کیا ہے جو کائنات میں سے بعض اشعار طبع
سے خالی نہیں ایسے اس مقام پر نقل کیے جاتے ہیں۔ قطعہ

غالب از خاک پاک تو را نیم لاجرم در نسب فروستدیم
ترک زادیم و در ترا دہے بہ سترگان قوم ہو ندیم
آبیکسم از جماعت تراک در ہم نامی ز ماہ دہ چندیم

ترک ایک ترک لکھتے ہیں کہ آج سے چار سو اور ایک سال اور بڑی کو کہتے ہیں جس میں ایک کے سنی ماہ نام و بزرگ ہے
اس لئے مرزا نے کہا ہے اور نامی زادہ دہ چندیم ۱۳

فوج آبا سے ماکشا در زبست عزیز باں زادہ سمر چندیم
ورز معنی سخن گزار دہ خود چہ گویم تاجہ و چندیم
فنیض حق را کیستہ شاگردیم عقل کل را ہیستہ فرزندیم
ہم بہ تابش بہ برق ہفتیم ہم بہ بخشش بہ ابراستدیم
یہ تلاشے کہ ہست خیر و زیم بعاثے کہ نیست خرسندیم
ہمسہ بر خوشین ہے کریم ہمہ بر روزگاری خندیم

قطعہ

ساتی! جو سن پشنگی و افراسیام دانی کہ اہل گوہرم از دودہ جہست
سیراٹ جم کئے ہو اکون بن سپاہ نہیں ہیں رسد ہشت کہ میراث آدمست

رباعی

غالب بہ گہر ز دودہ زاد ششم ناں رو بھغای دم نیست دم
چوں رفت بہمدی ز دم چنگ شعر شد تیر شکستہ دنیا گاہ تسلیم

مرزا غالب نے اپنے چھوٹے بھائی کے بہن شو رنگ اگر سے ہی میں رہے؛ اگرچہ سات برس
کی عمر سے وہ دہلی میں آنے جانے لگے تھے لیکن شادی کے بعد تک ان کی مستقل سکونت اگر سے ہی میں
رہی اور شیخ معظم جو اس زمانے میں اگر سے کے نامی سٹوں میں سے تھے اُن سے تعلیم پاتے رہے۔ اُن کے
بعد ایک شخص پارسى نژاد جس کا نام آتش پرستی کے زمانے میں ہر مرقو تھا اور بعد مسلمان ہونے کے
اس کا نام چنگ از سبک کیا گیا ہے۔ نام ہے۔ * نام از سبک کیا گیا ہے اور چنگ کے باپ کا نام ہے

عبدالصمد رکھا گیا ؛ غالباً اگر سے میں ستا مانہ وار دھوا ؛ جو کہ دو برس تک مرزا پاس اول لگے
 میں اور پھر دلی میں مقیم رہا ؛ میرزا نے اس سے فارسی زبان میں کسی قدر بصیرت پیدا کی ۔ اگر کبھی
 کبھی مرزا کی زبان سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ ”مجھ کو مبدأ قیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے ؛ اور
 عبدالصمد محض ایک فرضی نام ہے ۔ چونکہ مجھ کو لوگ یہ استاد کہتے تھے اُن کا منہ بند کرنے کو میں نے
 ایک فرضی استاد دیکھ لیا ہے “ مگر اس میں شک نہیں کہ عبدالصمد فی الواقع ایک پارسی نژاد آدمی تھا
 اور مرزا نے اس سے کم و بیش فارسی زبان سیکھی تھی ۔ چنانچہ مرزا نے جا بجا اسکے تلمذ پر اپنی تحریروں
 میں تحریر کیا ہے اور اسکو بلفظی تمسار جو پارسیوں کے ہاں نہایت تعلیم کا لفظ ہے یاد کیا ہے ۔ لیکن جیسا
 مرزا نے اپنی بعض تحریروں میں تصریح کی ہے ۔ مرزا کی چودہ برس کی عمر تھی جب عبدالصمد اُن کے
 مکان پر وارد ہوا ہے اور کل دو برس اُسے وہاں قیام کیا ۔ پس جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مرزا
 کو کس عمر میں اسکی صحبت میسر آئی ، اور کس قدر قلیل مدت اسکی صحبت میں گزری ؛ تو عبدالصمد اور
 اسکی تعلیم کا عدم وجود برابر ہو جاتا ہے ۔ اس لیے مرزا کا یہ کتنا کچھ غلط نہیں ہے کہ مجھ کو مبدأ قیاض
 کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے ۔

ایک جگہ مرزا نے مبدأ قیاض سے مستفید ہونے کا مضمون نہایت عمدگی سے باندھا ہے اور وہ
 شعر یہ ہے

انچہ در مبدأ قیاض بود آن من است گل جدا ناشدہ از شاخ بدان من است
 ایک اور مقام پر اس سے بھی عمدہ طریقے سے یہ مطلب ادا کیا ہے ؛ وہ کہتے ہیں

باقی فیض ز مبدأ فرد تم از اسلاف کہ بودہ ام قدرے دیر تر در آن درگاہ

نوروز بن بھماں در ہزار ولایت و دولت طور خسرو و سعدی پیشش صد و پنجاہ
 ملا عبدالصمد علاوہ فارسی زبان کے جو اسکی مادری زبان اور اسکی قوم کی مذہبی زبان تھی ۔
 عربی زبان کا بھی ۔ جیسا کہ مرزا نے لکھا ہے ۔ بہت بڑا فاضل تھا ۔ اگرچہ مرزا کو اسکی صحبت بہت
 کم میسر آئی ؛ مگر مرزا جیسے جو ہر قابل کو صغیرین میں ایسے شفیق ، کامل ، اور جامع اللسانین استاد
 کامل جانا اُن نوادر اتفاقات میں سے تھا جو بہت کم واقع ہوتے ہیں ۔ اگرچہ مرزا کو اس سے
 زیادہ مستفید ہونے کا موقع نہیں ملا ؛ مگر اسکی فیض صحبت نے کم سے کم وہ ملکہ ضرور مرزا میں پیدا
 کر دیا تھا جسکی نسبت کہا گیا ہے کہ ” اگر حاصل شود خواندہ و ناخواندہ برابرست ؛ و اگر حاصل نشود
 ہم خواندہ و ناخواندہ برابر “ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کی حسن قابلیت اور حسن استعداد نے ملا عبدالصمد
 کے دل پر گہرا نقش بٹھا دیا تھا کہ یہاں سے چلے جانے کے بعد بھی وہ مدت تک مرزا کو نہیں بھولا ۔
 نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کہتے تھے کہ ملا کے ایک خط میں جو اسے مرزا کو کسی دوسرے ملک سے بھیجا تھا یہ
 فقرہ لکھا تھا ” اے عزیز چہ کسی ؟ کہ ! ایں ہمہ آزاد ہیا گاہ گاہ بخاطرے گزری “ اس سے معلوم
 ہوتا ہے کہ جو کچھ دو برس کے قلیل عرصے میں وہ مرزا کو سکھا سکتا تھا اُن میں ہرگز مضائقہ نہ کیا ہوگا
 اور جیسا کہ قاطع برہان اور درفش کاویانی کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے اُسے تمام فارسی
 زبان کے مقدم اصول اور گراں پارسیوں کے مذہبی خیالات اور اسرار جیکو فارسی زبان کے
 سمجھنے میں بہت بڑا دخل ہے اور پارسی و سنسکرت کا متحدہ الاصل ہونا اور اسی قسم کی اور ضروری
 باتیں مرزا کے دل میں بوجہ اوستے پر نشین کر دی تھیں ۔

م۔ دونیت یعنی دوسرہ ۔ اہل زبان اکثر دو کے لفظ کے ساتھ جگہ سے نیت ۔ کا لفظ استعمال کرتے ہیں ۱۲

دلی میں آنکے قیام کا زمانہ قریب پچاس برس کے معلوم ہوتا ہے۔ اس تمام مدت میں انھوں نے غالباً بیاں کوئی مکان اپنے لئے نہیں خریدا۔ ہمیشہ کرائے کے مکانوں میں رہا کیے۔ یا ایک مدت تک میاں کا لے صاحب کے مکان میں بغیر کرائے کے رہے تھے۔ جب ایک مکان سے جی اگلیا اسے چھوڑ کر دوسرا مکان لے لیا۔ مگر قاسم جان کی لگی یا حبش خاں کے چھانک یا اسکے قریب جوہا کے سوا کسی اور ضلع میں جا کر نہیں رہے۔ سب سے اخیر مکان جس میں ان کا انتقال ہوا حکیم محمود خاں مرحوم کے دیوان خانے کے متصل مسجد کے عقب میں تھا جسکی نسبت وہ کہتے ہیں۔

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے یہ بندہ کیسہ ہمایہ خدا ہے

جس طرح مرزا نے تمام عمر رہنے کے لیے مکان نہیں خریدا اس طرح مطالعے کے لیے بھی۔ باوجودیکہ ساری عمر تصنیف کے شغل میں گزری۔ کبھی کوئی کتاب نہیں خریدی۔ الا ماشاء اللہ۔ ایک شخص کا یہی پیشہ تھا کہ کتاب فروشوں کی دکان سے لوگوں کو کرائے کی کتابیں لا دیا کرتا تھا، مرزا صاحب بھی ہمیشہ اسی سے کرائے پر کتابیں منگواتے تھے اور مطالعے کے بعد واپس کر دیتے تھے۔

ظاہر مرزا نے کوئی لمبا سفر کلکتے کے سوا نہیں کیا۔ اسی سفر کی آمد و رفت میں وہ چند ماہ لکھنؤ اور بنارس میں بھی ٹھہرے تھے۔ کلکتے جانے کا سبب یہ تھا کہ جب مرزا کے چچا نصر اللہ بیگ خاں نے وفات پائی تھی اس وقت مرزا کی عمر نو برس کی تھی اور ان کے بھائی کی عمر سات برس کی تھی۔ نصر اللہ بیگ خاں کی وفات کے بعد ان کے متعلقوں اور وارثوں کے لیے۔ جن میں مرزا اور ان کے بھائی بھی شریک تھے۔ جو پیش گورنٹ نے ریاست فیروز پور جھک پر محمول کر دی تھی جنگ مرزا وغیرہ میں رہے جو کچھ وہاں سے ملتا رہا پاتے رہے۔ جب سن تیرہ کو پہنچے اور شادی بھی ہو گئی۔

عالم شباب اور خانہ داری کی ضرورتیں بہت بڑھ گئیں اور گھر میں جو کچھ آتا تھا وہ بھی چند روز میں سب ختم ہو گیا، لاچار فکر معاش دانگیر ہوئی۔ اول مرزا کو غلط یا صحیح یہ خیال پیدا ہوا کہ فیروز پور سے جس قدر منشن ہمارے خاندان کے لیے گورنٹ نے مقرر کرائی تھی اس قدر ہلکے نہیں ملتی۔ ضرورتوں نے سخت تنگ کر رکھا تھا، اور قرض خواہوں کے تقاضے سے ناک میں دم آگیا تھا، اور ہر چہ بھائی کو جنوں ہو گیا، مرزا جیسے آزاد منش آدمی کے لیے یہ وقت نہایت سخت تھا، اس کشمکش میں انکو اسکے سوا اور کچھ نہ سوچا کہ کلکتے پہونچ کر سو پریم گورنٹ میں منشن کی بابت استغاثہ پیش کریں۔ چنانچہ مرزا اس حالت کی نسبت ایک خط میں لکھتے ہیں دو ہنگامہ دیوانگی برادر یک طرف، و غوغای دام خواہاں یک سو، آشوبے چریدہ کہ نفس راہ لب، و گاہ روز و نیم فراموش کرد؛ و گیتی میں روشنی روشن در نظریہ و تار شد۔ بابے از سخن دوختہ، و چشم از غوش فرو بستہ جہاں جہاں شکستگی، و عالم عالم تنگی با خود گرفتہ؛ و از بیدار روزگار نالاں، و سینہ بدم تنہا لالہ بکلکتہ رسیدم۔

غرض کہ مرزا کی عمر کچھ کم چالیس برس کی تھی جبکہ وہ لکھنؤ ہوتے ہوئے کلکتے پہنچے۔ کلکتے میں لوگوں نے انکی بہت خاطر مدارات کی اور ان کو کامیابی کی امید دلائی۔ اس طرح ایک صاحب سکرٹری گورنٹ ہند نے جنگی مح میں مرزا کا فارسی قصیدہ ان کے کلیات میں موجود ہے؛ و دعا کیا کہ تمہارا حق ضرور تمکو ملے گا۔ کول برک صاحب جو اس وقت دلی میں ریڈیٹ تھے انھوں نے دلی ہی میں مرزا سے عمرہ پرورٹ کرنے کا اقرار کر لیا تھا۔ ان امیدوں کے دھوکے میں وہ چار سے نو برس کلکتے میں رہے؛ مگر آخر کار نتیجہ ناکامی کے سوا کچھ نہ ہوا۔ گورنٹ نے سر جان سلیم

گورنر نہیں ہے۔ جو لارڈ لیک کے سکریٹری رہ چکے تھے، اور انھیں کے روبرو جاگیروں اور زمینوں کی سندیں لوگوں کو ملی تھیں؛ مرزا کے معاملے کی بابت متفہم کیا۔ انھوں نے مرزا کے دعوے کو غلط بتایا اور جس طرح اور جس قدر پیش فیروز پور سے ملنی قرار پائی تھی اسکی مفصل کیفیت۔ جو مرزا کے دعوے کے بالکل برخلاف تھی۔ گورنمنٹ میں بھیج دی۔ جب یہاں سے مرزا کو مایوسی ہوئی تو انھوں نے ولایت میں اپیل کیا، مگر وہاں بھی کچھ نہ ہوا۔

مرزا صاحب نے گورنمنٹ ہند سے پانچ درخواستیں کی تھیں؛ ایک تو یہی کہ انکے خیال کے موافق جو مقدار پیش کی گئی تھی اس سے وہ آئندہ پوری ملا کرے۔ دوسری یہ کہ اب تک جس قدر کم پیش ملتی رہی ہے اسکی اصلاحات ابتدا سے آج تک ریاست فیروز پور سے دیوائی جائے۔ چونکہ پہلی درخواست نامنظور ہوئی تھی (اس لیے دوسری درخواست کیونکر منظور ہوتی) تیسری درخواست یہ تھی کہ کل پیش میں جو جتنی میرا قرار پائے وہ اور شکر کا سے علیحدہ کر دیا جائے۔ چوتھی یہ کہ پیش فیروز پور سے خزانہ سرکار میں منتقل ہو جائے؛ تاکہ رئیس فیروز پور سے مانگنی نہ پڑے۔ (یہ دونوں درخواستیں منظور ہو گئیں اور انکے موافق اخیر تک علیحدہ کر دیا گیا) پانچویں درخواست خطاب اور خلعت کی تھی۔ جہاں تک معلوم ہے کوئی خطاب گورنمنٹ سے مرزا کو نہیں ملا۔ لیکن گورنمنٹ نے اور لوکل گورنمنٹ سے ان کو خا نصاحب بسیار مہربان دوستانہ لکھا جاتا تھا۔ اور جب کبھی دلی میں دیر سے یا فائنٹ گورنر کا دربار ہوتا تھا تو انکو بھی شل دیگر رؤسا و عاملہ شہر کے بلایا جاتا تھا۔ اور سات پارچہ کا خلعت مع جیفہ و سرترچ و مالاسہ مروارید کے انکو برابر ملتا رہا۔ اور تمام لوکل حکام اور افسرانے رئیس زادوں کی طرح ملتے رہے۔

اگلے کے قیام کے زمانے میں کچھ لوگوں نے مرزا کے کلام پر اعتراض کیے تھے اور اپنے اعتراضوں پر قلیل کا قول سنا پیش کیا تھا۔ مگر مرزا ہندوستان کے فارسی گوشاخروں میں خسرو کے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں "اہل ہند میں سوا سے خسرو دہلوی کے کوئی مسلم الثبوت نہیں؛ میںاں یعنی کی بھی کہیں کہیں ٹھیک نکل جاتی ہے" اسی لیے وہ قلیل و واقف وغیرہ کو کچھ چیز نہیں سمجھتے تھے۔ انھوں نے قلیل کا نام سنکر ناک بخون چڑھائی اور کہا کہ میں دلوئی شکر فریاد کے کھتری کے قول کو نہیں مانتا اور ان کا کہنے کے سوا کسی کے قول کو قابل استناد نہیں سمجھتا۔ اور اپنے کلام کی سند میں اہل زبان کے اقوال پیش کیے۔ اسپر ستر میں زیادہ جوش و خروش پیدا ہوا اور مرزا پر اعتراضوں کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ اگرچہ مرزا کے طرفدار بھی کھلتے میں بہت تھے مگر چونکہ مرزا اعتراض اور مخالفت سے بہت جڑ ہوتے تھے۔ انکے گھبراہٹ کو ایک مقرر بھی کافی تھا۔ انھوں نے تنگ آکر ایک مثنوی موسوم بہ باد مخالفت۔ جس میں اپنی غریب الوطنی کا ذکر اور اہل کلاں کی نامہ بانی کی شکایت اور انکے اعتراضات اور اپنے جواب نہایت عمدگی اور صفائی اور درو آگیز طریقے سے بیان کیے ہیں۔ لکھی۔ یہاں اس مثنوی کے کچھ اشعار مختلف مقامات سے نقل کیے جاتے ہیں۔

اے تاشایان بزم سخن وے مسیحا دمان نادرہ فن
اے گرانایگان عالم حرفت خوش نشینان اس بابا تنگرت

مرزا قلیل خود لکھتے: اسلام آباد سے پہلے ان کا نام دلوئی شکر تھا۔ اور وہ فریاد و شعلہ و جلی کے کھتری تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد کھتری بن گئے۔ جہاں ان کی نہایت قدر ہوئی۔

مجاہد
رب
کھتری

مجاہد
رب
کھتری

اسے سخن پروران کلکتہ
 ہر یکے صدر بزم بارگے
 ہر یکے پیش تاز قافلہ
 اسے پہنچل وکالت آمادہ
 اسے شگرفان عالم انصاف
 اسے سخن راظر از جاں دادہ
 عطر بر مغنہ گیتی افشاں
 اسے گرامی فغان بخیت گو
 اسے ریمان این سواد عظیم
 انجمن آرمیدہ این شہر
 انس اللہ بخت برگشتہ
 گرچہ ناخواندہ میمان شہر
 یہ نظم رسیدہ است اینجا
 آرمیدن دہید روزے چار
 کاراجاب ساختن رسمت
 اک رہ و رسم کار سازی کو
 کیستم؟ دل شکستہ غمزدہ
 وسے زباں اوران کلکتہ
 شمع غلوت سرے کار گے
 ہر یکے کتخا سے مرحلہ
 داغ غمخوار ہے جہاں دادہ
 ببقارت رسیدہ از اطراف
 صفحہ ساز گلستاں دادہ
 پہلوانان پہلوی داناں
 فنسہ دریا کشتان عمرہ جو
 وسے فراہم شدہ زینت اعلیم
 بہر کار سے رسیدہ این شہر
 در حشم وچہ عجب سرگشتہ
 بے سخن۔ ریزہ بین خوان شہر
 بامید آرمیدہ است اینجا
 خستہ را بسایہ دیوار
 میسماں زانو افتن رسمت
 شیوہ میسماں نوازی کو
 بیدے خستہ ستم زدہ

برق بیضا قتی بجاں زدہ
 از گرد از غمش تباب و تبہ
 حش طوفانی محیط بلا
 دور و مندے جگر گراختہ
 در آگاہیے فنا زدہ
 چہ بلا ہا کشیدہ ام حسہ
 بر سید روز غمہ تم بینید
 اندہ دوریے وطن نگرید
 دھمکسین نالہ و فغاں باہم
 پوپچوں موے کردہ است مرا
 ذوق شعہ و سخن کجاست مرا
 دارم آسے زہرہ لائی خویش
 گردش روزگار خویشتم
 باسن این خشم و کین!! درین درین
 پر غمہ بیاں کجا رواست ستم
 آتش عشم بجان داناں زدہ
 در بیا بیاں یا ستم تبہ
 سر بسر گرد کاروان فنا
 از عشم دہر زہرہ و باختہ
 ہمہ بر خویش پشت باز زدہ
 کہ بدخیار رسیدہ ام حسہ
 تیرہ شہسار و ختم بینید
 عشم حیدر ان عجب نگرید
 من و جاں آندیں کجاں باہم
 غصہ ہوئے کردہ است مرا
 کئے زبان سخن سراست مرا
 نومہ بر خویش و بنیوائی خویش
 حیرت کار و بار خویشتم
 من چناں تاں چنیں!! درین درین
 رسم اگر نیت خود چراست ستم
 بندہ ام بندہ محمد باباں
 رفر غمستان و نکستہ داناں

نه ز آویزشش بیان ترسم من و ایسان من کز آن ترسم
 که پس از من بیالماے دراز بزباں ماند این حکایت باز
 که سینے رسیده بود این جا چند روز آرمیده بود این جا
 با بزرگان ستیزه پیش گرفت ز حتمت واد واد خویش گرفت
 شوق چشمه و زشت خوئے بود دیمیانے و هرزه گوئے بود
 مسم یفسانه گفتگوئے و شت هم خرابانانے هوئے و شت
 برگ دنیا نه ساز خویش بود ننگ دلی و سر زینش بود
 آواز اول دم که بعد رفتن من خون دلی بود گردن من
 تا بوم ریخ دوستان باشم بدول آغبسن گراں باشم
 شاد گردند کز میاں بروم آوخ از من که من چاں بروم
 خسته و مستند برگردم دترم آیم نرند برگردم
 بود اعسم کس از شما نرسد شوق را خروءه و فانه رسد

دوستان را اگر من گم است که خرامت خلافت فاند است
 می زویم از بے قتیلت همه ساخته فرود ادمیل همه
 توانمین حلقه چون بدر زده گام بر جاده دگر زده
 اے تماشایان ثروت بگاه باں بگو سید حبه بشده

که چاں از خرمین برچشم سر آں بجا دودی بدهر سر
 دل دهد کز اسیر برگردم نراں نو آئین صفیر برگردم
 دامن از کف کنم چگونہ را طالب و عرفی و نظیری را
 خاصه روح و روان معنی را آں ظهوری جهان معنی را
 آنکه از سر فرازی غمش آسمان ساست پرچم شش
 طر ز اندیشه آفریده است در تن لفظ جان و میده است
 پشت معنی قوی ز پولیش خاصه را فریبی ز بازویش
 طر ز تحت بر رانوی ازوے صفه ارتنگ مانوی ازوے
 فتنه گفتگوے اینانم مست لایه بیوے اینانم
 آں که طے کرده این موافقت را چه شناسد قتل و دواقت را
 یک با اینهمه که لیس دارم گنج معنی در آستین دارم
 دل و جانم فداے اجا بست شوق وقف رضاے اجا بست
 می شوم خویش را بصلح دلیل می سرایم نواے بیج قلیل
 آماند ز من دگر گله رسد از پیران و سے صله
 گفتن آئین پوشیاری نیست یک دانستن اختیاری نیست
 اگر چه ایرایش نخواهم گفت سعدی نایش نخواهم گفت

یعنی آیدان عزت میدم که از سیرت هم زبان کا محاوره ہے کہ دل ہم بجائے "دل دستور دی دہد کے ہوتے ہیں۔"

لیک ازمن ہزار بار یہ است
من کعب خاک و او سپر بلند
وصفت او حد چون منے بود
مرجا ساز خوش بیانی او
نظمش آب حیات را ماند
نثر او نقش بال طاووس است
پادشاہے کہ در تلمذ حرف
خامہ ہندوی پاری دانش
ایں رقمہا کہ بخت ملک خیال
ازمن نار سائے ہیچداں
بوکہ آید ز عذر خوہی ما
اشقی نامہ و داد پیام
ازمن ہجو من منرار بہ است
خاک را کے رسد ہجو نکند
مسدور غور و روز نے بود
حبذا شور و عکسہ دانی او
در روانی فرات را ماند
انتخاب صرح و قاموس است
کردہ ایجاد نکتہ ہائے شگرت
ہندیایں سر بجز دانش
بود سطح زمانہ اعمال
معذرت نامہ است زنی یاراں
رسم بر ما و بیگناہی ما
ختم شد و السلام والا کرام

جب مرزا نے دلی سے کلکتے جانے کا ارادہ کیا تھا اسوقت راہ میں ٹھہرنے کا قصد تھا۔ مگر چونکہ لکھنؤ کے بعض ذی اقدار لوگ مدت سے چاہتے تھے کہ مرزا ایک بار لکھنؤ آئیں؛ اس لیے کانپور پہنچ کر انکو خیال آیا کہ لکھنؤ بھی دیکھتے چلیے۔ اس زمانے میں نصیر الدین حیدر مرزا نے اورنگ آباد نائب السلطنت تھے۔ اہل لکھنؤ نے مرزا کی عمرہ طور پر مدارات کی اور روشن الدولہ کے ہاں زبانِ شہادت

انکی تقریب کی گئی۔ مرزا سے اس پر شانی کے عالم میں قصیدہ تو سرا انجام نہیں ہو سکا؛ مگر ایک مرتبہ صنعتِ تعطیل میں۔ جو انکے مسودات میں موجود ہے۔ نائب السلطنت کے سامنے پیش کرنے کے لئے لکھی تھی لیکن مرزا صاحب نے ملاقات سے پہلے دو شرطیں ایسی پیش کیں جو منظور نہ ہوئیں؛ ایک یہ کہ نائب میری تعلیم دیں، دوسرے نذر سے مجھے معاف رکھا جائے۔ اسی وجہ سے مرزا۔ بغیر اسکے کہ روشن الدولہ سے ملیں اور وہ شرط پیش کریں۔ وہاں سے کلکتے کو روانہ ہو گئے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ کلکتے سے واپس آنے کے بعد انہوں نے ایک قصیدہ دلی سے نصیر الدین حیدر کی شان میں لکھا ایک دوست کے توسط سے گزرا نا تھا۔ اور اس پر پانچ ہزار روپے بطور صلے کے ملنے کا حکم ہوا تھا۔ شیخ امام بخش تاسخ نے مرزا کو لکھا کہ پانچ ہزار ملے تھے؛ تین ہزار روشن الدولہ لکھا گئے؛ اور دو ہزار متوسط کو دیکر کہا کہ اسیں سے جو مناسب سمجھو مرزا کو بھیج دو۔ مرزا صاحب نے بے شک بھر پور تحریک کی۔ مگر تین دن بعد یہ خبر پہنچی کہ نصیر الدین مر گئے۔ پھر واجد علی شاہ کے زمانے میں مرزا نے سلسلہ جنابانی کی؛ اور پانچ سو روپیہ سالانہ ہمیشہ کے لئے وہاں سے مقرر ہو گئے۔ لیکن صرف دو برس گزرے تھے کہ ریاست ضبط ہو گئی؛ اور وہ دفتر کا دھڑ بھونکا۔

لکھنؤ کی ایک صحبت ہیں۔ جب کہ مرزا وہاں موجود تھے۔ ایک روز لکھنؤ اور دلی کی زبان پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک صاحب نے مرزا سے کہا کہ جس موقع پر اہل دہلی اپنے تئیں بولتے ہیں وہاں اہل لکھنؤ آپ کو بولتے ہیں؛ آپ کی رائے میں فصیح آپکو ہے یا اپنے تئیں؟ مرزا نے کہا فصیح تو یہی معلوم ہوتا ہے جو آپ بولتے ہیں؛ مگر ہمیں وقت یہ ہے کہ مثلاً آپ میری نسبت یہ فرمائیں کہ میں آپ کو فرشتہ خصائل جانتا ہوں، اور میں اس کے جواب میں اپنی نسبت یہ عرض

کروں کہ میں تو آپ کو کتنے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں؛ تو سخت مشکل واقع ہوگی۔ میں تو اپنی نسبت کو گنا اور آپ ممکن ہے کہ اپنی نسبت سمجھ جائیں۔ سب حاضرین یہ لطیفہ سنکر ہنسنے لگے۔ فرمایا مطلب صرف اس قدر بیان کرنا تھا کہ آپ کو مخاطب کے لئے تو عموماً بولا ہی جاتا ہے؛ اگر تکلم کے لئے بھی اسکا استعمال ہوگا تو بعض مواقع پر التباس واقع ہوگا۔ اس مطلب کو انھوں نے اس لطیفہ پر ایسے میں بیان کیا۔ مگر یہ فقط ایک لطیفہ اہل صحبت کے خوش کرنے کے لئے تھا۔ ورنہ اہل دہلی بھی اکثر بجا ہے اپنے تئیں کے آپ کو بولتے ہیں؛ ارسیں کچھ اہل گفتگو کی خصوصیت نہیں ہے۔

ازبان کے متعلق مرزا کا اسی قسم کا ایک اور لطیفہ مشہور ہے۔ دلی میں رتھ کو بعضے نوٹ اور بعض مذکور بولتے ہیں کسی نے مرزا صاحب سے پوچھا کہ حضرت! رتھ نوٹ ہے یا نذر کر؟ آپ نے کہا بھیتا! جب رتھ میں عورتیں بیٹھی ہوں تو نوٹ کہو اور جب مرد بیٹھیں تو نذر کر سب سمجھو۔

ایک تذکرہ آبجیات میں لکھا ہے کہ شہنشاہ عیس۔ جبکہ دہلی کلج نئے اصول پر قائم کیا گیا۔ مسٹر ٹامسن سکریٹری گورنمنٹ ہند۔ جو آخر کو اضلاع شمال و مغرب میں فنٹ گورنر ہو گئے تھے۔ مدرین کے امتحان کے لئے دلی میں آئے۔ اور چاہا کہ جس طرح سورہ پیدہا ہوا کا ایک عربی مدرسہ طبع میں مقرر ہے؛ اسی طرح ایک فارسی کا مدرسہ تقرر کیا جائے۔ لوگوں نے مرزا اور مولانا اور مولوی امام بخش کا ذکر کیا۔ سب سے پہلے مرزا صاحب کو بلا لیا گیا۔ مرزا اپنی ملیں سوار ہو کر صاحب سکریٹری کے ذریعہ پر پہنچے۔ صاحب کو اطلاع ہوئی؛ انھوں نے خود آبلایا۔ مگر یہ اپنی

بہنو

مذکورہ آبجیات میں لکھا ہے کہ شہنشاہ عیس۔ جبکہ دہلی کلج نئے اصول پر قائم کیا گیا۔ مسٹر ٹامسن سکریٹری گورنمنٹ ہند۔ جو آخر کو اضلاع شمال و مغرب میں فنٹ گورنر ہو گئے تھے۔ مدرین کے امتحان کے لئے دلی میں آئے۔ اور چاہا کہ جس طرح سورہ پیدہا ہوا کا ایک عربی مدرسہ طبع میں مقرر ہے؛ اسی طرح ایک فارسی کا مدرسہ تقرر کیا جائے۔ لوگوں نے مرزا اور مولانا اور مولوی امام بخش کا ذکر کیا۔ سب سے پہلے مرزا صاحب کو بلا لیا گیا۔ مرزا اپنی ملیں سوار ہو کر صاحب سکریٹری کے ذریعہ پر پہنچے۔ صاحب کو اطلاع ہوئی؛ انھوں نے خود آبلایا۔ مگر یہ اپنی

سے آخر کر اس انتظار میں ٹھہرے رہے کہ دستور کے موافق صاحب سکریٹری انکے لینے کو آئینگے جب بہت دیر ہوگئی، اور صاحب کو معلوم ہوا کہ اس سبب نہیں آئے؛ وہ خود باہر چلے آئے اور مرزا سے کہا کہ جب آپ دربار گورنری میں تشریف لاؤ گے تو آپ کا اسی طرح استقبال کیا جائیگا لیکن اس وقت آپ نوکری کے لئے آئے ہیں اس موقع پر وہ برتاؤ نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب نے کہا گورنمنٹ کی ملازمت کا ارادہ اس لئے کیا ہے کہ اغوا کچھ زیادہ ہونے اس لئے کہ موجودہ اغوا میں بھی فرق آئے۔ صاحب نے کہا ہم قاعدے سے مجبور ہیں۔ مرزا صاحب نے کہا جگہ اس خدمت سے معاف رکھا جائے؛ اور یہ لکھ چلے آئے۔

مرزا کو سطح اور چوسر کھیلنے کی بہت عادت تھی۔ اور چوسر جب کبھی کھیلتے تھے برائے نام کچھ بازی بد رکھ لیا کرتے تھے۔ اسی چوسر کی بدولت شہنشاہ عیس میں مرزا پر ایک سخت ناگوار واقعہ گذرا۔ مرزا نے خود اس واقعہ کو ایک فارسی خط میں مختصر طور پر بیان کیا ہے جس کا ترجمہ ہم اس مقام پر لگتے ہیں۔ کو تو ال دشمن تھا اور مجسٹریٹ ناواقف؛ فتنہ گھات میں تھا اور ستارہ گردش میں۔ باوجود مجسٹریٹ کو تو ال کا حاکم ہے؛ میرے باب میں وہ کو تو ال کا محکوم بن گیا اور میری قید کا حکم صادر کر دیا۔ سشن جج۔ باوجودیکہ میرا دوست تھا اور ہمیشہ مجھے دوستی اور مہربانی کے برتاؤ کرتا تھا اور اکثر جھگڑوں میں بے تکلفانہ ملتا تھا۔ اسنے بھی اغماض اور تعافل اختیار کیا۔ صدر میں اپیل کیا گیا مگر کسی نے نہ سنا اور وہی حکم بحال رہا۔ پھر معلوم نہیں کیا باعث ہوا کہ جب اچھی میعاد گذر گئی تو مجسٹریٹ کو رحم آیا اور صدر میں میری رہائی کی رپورٹ کی اور دیاں سے حکم رہائی کا لیا اور حکام صدر نے اسی رپورٹ بھیجے پر اسکی بہت تعریف کی۔ سنا ہے کہ رجم دل حاکموں نے مجسٹریٹ کو بہت تعزیر کی اور

مذکورہ آبجیات میں لکھا ہے کہ شہنشاہ عیس۔ جبکہ دہلی کلج نئے اصول پر قائم کیا گیا۔ مسٹر ٹامسن سکریٹری گورنمنٹ ہند۔ جو آخر کو اضلاع شمال و مغرب میں فنٹ گورنر ہو گئے تھے۔ مدرین کے امتحان کے لئے دلی میں آئے۔ اور چاہا کہ جس طرح سورہ پیدہا ہوا کا ایک عربی مدرسہ طبع میں مقرر ہے؛ اسی طرح ایک فارسی کا مدرسہ تقرر کیا جائے۔ لوگوں نے مرزا اور مولانا اور مولوی امام بخش کا ذکر کیا۔ سب سے پہلے مرزا صاحب کو بلا لیا گیا۔ مرزا اپنی ملیں سوار ہو کر صاحب سکریٹری کے ذریعہ پر پہنچے۔ صاحب کو اطلاع ہوئی؛ انھوں نے خود آبلایا۔ مگر یہ اپنی

میری خاکساری اور آزادہ روی سے اسکو مطلع کیا، یہاں تک کہ اسے خود بخود میری رہائی کی رپورٹ بھیجی۔ اگرچہ اس وجہ سے کہ ہر کام کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں اور خدا سے ڈرتا ہوں۔ جو کچھ گزرا اس کے تنگ سے آزاد اور جو کچھ گزرنے والا ہے اس پر راضی ہوں۔ گزرا نہ کرنا، آئین جو دیکھ کے خلاف نہیں ہے۔ میری یہ آرزو ہے کہ اب دنیا میں نہ رہوں؛ اور اگر رہوں تو ہندوستان میں رہوں۔ روم ہے، مصر ہے، ایران ہے، ہندو ہے؛ یہ بھی جانے دو خود کو یہ آزادوں کی جاسے پناہ اور استاذ رحمۃ اللعالمین ولداؤں کی تکیہ گاہ ہے۔ دیکھیے وہ وقت کب آئے گا کہ درمانگی کی قید سے جو اس گزری ہوئی قید سے زیادہ جانفروا ہے نجات پاؤں اور نیز اس کے کوئی منزل مقصود قرار دوں۔ سو بھرا نکل جاؤں۔ یہ ہے جو کچھ کہ مجھے گزرا اور یہ ہے جس کا میں آرزو مند ہوں۔

یہ واقعہ مرزا صاحب پر نہایت شاق گذرا تھا۔ اگرچہ غلط چہ مینے کے تین مینے جو انکو قید خانے میں گزرے ان کو کسی طرح کی تکلیف نہیں ہوئی؛ وہ بالکل قید خانے میں اسی آرام سے رہے جیسے گھر پر رہتے تھے۔ کھانا اور کپڑا اور تمام ضروریات حسب دلخواہ گھر سے انکو پہنچی تھیں۔ ان کے دوست ان سے ملنے جاتے تھے۔ اور وہ صرف بطور نظر بندوں کے جلنے کے ایک علیحدہ کمرے میں رہتے تھے۔ مگر چونکہ اس وقت تک شہر کے شرفاء و اعیان کے ساتھ کبھی اس قسم کا سلوک مرزا نے نہیں دیکھا تھا اس لیے وہ اسکو ایک بڑی بے آبروئی کی بات سمجھتے تھے۔ چنانچہ جو ترکیب بند انھوں نے قید خانے میں لکھا تھا اُس میں کہتے ہیں

راز دانا غم رسوائی جاوید بیاست
چو بر اعداد و دوازدل بر رہائی لیکن
بہر آزار غم از قید فرنگم نبرد
طعن اجاب کم از غم حتم نبرد

نواب مصطفیٰ خاں مرحوم نے اس زمانے میں مرزا کے ساتھ دوستی کا حق پورا پورا ادا کیا۔ اپیل میں جو کچھ صرف ہوا وہ اپنے پاس سے مرن کیا اور تین مینے تک برابر انکی غمخواری اور ہر طرح کی خبر گیری میں مصروف رہے۔ چنانچہ اسی ترکیب بند میں نواب مرحوم کی نسبت کہتے ہیں۔

خود چراغوں نورم از غم کہ غمخواری من رحمت حق بہ لباس بشہر آمد گوئی
خواجہ ہست دریں شہر کا ز پرش و پایہ خوشنم در غم آمد گوئی
مصطفیٰ خاں۔ کہ دریں واقعہ غمخوار ہست

گرمیم چہ غم از مرگ۔ عند ادا ہست

جب مرزا قید سے چھوٹ کر آئے تو یہاں کاٹلے صاحب کے مکان میں آکر رہے تھے۔ ایک روز یہاں کے پاس بیٹھے تھے؛ کسی نے اگر قید سے چھوٹنے کی مبارکباد دی۔ مرزا نے کہا "میں بھڑا قید سے چھوٹا ہوں؛ پہلے گھر سے کی قید میں تھا اب کالے کی قید میں ہوں۔"

مرزا نے قید میں ایک فارسی ترکیب بند اپنے حسب حال لکھ کر دوستوں کو بھیجا تھا۔ اس نظم میں گل ساٹ بند اور ہر بند میں بارہ بارہ شعر ہیں۔ مرزا کے عزیزوں اور دوستوں نے کلیات فارسی میں اس نظم کو چھپنے نہیں دیا تھا؛ مگر مرزا صاحب نے مرنے سے کسی قدر پہلے اپنی جدید نظم کا ایک مجموعہ موسوم بہ سید حسین شائع کیا تھا؛ ان میں اس ترکیب بند کو بھی شامل کر دیا تھا۔ لیکن حسین کی زیادہ اشاعت نہیں ہوئی؛ اس لئے یہ ترکیب بند بہت کم لوگوں کی نظر سے گزرا ہے۔ چونکہ

۴۰ محبت محمد نصیر الدین ۶۰۰ یہاں کالے صاحب بہادر شاہ مرحوم کے بیٹے اور ملا فخر الدین قدس سرہ کے پوتے تھے۔ مرزا خت تک ان کے مکان میں رہے ہیں۔ وہ مرزا سے نہایت محبت رکھتے تھے اور انھیں کی تقریب سے شے ہیں۔

یہ ترکیب بند مرزا کی عمدہ ترین حالتہ فطرتوں میں سے ہے اس واسطے اسکے مختلف بندوں میں سے کچھ کچھ شعر بیان نقل کئے جاتے ہیں

خواہم از بند بہ زنداں سخن آغاز کنم غم دل پرودہ دری کرد۔ فغاں ساز کنم
بہ نوائے کہ ز مضرب چکاند خواب خوشی تن را بہ سخن ز مر مر پر داز کنم
چوں سراپای سخن انصاف ز مجرم خواہم چوں نویم غزل اندیشہ ز غما ز کنم
یار دیرینہ با قدم رنجہ مفر با کا بجا آں نگہ کہ تو در کوئی دمن باز کنم
اہل زنداں بسر و چشم خودم جادواز تا بدیں صدر نشینی چہ قدر ناز کنم
ہندہ زردان گرفتار! وفا نیست بشیر خوشی تن را بہ شما ہدم و ہر داز کنم
پاسانایاں ہم آئید کہ من سے ایم در زنداں بکشاید کہ من سے ایم
ہر کہ دیہے بہر خوشی پاسم گشتے خیر مکتدم بسر آید کہ من سے ایم
جادہ نشناسم و زانہو شامی ترسم راہم از دور نماید کہ من سے ایم
رہر و جسادہ تسلیم و رشتی نکند سخت گیرندہ چہ آید کہ من سے ایم
ہاں عزیزاں کہ دریں کلبہ اقامت داید بخت خود را بستاید کہ من سے ایم
تا بہ دروازہ زنداں سپے آردن من قدمے رنجہ نماید کہ من سے ایم
چوں سخن سنجی و فرزانگی آئین من است بہرہ از من بریاید کہ من سے ایم
انچہ فردا ست حسام از در آمد گوئی آفتاب از جہت قبلہ برآمد گوئی
دل دہستے کہ مراد بود و ماند ز کار شب و روز یکہ مراد بود و سرآمد گوئی

از بند اول

از بند دوم

از بند سوم

بہرہ اہل جہاں چوں نہاں مرد و غم دست بہرہ من ز جہاں بیشتر آمد گوئی
خشن و بدین من جد و غمست۔ برو بر من اینہا از نصف او قدر آمد گوئی
ہنرم را نتوان کرد چہ خشن صنائع خشکی غازیہ روئے ہست آمد گوئی
چرخ یک مرد گر انما بہ زنداں خواہد دوست از قید زلفین آمد گوئی
بہرماں! در دلم از دیدہ نشانید بہد قلاب خسروہ را روج در داند بہد
بند احمد کہ در عیش و نشاطید بہد بند اش کہ با شوکت و شانید بہد
من بجز خفتہ و نیم ہمہ بینید بہد من بجز خستہ و دامن ہمہ داند بہد
در میاں ضابطہ مراد فائے دوست من بریم کہ ہر آئینہ برآید بہد
روزے از مہر گفتید فلانی چوں است بارے از لطف بگوئید چہ آید بہد
چارہ گر نتوان کرد دعائے کافی است دل اگر نیست حسد را دوزخ آید بہد
ہفت بندست کہ در بند رقم ساختہ ام بنویسید و بہر بسیند و بخوانید بہد

آں نہ باشم کہ بہریم ز من یاد آرید

دارم امید کہ در بیم سخن یاد آرید

۱۲۶۶ھ میں مرحوم ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ نے مرزا کو خطاب غم الدولہ ویر الملک نظام جنگ اور چٹھہ پارسے کا خلعت مع تین رقوم جواہر یعنی جفیہ و سرسبز و حائل مرادید کے۔ دربار عام میں محبت فرمایا اور خاندان تیمور کی تاریخ نویسی کی خدمت پر بشاہرہ بچاؤں دو پیہ ماہوار کے مامور کیا۔ اور یہ قرار پایا کہ احترام الدولہ علیہم احسن اللہ فاں مرحوم مختلف تاریخوں سے مضامین انتقا کر کے مرزا کے حوالہ کیا کریں

در بند

در بند

اور مرزا ان تمام مطالب کو اپنی طرز خاص کی فارسی نثر میں بیان کریں۔ اور کتاب دوشہن کی تقسیم کی جائے۔ پہلے حصے میں کچھ مختصر حال ابتدا سے آفرینش سے صاحبقران تیمور گورکان تک، اور کسی قدر معقل حالات تیمور سے نصیر الدین ہمایوں کے اخیر زمانے تک بیان کئے جائیں۔ اور دوسرے حصے میں جلال الدین اکبر بادشاہ سے لیکر سراج الدین بہادر شاہ کے زمانے تک تمام واقعات تاریخ کے ساتھ درج کئے جائیں۔ مرزا نے تمام کتاب کا نام پر توستان اور اسکے پہلے حصے کا نام مہر خیر و زور اور دوسرے حصے کا نام ماہ نیم ماہ تجویز کیا تھا۔ ان کو اپنی دو ترکیبوں پر ناز تھا؛ ایک ماہ نیم ماہ اور دوسرے رتھیم جیسا۔ مرزا کہتے تھے کہ چودھویں رات کے چاند کو ماہ چارہ اور ماہ دو ہفتہ تو پہلے لوگوں نے اکثر باندھا ہے؛ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے ماہ نیم ماہ کسی نے نہیں باندھا۔ یہ ترکیب خاص میری تراشی ہوئی ہے۔ مگر اس میں ہے کہ دوسرا حصہ یعنی ماہ نیم ماہ بالکل نہیں لکھا گیا۔ مہر خیر و زخم ہونے کے بعد مرزا نے ذرا آرام لینے کے لئے چند روز توقف کیا تھا اور راہ و تھا کہ طلبہ دوسرا حصہ شروع کریں کہ اتنے میں غدر ہو گیا اور اس حصے کا صرف نام ہی نام رہ گیا۔

حیدر آباد سے ایک صاحب نے مرزا سے ماہ نیم ماہ کو طلب کیا تھا اسکے جواب میں لکھتے ہیں "ماہ نیم ماہ سمیت کہ مستحق اندازہ۔ چون از سر نوشت گردن نتوان پیچید سرگزشت باز گویم ہر گویک نیز از پرتو لب انجام یافت، و مہر خیر و زام یافت، نئے درنگ و زید و شد؛ تانفس راست کرد آید۔ تا گاہ کار فرما روز فرد رفت، و روز گار سر آمد؛ و دولت و یرغیہ ترکمانان فرچار یہ سپری گشت۔ ماہ نیم ماہ بچوں

یہ رتھیم بنے جانے کا تاریخ کا ماہ ہے۔ اس میں رتھیم کے اعداد یعنی ۱۷۷۷ میں سے جا کے عدد یعنی ۱۷۷۸ کا خرچہ کیا ہے۔

ماہ بست و ہشت شبہ ناپدیدار، و تاملش بعنوان بے نشانی و مہر نیم روز آشکار۔ ماند۔

اسٹیم جوری میں۔ جبکہ شیخ ابراہیم ذوق کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ کے اشعار کی اصلاح بھی مرزا سے متعلق ہو گئی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ مرزا اس کام کو بادل ناخواستہ سر انجام کرتے تھے۔ ناظر حسین مرزا مرحوم کہتے تھے کہ ایک روز میں اور مرزا صاحب دیوان عام میں بیٹھے تھے کہ چوبہا آیا اور کہا کہ حضور نے غزلیں مانگی ہیں۔ مرزا نے کہا ذرا ٹھیر جاؤ؛ اور اپنے آدمی سے کہا کہ پاگلی میں کچھ کاغذ و مال میں بندے ہوئے رکھے ہیں وہ لے آؤ۔ وہ فوراً لے آیا۔ مرزا نے جواسکو کھولا تو انیس سے آٹھ نو پرچے۔ جن پر ایک ایک دو دو مصرع لکھا ہوا تھا؛ کھالے۔ اور اسی وقت دوات قلم منگو اگر ان مصرعوں پر غزلیں لکھنی شروع کیں؛ اور وہیں بیٹھے بیٹھے آٹھ یا نو غزلیں تمام و کمال لکھ کر چوبہا کے حوالے کیں۔ ناظر مرحوم کہتے تھے کہ ان تمام غزلوں کے لکھنے میں ان کو اس سے زیادہ دیر نہیں لگی کہ ایک شائق استاد چند غزلیں مرن کہیں کہیں اصلاح دیکر درست کر دے جب چوبہا پر غزلیں لیکر چلا گیا تو مجھے کہا کہ حضور کی کبھی کبھی فرمائشوں سے آج مدت کے بعد سبکدوشی ہوئی ہے اگرچہ مرزا صاحب جو کچھ اپنی طرز خاص میں لکھتے تھے۔ نظم ہر یا نثر اسکو بڑی کاوش اور جانکاہی سے سر انجام کرتے تھے؛ چنانچہ خود انھوں نے جا بجا اسکی تصریح کی ہے؛ مگر جب کبھی اپنی خاص روش پر چلنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی اس وقت ان کو فکر پر زیادہ زور نہ دانا سہی جاتا تھا۔

اسٹیم جوری میں۔ جبکہ نواب نصیر الدین احمد خاں مرحوم کلکتے گئے ہوئے ہیں۔ مولوی محمد عالم مرحوم نے جو کلکتے کے ایک دیرینہ سال فاضل تھے۔ نواب صاحب سے بیان کیا کہ جس زمانے میں مرزا صاحب یہاں آئے ہوئے تھے۔ ایک مجلس میں۔ جہاں مرزا بھی موجود تھے، اور میں بھی حاضر تھا۔ شعر کا ذکر

خبریت
اصلاح
اشعار
چوبہا

سبب

ہو رہا تھا۔ اثنائے گفتگو میں ایک صاحب نے فیض کی بہت تعریف کی۔ مرزا نے کہا ”فیضی کبھی لوگ سمجھتے ہیں ویسا نہیں ہے،“ اسپر بات بڑھی۔ اس شخص نے کہا فیضی جی پہلی ہی بار اکبر کے رو برو گیا تھا۔ اسے ڈھائی سو شعر کا قصیدہ اُسی وقت ارتجالاً لکھ کر پڑھا تھا۔ مرزا بولے ”اب بھی اللہ کے بندے ایسے موجود ہیں کہ دو چار سونے تو دو چار شعر ہر موقع پر بڑا ہتھ کھڑے ہیں،“ غائب نے حبیب سے ایک چلتی ڈلی نکال کر بتیلی پر رکھی اور مرزا سے درخواست کی کہ اس ڈلی پر کچھ لکھنا ہو۔ مرزا نے گیارہ شعر کا قطعہ اُسی وقت موزوں کر کے پڑھ دیا۔ جو کہ اُنکے دیوانِ رحیمہ میں موجود ہے۔ اور جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

ہے جو صاحب کے کت دست پہ پکچنی ڈلی زب دینا ہے اسے جس قدر اچھا کیسے

مرزا صاحب کے اولاد کچھ نہ تھی۔ ابتدا میں سات بچے پے درپے ہوئے، مگر کوئی زندہ نہیں باقی رہا۔ اس لئے ایک مدت سے وہ اور انکی بی بی تنہا زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر گذرے چند سال پہلے جبکہ انکی بی بی کے بھانجے زمین العابدین خاں عارف کا انتقال ہو گیا، اور اُنکے دو بچے ایک ہی عیال اور دوسرے حسین علیہاں صغیر سن رہ گئے۔ تو مرزا اور انکی بی بی نے چھوٹے لڑکے حسین علیہاں کو جو اس وقت بہت کم عمر تھا اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ مرزا حسین علیہاں کو حقیقی اولاد سے بھی کچھ بڑھ کر عزیز رکھتے تھے اور کبھی اُنکے سے ادھل نہیں ہونے دیتے تھے اور حد سے زیادہ ناز و ریا کرتے تھے۔

جب زمین العابدین خاں کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو حسین علیہاں کے بڑے بھائی باقر علیہاں کو بھی مرزا نے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ یہ دونو خوش فکر اور اہل اور نیکو اور نہایت شریف مزاج تھے

خس ہے کہ مرزا کی وفات کے بعد دونو قہور نے قہور سے فاصلے سے جوان عرس فوت ہو گئے۔

زمین العابدین خاں عارف سے مرزا صاحب کو غایت درجے کا تعلق تھا۔ کچھ تو قرابت کے

سبب، اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ وہ نہایت خوش فکر اور معنی یاب طبیعت رکھتے تھے، اور باوجود بزرگوئی کے نہایت خوش گوشتے، اُنکو حد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اسی لئے جب جوان عرس میں فوت ہو گئے تو مرزا اور انکی بی بی پر سخت حادثہ گذرا۔ مرزا نے اُنکے مرنے پر ایک غزل بطور نوحہ کے لکھی ہے جو نہایت مہینج اور دردناک ہے۔ چنانچہ اُنکے چند شعر ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

لازم تھا کہ دیکھو مرا نہ تبا کوئی دن اور تنہا گئے کیوں اب ہو تنہا کوئی دن اور

اُسے ہوکل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں مانا کہ نہیں آج سے اچھا کوئی دن اور

جانے ہوئے کہتے ہو قیامت کو لٹنگے کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہاں اے فلک پیر جوں تھا ابھی عارف کیا تیرا گدوتا جو نہ مرنا کوئی دن اور

تم ماہ و شب چار دہم تھے غم کے پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

تم ایسے کہاں کے تھے گھرے داد و شکرت کرنا ملک الموت تبت انہا کوئی دن اور

مجھے تھیں نفرت سی میر سے لڑائی بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

گذری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش کرنا تھا جوں مرگ! گدازا کوئی دن اور

ناداں ہو جوتے ہو کہ کیوں میرے غالب! قسمت میں ہے مرنے کی تماشا کوئی دن اور

غدر کے زمانے میں مرزا دلی سے بلکہ گھر سے بھی باہر نہیں نکلے۔ جو میں بنیاد کا فتنہ اُٹھا

اُنہوں نے گھر کا دروازہ بند کر لیا، اور گوشہ تنہائی میں غدر کے حالات لکھنے شروع کئے۔

اگر چہ فتح دہلی کے بعد مہاراج پٹیلہ کی طرف سے حکیم محمود خاں مرحوم اور ان کے ہمایوں کے مکان پر
جیسے ایک مرزا بھی تھے۔ حفاظت کے لئے پہرہ بیٹھ گیا تھا؛ اس لئے وہ فخریہ سپاہیوں کی
لوٹ کھسٹ سے محفوظ رہے؛ مگر پھر بھی انکو طرح طرح کی کلفتیں اٹھانی پڑیں۔ مرزا کے چھوٹے
بھائی جو تین برس کی عمر میں دیوانے ہو گئے تھے، اور اخیر دم تک اسی حالت میں رہے؛ جب مرزا نے
دلی میں سکونت اختیار کی تو انکو بھی اپنے ساتھ ہمیں لے آئے تھے۔ مرزا کے مکان سے انکا مکان
تقریباً دو تہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ ایک دربان اور ایک کنیز کہ دونو عرسیدہ تھے۔ انکے پاس رہتے
تھے۔ جب دلی فتح ہو گئی، اور شہر اہل دہلی سے خالی ہو گیا، اور رستے بند ہو گئے؛ اُس وقت
مرزا بھائی کی طرف سے سخت پریشان رہنے لگے۔ بھائی کے کھانے پینے سونے مرنے اور بیٹنے
کی مطلق خبر نہ تھی۔ ایک روز یہ خبر آئی کہ مرزا یوسف کے مکان میں بھی کچھ سپاہی گھس آئے تھے،
اور جو کچھ اسباب ملا۔ لے گئے۔ پھر ایک دن وہی بڑھا دربان جو مرزا یوسف کی ڈیوڑھی پر رہتا تھا
یہ خبر لایا کہ پانچ روز سخت تپ میں مبتلا رہ کر آج آدمی رات گزرے مرزا یوسف کا انتقال ہو گیا۔
اُس وقت نہ کفن کے لئے کپڑا بازار میں مل سکتا تھا؛ نہ غسل اور گورکن کا کپڑا تھا؛ نہ شہر سے
قبرستان تک جانا ممکن تھا؛ مگر مرزا کے ہمایوں نے انکی بڑی مدد کی۔ پٹیلہ کی فرج کے ایک
سپاہی کو جو حفاظت کے لئے تعینات تھا۔ اور مرزا کے دو آدمیوں کو ساتھ لیا؛ اور مرزا صاحب
کے ہاں سے دو سفید چادریں لیکر مرزا یوسف کے مکان پر پہنچے۔ اور بعد غسل اور تجیر و کفن
کے مسجد کے صحن میں جو مکان کے قریب تھی۔ دفن کر دیا۔ مرزا نے دستنبویں اس مقام پر
یہ اشعار لکھے ہیں۔

دریغ آں کہ اندر رنگِ ثریت سہ شادوی سالِ ناشادِ ریت
تیر خاکِ بالیںِ خشتش ز بود بجز خاکِ در سرِ خشتش نہ بود
خدا یا بریں مردہ بختا تھے کہ نادیدہ دز ریت آسا تھے
سردشتے بر بوسے اذ فرست روانش بجا ویدیند فرست
اور بھائی کے مرنے کی تاریخ اس طرح لکھی ہے،
ز سالِ مرگِ سدیدہ میرزا یوسف کہ زیتے بچماں در زرخش بچا
یکے زرخش از من ہے خورشید کو کشیدم آہے و گفتم دریغ دیو

اس میں لفظ آہ ہے کا ترجمہ دریغ دیوانہ میں سے کیا ہے۔

ایک روز کچھ گورے مرزا کے مکان میں بھی گھس آئے تھے۔ ماچہ کے سپاہیوں نے ہر چند روکا
مگر انھوں نے کچھ اتفاقات نہیں کیا۔ مرزا دستنبویں لکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی نیک خوئی سے گھر
کے اسباب کو بالکل نہیں چھڑا؛ مگر مجھے، اور دونو بچوں کو، اور دو تین نوکروں کو، مع چند ہمایوں
کے کرنل بردن کے رو برو۔ جو میرے مکان کے قریب حاجی قطب الدین سوداگر کے گھر میں
سقیم تھے۔ یلگئے۔ کرنل بردن نے بت نرمی اور انسانیت سے ہمارا حال پوچھا اور ہلکے رخصت کر دیا۔
اسنا ہے کہ مرزا جب کرنل بردن کے رو برو گئے تو اس وقت کلاہ پہنچ انکے سر پہ تھی۔ انھوں نے
مرزا کی نئی وضع دیکھ کر پوچھا کہ دل تم مسلمان؟ مرزا نے کہا آدھا۔ کرنل نے کہا اسکا کیا مطلب؟
مرزا نے کہا "ختر اسب پتیا ہوں؛ سو ز نہیں کھاتا، کرنل یہ سنکر سنسنے لگا۔ پھر مرزا نے وزیر ہند

کی جھٹی۔ جو ملکہ منظر کے مدحیہ قصیدے کی رسید اور جواب میں آئی تھی۔ دکھائی۔ کرنل نے کہا تم سرکار کی فتح کے بعد پیٹری پر کیوں نہ حاضر ہوئے؟ مرزا نے کہا ”میں چار کاروں کا افسر تھا وہ چاروں مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے؛ میں کیونکر حاضر ہوتا؟ کرنل نے نہایت مہربانی سے مرزا اور ان کے تمام ساتھیوں کو رخصت کر دیا۔

اس مقام پر مرزا اپنی کتاب دستنبو میں لکھتے ہیں کہ ”سچ بات کا چھپانا آزادوں کا کام نہیں ہے۔ میں ادھامسلمان کہ جس طرح قید کیش وقت سے آزاد ہوں اسی طرح بدنامی اور سوائی کے خوف سے وارستہ ہوں۔ میری مدت سے یہ عادت تھی کہ رات کو فریج کے سوا کچھ کھاتا پیتا تھا اور اگر وہ نہ ملتی تھی تو جھکوندیندہ آتی تھی۔ اگر جواغزو، خدا دوست، خدا شناس، دریادل، مہوش و اس ہندوستانی شراب۔ جو رنگ میں فریج سے مشابہ، اور بویں اس سے بہتر تھی۔ مجھے نہ بیچتا تو میں ہرگز جاں نہ ہوتا۔ اس کے بعد یہ رباعی لکھی ہے

رباعی

از بدوالم واپہ زہر درمی جست از بادہ تاب یک دوساغی جست
فرزادہ میبیش داس بخشیدہ بن اسے کہ پر لے خود سکندر می جست

چونکہ اس وقت مسلمانوں سے شہر خالی ہو گیا تھا مرزا کے ہندو دوستوں کے سوا۔ جو ان کے پاس برابر آتے رہتے تھے، اور ہر طرح سے انکی غمخواری کرتے تھے۔ کوئی ان کا غمخوار نہیں رہا تھا۔ مرزا کی معاش کے صرف دو ذریعے تھے؛ سرکاری پینشن، اور قلعے کی تنخواہ؛ سو یہ دونو ذریعے سدا

۱۔ رجبی وہ چھ روزہ فرسہ منسوب ہوا۔ میرا اس سے تعلق نہیں ہے۔

ہو گئے تھے۔ شہر کے تمام مسلمان عائد۔ جو مرزا کے دوست اور عزیز تھے۔ اپنی اپنی حالت میں گزارتے تھے۔ اسکے سوا گھر میں جس قدر بی بی کے پاس زیور یا کوئی اور قیمتی چیز تھی؛ جب شہر لٹنے لگا۔ تو وہ دوسری جگہ گاڑنے دے دینے کے لئے بھیج دیا؛ جہاں سے تختہ سپاہ نے کھود کر سب نکال لیا۔ مگر مرزا نے اس تنگی و مصرت کی حالت میں بھی اپنے متعدد نوکروں میں سے کسی کو جواب نہیں دیا، اور جو حالت آ پڑا اور ان کے متعلقین پر خوش و ناخوش گذری ان میں نوکر بھی برابر شریک رہے۔ نوکروں کے علاوہ جن لوگوں کے ساتھ مرزا اس کے زمانے میں ہمیشہ سلوک کرتے تھے وہ اس حالت میں بھی مرزا کو ستاتے تھے اور چارنا چار انکی بھی مرزا کو خیر لمبی پڑتی تھی۔ مرزا لکھتے ہیں کہ ”اس ناداری کے زمانے میں جن قدر کپڑا، اوڑھنا، اور بھوننا گھر میں تھا سب بیچ کر کما لیا گیا اور لوگ روٹی کھاتے تھے اور میں کپڑا کھاتا تھا“ اسکے بعد کتاب کو اس طرح ختم کرتے ہیں کہ ”اس بار بھی اطفال یعنی کتاب دستنبو کے لکھنے میں کب تک خامہ فرسائی کی جائے؛ جو حالت کہ اس وقت درپیش ہے ظاہر ہے؛ کہ آسکا انجام یا موت ہے، یا بھیک مانگنا۔ پہلی صورت میں یقیناً اپنے اس نام تمام رہنے والی ہے، اور دوسری صورت میں نتیجہ اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ کہ کسی دکان سے دھکے کھائے گئے، اور کسی دروازے سے کوڑی چیا کچھ مل گیا۔ پس اپنی ذلت و رسوائی کے سوا اب انہیں لکھنے کو کچھ باقی نہیں رہا۔ قدیم نشن اگر مل بھی گئی تو بھی کام چلتا نظر نہیں آتا، اور نہ ملی تو تو کام ہی تمام ہے۔ شکل یہ ہے کہ دونو صورتوں میں۔ چونکہ اس شہر کی آب و ہوا اب خستہ دلوں کو اس آفتی معلوم نہیں ہوتی۔ ضرور شہر چھوڑنا اور کسی اور جگہ میں جا کر بسا کر پڑنا“

نقد کے بعد دو برس تک مرزا کا یہی حال رہا۔ مگر دو برس بعد نواب دوست علیاں مرحوم میں لاہور

۱۔ رجبی وہ چھ روزہ فرسہ منسوب ہوا۔ میرا اس سے تعلق نہیں ہے۔

نے سوز و پیمایہ اور ہمیشہ کے لئے مرزا کے واسطے مقرر کر دیا۔ جو نواب کلب علی خاں مرحوم نے بھی بدستور مرزا کے اخیر دم تک جاری رکھا۔ اور غدر سے تین برس بعد جب مرزا ہر ایک لازم سے بری ثابت ہوئے سرکاری نشین بھی جاری ہو گئی۔

جب نواب دوست علیاں کا انتقال ہو گیا اور مرزا توفیق کے لئے رام پور گئے چند روز بعد نواب کلب علیاں مرحوم کا نوب نصیحت گورنر سے ملنے کو پہنچا جانا ہوا انکی روانگی کے وقت مرزا بھی موجود تھے چلتے وقت نواب صاحب نے معمولی طور پر مرزا صاحب سے کہا ”خدا کے سپرد“ مرزا نے کہا حضرت خدا نے تو مجھے آپکے سپرد کیا ہے آپ پھر اٹھا جھکو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔“

جب مرزا دستین کو ختم کر چکے، اور اب بھی تنہائی اور شائے کا وہی عالم رہا، اس وقت سارا کے اور کیا چارہ تھا کہ دوات اور قلم کو مونس اور رفیق سمجھیں، اور کچھ لکھ کر اپنا غم غلط کریں۔ اور دل سلا لیں۔ مرزا پاس اس وقت سوائے برہان قاطع اور دساتیر کے کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ برہان کو اٹھا کر سرسری نظر سے دیکھنا شروع کیا۔ پہلی ہی نگاہ میں کچھ بے ربطیاں ہی معلوم ہوئیں۔ پھر زیادہ غور سے دیکھا تو اکثر لغات کی تعریف غلط پائی۔ ایک ایک لفظ متعدد فصلوں میں مختلف صورتوں سے لکھا دیکھا۔ شعر نے جو الفاظ بطور مجاز و کنایہ کے استعمال کئے ہیں ان کا ذکر بطور مستقل لغات کے دیکھا۔ طریقہ بیان اکثر بھونڈا اور اصول لغت نگاری کے خلاف پایا۔ بہت سے لغات کی ایسی تفسیر بھی دیکھی جسکے معنی بالکل سمجھ میں نہ آئے۔ مرزا نے یادداشت کے طور پر جو مقام قابل اعتراض نظر آئے انکو ضبط کرنا شروع کیا۔ شدہ شدہ وہ ایک کتاب بن گئی۔ جسکا نام قاطع برہان رکھا گیا، اور مشاعرہ میں چھپ کر شائع ہو گئی۔ پھر مرزا نے مشاعرہ میں باضائع دیگر مضامین و فوائد کو دوسری بار چھپوایا اور اٹکا

ملاحظہ

فصل اول

نام درمخس کا ویانی رکھا۔

یہاں دو چار مثالیں ان الفاظ کی دینی مناسب معلوم ہوتی ہیں جن پر مرزا نے صاحب برہان کا تخریب کیا ہے۔ مثلاً صاحب برہان نے عنبر لڑزاں کے معنی گیسوے رسول مقبول کے لکھے ہیں؛ اور پھر لکھا ہے کہ اسکو عنبر لڑزاں بھی کہتے ہیں، مرزا صاحب برہان کی غلطی کا منشاء یہ بتاتے ہیں کہ اسنے نظامی کا یہ شعر دیکھا ہے جو لغت میں ہے ”ہوے کناں عنبر لڑزاں دی ہر گرد و عالم دی اڑزاں وہی“ پس عنبر لڑزاں میں استعارہ کو اصل لغت قرار دیا اور دوسرے مصرع میں اڑزاں کے معنی اصل کو بالکل نہیں سمجھا اور آنحضرت کی زلف عنبر بود دو نوجوان کے بدلے میں بھی اڑزاں ہوا اسکا نام عنبر لڑزاں رکھ دیا یا مثلاً برہان میں لکھا ہے ”قافلہ شد یعنی قافلہ رفت یعنی قافلہ سالار رفت کہ کنایہ از فوت شدن پیغمبر باشد“ اقل تو قافلہ شد کو ایک منت قرار دینا ہی بے معنی ہے پھر اس کے معنی قافلہ سالار رفت کہنا اور قافلہ سالار کے جانے سے وفات سرور کائنات مراد لینا غلط در غلط اور خطہ در خطہ ہے مرزا غلطی کا منشاء مولانا نظامی کے اس شعر کو بتاتے ہیں ”قافلہ شد واپسی ماہیں“ اسے کس مابکیسی ماہیں؟ یہ شعر غزل اسرار کی مناجات میں واقع ہوا ہے مگر مرزا نے سہ سے اسکو جامی کی طرف منسوب کیا ہے شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے دوست اور رفیق اور ساتھی سب چل دیے اب تیرے سوا کوئی ہمارا یاد دہان نہیں ہے یا مثلاً صاحب برہان لکھا ہے کہ ”شش ضرب تیغ خوب کنایہ از گور و زبر باشد و کنایہ از تنگ و کنایہ از شکوہ و عمل و اقسام میوہ ہا ہم بہت و مخدوف ضرب ہم بنظر آند کہ شش ضرب تیغ خوب باشد“ مرزا نے جو اسکا خاکا اڑایا ہے وہ طول طویل ہے خلاصہ یہ ہے کہ اس مرکب اور بے معنی جملے کو لغت قرار دینا صاحب برہان ہی کا کام ہے اور اس طرح کے حدیثی الفاظ ہیں جن پر مرزا نے گرفت کی ہر اور اور طرح کی

نفرینیں اور بے ریلیاں ہیں جو بغیر کے کدرفش کا دیانی کو اقل سے آخر تک دیکھا جاسے ذہن نفس نہیں ہو سکتیں۔

جس وقت مرزا نے قاطع برہاں لکھی ہے نہ اس وقت اُنکے پاس ایک قلمی برہان کے سوا کوئی فرہنگ لغات تھی، اور نہ کوئی اور ایسا سامان موجود تھا جس پر تحقیق لغت کی بنیاد رکھی جاتی، میں کچھ اُنھوں نے لکھا یا محض اپنی یادداشت کے بھروسے پر اور یا ذوق و وجدان کی شہادت سے لکھا۔ باہم چند مقامات کے سوا۔ جہاں فی الواقع مرزا سے نفرت ہوئی ہے، اور بعض غلطیوں کا انھوں نے خود بھی اقرار کیا ہے۔ اُنکے تمام ایراد و اجبی معلوم ہوتے ہیں۔ البتہ درفش کا دیانی لکھتے وقت ملزم ہوتا ہے کہ فضلاے کلکتہ کی معصومہ مطبعہ برہان مرزا کے پیش نظر تھی۔

اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ہر کس و ناکس مرزا کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا۔ ایک قاطع برہان کے جواب میں مخرق قاطع، قاطع قاطع، مؤثر برہان، ساطع برہان وغیرہ چند رسالے لکھے گئے۔

مخالفت کی وجہ ظاہر ہے۔ تقلید نہ صرف امور مذہبی میں بلکہ ہر چیز، ہر کام، ہر علم، اور ہر فن میں ایسی ضروری شے ہو گئی ہے کہ تحقیق کا خیال نہ خود کسی کے دل میں غلط کر رہا ہے، اور نہ کسی دوسرے کو اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ سلف کے خلاف کوئی بات زبان پر لائے۔ جو کتاب تہود و تہو برس پہلے لکھی جا چکی ہے وہ وحی منزل کی طرح واجب التسلیم سمجھی جاتی ہے۔ پس مرزا کے اعتراضات برہان قاطع پر کیسے ہی صحیح اور دجہبی ہوتے، ممکن نہ تھا کہ اُنکی سختی کے ساتھ مخالفت نہ کی جاتی۔

بعض لوگوں کو یہ خیال ہے کہ مرزا نے جو ازراہ شوخی طبع کے صاحب برہان کا جابجا خاک اڑایا ہے اور کہیں کہیں الفاظِ نا ملائم بھی غیظ و غضب میں اُنکے قلم سے ٹپک پڑے ہیں زیادہ تر اس وجہ سے

قلم برہان کی مخالفت کی وجہ

مخالفت ہوئی، مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اگر مرزا۔ صاحب برہان کی نسبت ایسے الفاظ نہ لکھتے تو بھی مخالفت ضرور ہوتی۔ کیونکہ ہندوستان کے پُرانے تعلیم یافتہ جو آج کل ایک نہایت کس پرست حالت میں ہیں۔ اُنکے لئے کچھ غول و گناہی سے بچنے کا کوئی موقع ایسے سوا باقی نہیں رہا کہ کسی سربراہ اور ممتاز آدمی کی کتاب کا رد لکھیں اور لوگوں پر پھینکا ہر کریں کہ ہم بھی کوئی چیز نہیں جو رسالے قاطع برہان کے جواب میں لکھے گئے ہیں جب اُس کو سرسری نظر سے دیکھا جاتا ہے تو مرزا کے اعتراضوں کے اکثر جواب بہت صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ ہر ایک عجیب برہان کی تائید اس طرح کرتا ہے کہ جس طرح صاحب برہان نے لغت کی تحقیق کی ہے، اسی طرح فرہنگ جہانگیری، یا فرہنگ رشیدی، یا سراج اللغات، یا موند الفضلاء، یا ہفت قلم، یا کسی اور فرہنگ میں لکھا ہے۔ اور اس سے بادی النظر میں صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کا اعتراض غلط ہے۔ مگر جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فارسی لغات کی اکثر فرہنگیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں، اور جو فرہنگ سب سے پہلے لکھی گئی تھی پھلوں نے زیادہ تر اسکا تتبع کیا ہے، تو کسی جیسے جواب کی کچھ وقت باقی نہیں رہتی ایران کے ایک مشہور مصنف رضا قلی خاں ہدایت نے مشہور نامہ میں مبنی مرزا کی وفات سے چار برس بعد فارسی لغت کی ایک مہم کو کتاب لکھی ہے۔ جو فرہنگ نامہ صریح کے نام سے موسوم ہے، اور مرزا کی وفات سے دس بارہ برس بعد ہندوستان میں آئی ہے۔ ظاہر ہے کہ فارسی لغت کے متعلق جو کچھ اُس نے لکھا ہے وہ بہر حال ان فرہنگ نگاروں کی تحقیقات سے۔ جنھوں نے ہندوستان میں بیشک فارسی لغت کی کتابیں لکھی ہیں۔ زیادہ مستند اور زیادہ اطمینان کے لائق ہو گا۔ اُس نے اپنی فرہنگ کے شروع میں ایک باب فرہنگ جہانگیری، فرہنگ رشیدی، اور برہان قاطع

صحیح
چون
مستند

تینوں کی غلطیوں اور غرضوں کے بیان میں منعقد کیا ہے اور اسکے بعد ایک باب میں صرف برہان قاطع کی غلطیاں ظاہر کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اندلس ایک جزیرہ ہے ایک پہاڑ کے اوپر، یا غرناطہ ایک صوبہ ہے ہندوستان کا، یا چکاک کے تین معنی لکھے ہیں، پیشانی، قبلاؤں، اور مہرکن (اور یہ تینوں معنی غلط لکھے ہیں) یا کروخ جو ایک قریہ ہے مضافات ہرات میں اسکو برہان میں لکھا ہے۔ قریہ است از قراسے عالم۔ یہاں ازراہ طرہ صاحب فرہنگ نامری لکھتا ہے ”فی الحقیقت تحقیقہ دقیق فرمودہ است“ اسی طرح بہت سی غلطیاں صاحب برہان کی اس باب میں ظاہر کی ہیں۔ اور اسکے سوا اپنی تمام فرہنگ میں جایا اسکا تخریہ کیا ہے۔

جو اعتراض مرزا نے برہان پر وارد کئے ہیں؛ انکی بھی جایا فرہنگ نامری سے تائید ہوتی ہے۔ انماں جملہ لفظ آجپیں، استخر، صطر، جمد، باختر، راوش، دزاوش، کار کیا، ویرہ، داویرہ، اور اسی طرح کے الفاظ کی تحقیق فرہنگ نامری میں مرزا کے بیان کے مطابق پائی جاتی ہے۔ اسکے سوا برہان کے بیان کو جہاں مرزا نے بے معنی اور مہمل بتایا ہے؛ رضا قلی خاں بھی اسکو مہمل بتاتا ہے۔ مثلاً لفظ انجکک کی تفسیر میں صاحب بیان لکھتا ہے ”ہر چند فراش خیال جادوب سنبل برعل فرسک دیش زند از پوست آن پاک نتواند“ مرزا اسکی نسبت لکھتے ہیں ”فقیرۃ اخیر مگر کلام دیوست؛ ہر گاہ خوبی تحقیق چناں و حسن عبارت چنین باشد مقصود اصلی کہ معلوم کردن مجہولات است از برہان قاطع چگونہ حاصل تہاں کرد، و غلطی ازراہ طرہ اسی فقرے پر یہ لکھا ہے ”دریں مقام اس انشاء سے برع و بیان بلوغ زادہ طبعیاتی بودہ۔ برہان ذوق سلیم و ملتئم مستقیم صاحب برہان خود ہیں عبارات میں است۔ تا از پیش

ادوچہ آید۔“ اسی طرح برہان کی اکثر مہمل عبارتیں نقل کر کے اُسپر ہنستا ہے اور کہتا ہے کہ در ولایت ہند کو نہ ترکی و اتد و نہ پارسی ضبط و تصحیح لغات فارسی کے توانند، ایک جگہ صاحب برہان جامع (جو کراچی ہے) کا قول برہان قاطع کے باب میں نقل کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ”برہان قاطع میں لغات بغیر سند اور شواہد کے ذکر کئے گئے ہیں؛ انپر اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ ہمیں کنایات کو بھی ملحدہ لغت قرار دیتا ہے، اور سریانی و عبرانی و ترکی و ہند و پارسی کے غیر متعل لغات کے بیان میں، اور ایک ایک لغت کو بار بار مختلف صورتوں سے ذکر کرنے میں؛ تطویل لا طائل کرتا ہے،“ اسکے بعد رضا قلی صاحب برہان جامع کی تصدیق، اور اسکے ساتھ اتفاق رائے کرتا ہے۔ چونکہ مرزا کی لائف میں یہ بیان بے فو معلوم ہوگا اس لئے ہم اس سے قطع نظر کرتے ہیں جس کو زیادہ تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہو وہ ہنگامی طور کو خود ملاحظہ کرے۔

اگرچہ مرزا نے قاطع برہان میں بعض اعتراض غلط کئے ہیں؛ خصوصاً لفظ افسوس کے متعلق ایک بڑی فاحش غلطی کی ہے۔ کہ اسکو لفظ عربی الاصل ماخوذ از اسف قرار دیا ہے۔ اور اس غلطی کا انھوں نے آخر کار خود بھی اعتراف کیا ہے۔ اور عربی الفاظ کی تحقیق سے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے، اور ممکن ہے کہ اسکے سوا اور بھی کہیں کہیں اُن سے غلطی ہوئی ہو؛ لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو قاطع برہان کے دیکھنے سے مرزا کی سلامتی طبع اور ذوق صحیح کا کافی ثبوت ملتا ہے اور۔ جیسا کہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ”فارسی زبان کے قواعد و منوال بطیر سے ضمیر میں اس طرح جاگزیں ہیں جیسے فولادیں جو ہر“ فی الواقع فارسی زبان سے اُن کو فطری مشابہت معلوم ہوتی ہے۔ جو آئے کہ انھوں نے محض اپنے وجدان سلیم کی ہدایت سے برہان کی نسبت قائم کی تھی وہی رائے ایران کے

محققوں نے اسکی نسبت ظاہر کی ہے، اور جو غلطیاں اور بے ربطیاں مرزا نے برہان میں بتائی ہیں اور انکے سوا اور بے شمار غلطیاں صاحب فرہنگ ناصری نے انہیں نشان دی ہیں۔ اس سے زیادہ ایک ہندوستانی محقق کی سلامتی طبع کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟

مرزا نے قاطع برہاں کے اخیر میں چند غرائز لکھے ہیں؛ انہیں سے فائدہ اٹھل کا حاصل یہ ہے کہ "ان غرائز کے پیش کرنے میں چونکہ خود نمائی کی ہوتی ہے اس لئے شاید لوگ یہ کہیں کہ خود ہندوستانی ہو کر اور ہندوستانی کو مسلم نہ جاننا اور خود باندانی کا دعویٰ کرنا بے ہمتی ہے۔ سو میں اقرار کرتا ہوں کہ میرا دوا تو اس سے آیا تھا اور میرا باپ دلی میں پیدا ہوا، اور میں اگر سے میں۔ حاشاکہ میں اپنے تئیں اہل زبان سمجھتا ہوں میں بلشبہر باندنا ہوں اور میری باندانی اولاً خدا داد سلامتی طبع کی بدولت ہے؛ جو غلطی کو قبول نہیں کرتی اور بغیر سچائی کے تسلیم نہیں پاتی۔ دوسرے اس وجہ سے ہے کہ میری طبیعت فارسی زبان سے فطرتاً مناسب واقع ہوئی ہے۔ تیسرے مولانا عبد الصمد کے فیض صحبت سے جو مجھ کو دوسرے تک برابر حاصل رہا۔ چودہ برس کی عمر میں میں نے اُس سے تربیت پائی؛ اور باؤں برس مشق سخن کی۔ اب کہ مجھ کو چھپا سٹھ سال ہے۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں۔ اور خدا کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ کہ ان باؤں برسوں میں اُس نے کس قدر ہمتی کے دروازے مجھے کھولے ہیں؛ اور میری فکر کو کس درجہ کی بلندی بخشی ہے۔ انہوں نے میرے کلام کی خوبی کو نہ بچھا؛ اور زیادہ تر انہوں نے یہ کہ وہ شان ایزدی کی شناخت سے محروم ہے؛ اور میری نظم و شعر کے کثرتوں کو نہ اٹھا کر نہ دیکھا۔ گویا فطری جنت آسا گاہ کا قطع میرے حسب حال ہے۔

"تو فطری زلفک آمدہ بودی جو سبب باز پس رفتی کس طرح شناخت دینے"

جتنے آدمیوں نے قاطع برہاں کے جواب لکھے ہیں ان میں سے بعض کے جواب مرزا نے بھی لکھے ہیں

اور ان جوابوں میں زیادہ تر ظرافت اور شوخی طبع سے کام لیا ہے۔ کہیں انکے طرز بیان کا خاکا لایا ہے کہیں ان کی تحقیقات کا مضحکہ کیا ہے۔

مولوی امین الدین کی کتاب "دو قاطع قاطع" کا جواب مرزا نے کچھ نہیں دیا؛ کیونکہ انہیں غرض اور ناشائستہ الفاظ کثرت سے تھے۔ کسی نے کہا حضرت! آپ نے اسکا کچھ جواب نہیں لکھا۔ مرزا نے کہا "اگر کوئی گدھا مختار سے لات مارے تو کیا تم بھی اُسکے لات مارو گے؟"

ایک شخص مرزا احمد علی بیگ متوطن کلکتہ ہیں؛ جنہوں نے مرزا کے خلاف ایک مبسوط کتاب مؤید البرہان لکھی ہے؛ جسکے گتے وقت تمام ایشیا تک سوسائٹی کا کتب خانہ قاطع برہان کے چند اوراق کی تردید کے لئے جہان مارا ہے۔ اور مثل ادبیوں کے مرزا کے کسی اعتراض کو تسلیم نہیں کیا۔ اور جو سبک الفاظ مرزا نے صاحب برہاں کی نسبت استعمال کئے تھے دیے ہی الفاظ مرزا کی نسبت استعمال کئے ہیں۔ اپنے تئیں اصفہانی الاصل قرار دیا ہے اور ایک چند بار او قتل کی بہت تعریف کی ہے اور اپنی کتاب کی تعریف میں تقریظیں اور تائیدیں لکھوا کر کتاب کے آخر میں چھپوائی ہیں اُسکے جواب میں مرزا نے ایک رسالہ موسوم بہ تیغ تیز لکھا ہے؛ اور ایک فارسی قطعہ بھی اُن کو لکھ کر بھیجا ہے۔ جسکے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں، جو لطف سے خالی نہیں۔

خواجہ را از اصفہانی بودن آبا چہ سود
خالتش در کشور بنگا لہ پیدا کردہ است
باقتیل و جامع برہان دلائل یک چند
لاپہ و سو گیری و لطف ہمدار کردہ است
ذراوری گاہے بنا فرمودہ دوسرے ہر سہ را
منصف و صدرا مین و صدرا علی کردہ است

چراغ خوشامد۔ سو گیری و دلت لاری۔ چو داری گاہ محکمہ۔

گرچہ بایں ہندیاں دارد تو لا در سخن
من ہم از ہند چہ از من تیرا کردہ است
مطلب از گفتن من چیست ؟ گویا نیک و
مردوں کا راز حق - آخرش تیرا کردہ است
صاحب علم و ادب اور انگریزوں کا غضب
چوں نیساں و غیر نفیرین و ذمہ دار کردہ است
در جدول دشتام کارسوقیاں باشد رہے !
تنگ دارد علم از کارے کہ آغا کردہ است
انتقام جانی برہان قاطع می کشد
اں چہا کردیم باوے خواہ با کردہ است
من سیای زادہ ام گفتار من باید درشت
واسے برے کہ تقلید من ایسا کردہ است
درشت گفتہ - ایک داد بندہ سخی دادہ ام
میکند تائید برہاں لیک برہاں ناپدید
شوبھے طبعے کہ وارم این تھا خدا کردہ است
نیت خیرت تسلیم و شہرچہ آغا کردہ است
سستے طرز خرام حسانہ برہاں نگار
یائے است یاد استہ افتخار کردہ است
بہرین توہین و بہر خوشی تھیں جا بجا
ہم مرا ، ہم خوش را ، و در ہر سو کردہ است
یا فقم از دین تاریختائے اں کتاب
خود بر دم گفت و بداجاب خود یا کردہ است
غازیان ہمراہ خویش آورد از بہر جہاد
تائید پنداری کہ ایں بچا رہنما کردہ است

قاطع برہان اور اُسکے متعلق مرزا کی جس قدر تحریریں ہیں اُن میں اعتراضوں اور جوابوں کے علاوہ بہت سے بیش بہا فائدے اور لطیف و دلچسپ حکایتیں اور لطافت و ترمیمات بھی درج ہیں ۔
انظر فرزند کو صاحب برہان اصدا دیں سے گستاخ ہے اور فرزند کردن کے معنی بند کرنا اور بندہ بنانا دہوتا ہے ۔ مگر مرزا اسکو اصدا دیں نہیں گئے ؛ بلکہ اُسکے معنی مرنے بند کرنے کے بتاتے ہیں ؛ اور جو اشعار انہوں نے سندیں پیش کئے ہیں مرزا نے انہیں اشعار سے اپنے دعوے کی تائید کی ہے ۔ مگر چونکہ ہندوؤں کے

تمام فرہنگ نگاروں نے فرزند کو اصدا دیں شمار کیا ہے ۔ اسکی بابت مرزا لکھتے ہیں کہ : اسکو اہل حق قرار دینا دیکھا ہی اچل ہے جیسا کہ اہل شام نے خلافت یزدیہ پر اچل کیا تھا ،

صاحب برہان کی چند عایانہ غلطیاں اور اُسکے بیان کی بے ریلیاں ظاہر کرنے کے بعد ایک جگہ لکھتے ہیں دو خدا پرستاں ؛ از بہر خدا ایں ہوں معنم فارسی مداں (یعنی جانیج برہاں) نمی پریم کہ نیست ؟
ہی پریم کہ چیست ؟ ایک اور جگہ نہایت طیش میں آکر لکھتے ہیں : ” چوں شناسائی حقیقت جوہر لفظ ندارد فرہنگ چرامی نگارو ؟ بویا می بافت ، رسن می تافت ، ہیزم می فروخت ، بگنن می ازوخت ، ”
مرزا نے ایک فارسی رسالے کے مولف پر جو قاطع برہان کے جواب میں لکھا گیا تھا ، اور جو فرش دشتام سے بھرا ہوا تھا ۔ آزاد حیثیت عرفی کی نالاش بھی کی تھی ؛ مگر حب کامیابی کی امید نہ رہی تو آخر کار انہوں نے راضی نامہ داخل کر دیا ۔ اُنہا نے تحقیقات میں دلی کے بعض اہل علم عدالت میں اس بات کے استفسار کے لئے بلائے گئے تھے کہ جو فقرے مدعی نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کئے ہیں آیا فی الواقع اُن سے فرش دشتام مفہوم ہوتا ہے یا نہیں ؟ انہوں نے غیب ملزم کو مرزا سے بچانے کے لئے اُن فقروں کے ایسے معنی بیان کئے جن سے ملزم پر کوئی الزام عائد نہ ہو ۔ ان مولویوں کا دُعا سے ملنا جلتا تھا ۔ کسی نے پوچھا حضرت ! انہوں نے آپ کے برخلاف شہادت کیوں دی ؟ مرزا نے اپنا فارسی کا یہ شعر پڑھا

برہم در نگری جز بخینس اہل نیست عیار بے کسی من شرافت نیست

جو معنی بری یکی کی دہ شرافت نیست ہے کیونکہ ہر شخص اپنی جنس کی ملت اہل جہاں ہے چونکہ شرافت نہیں میں کوئی میرسا
بخینس نہیں ہے اس لئے کوئی میرسا نہیں دیتا ۔

جب یہ مقدم داخل دفتر ہو گیا ایک مدت کے بعد لوگوں نے مرزا کے نام گنام خط مستحسن سب و شتم بھیجنے شروع کئے۔ جن میں شراب نوشی اور بد مذہبی وغیرہ پر سخت نفریں اور طعن و ملامت لکھی ہوتی تھی۔ اُن دنوں میں مرزا کی عیب حالت تھی؛ نہایت کمزور اور بے لطف رہتے تھے۔ اور جب چٹھی رساں ڈاک لیکر آتا تھا تو اس خیال سے کہ مبادا کوئی اسی قسم کا خط نہ آیا ہو۔ اُن کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا۔ اتفاق سے انھیں دنوں میں نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کے ہمراہ میرا دلی میں آنا ہوا۔ چونکہ مجھ کو ان نالائق گنام خطوں کے آنے کا حال معلوم نہ تھا؛ ایک روز مجھے ایک ایسی غلطی ہو گئی جس کے تصور سے مجھ کو ہمیشہ نہایت شرمندگی ہوتی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مذہبی زندگی کے نشے میں سرشار تھے۔ خدا کی تمام مخلوق میں سے صرف مسلمانوں کو، اور مسلمانوں کے ہتھکڑیوں میں سے اہل سنت کو، اور اہل سنت میں سے صرف حنفیہ کو، اور اُن میں سے بھی صرف اُن لوگوں کو جو صوم و صلوٰۃ اور دیگر احکام ظاہری کے نہایت تقید کے ساتھ پابند ہیں؛ نجات اور منفعت کے لائق جانتے تھے۔ گویا دائرہ رحمت الہی کو کوئی دیکھ کر یا کسی وسعت سلطنت سے بھی۔ جس میں ہندو، بھارت اور ملت کے آدمی پر امن و امان زندگی بسر کرتے ہیں۔ زیادہ تنگ اور محدود خیال کرتے تھے۔ جس قدر کسی کے ساتھ محبت یا لگاؤ زیادہ ہوتا تھا اسی قدر اس بات کی تمنا ہوتی تھی کہ اس کا خاتمہ ایسی حالت پر ہو جو ہمارے زعم میں نجات اور منفعت کے لئے ناگزیر ہے۔ چونکہ مرزا کی ذات کے ساتھ محبت اور لگاؤ بدرجہ غایت تھا اس لئے ہمیشہ انکی حالت پر افسوس ہوتا تھا۔ گویا یہ سمجھتے تھے کہ وہ منہ رضواں میں ہمارا اُن کا ساتھ چھوٹ جائیگا؛ اور مرنے کے بعد پھر اُن سے ملاقات نہ ہو سکیگی۔ ایک روز مرزا کی بزرگی اُستادی، اور کبر سنی کے ادب اور تعظیم کو بالائے طاق رکھ کر خشک غمزہ انھوں کی

گنام
خطوں
میں
لکھا گیا

ایک
سرا
سرا
از
حاکم

طرح انکو نصیحت کرنی شروع کی۔ چونکہ اُن کا نقل بہاعت انتہا کے درجے کو پہنچ گیا تھا، اور اُن سے بات چیت صرف تحریر کے ذریعے سے کی جاتی تھی۔ نہایت چنگاڑ کی فریفت اور تاکید پر ایک لمبا چوڑا لکچر لکھ کر اُن کے سامنے پیش کیا۔ جس میں اُن سے اس بات کی درخواست تھی کہ آپ کھڑے ہو کر، یا بیٹھ کر، یا ایسا اشارے سے؛ عرض جس طرح ہو سکے نہایت چنگاڑ کی پابندی اختیار کریں۔ اگر وضو نہ ہو سکے تو تیمم ہی سہی؛ مگر نماز نہ کرنا۔ مرزا کو یہ تحریک سخت ناگوار گزری؛ اور ناگوار گزرنے کی بات ہی تھی۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ انھیں دنوں میں لوگ گنام خطوں میں اُنکے اعمال و افعال پر بہت نازیبا طریقے سے نفرین و ملامت کر رہے تھے؛ اور بازار یوں کی طرح کھلم کھلا گایاں کتے تھے۔ مرزا صاحب نے میری غور و فکر کو دیکھ کر کچھ فرمایا وہ سننے کے لائق ہے۔ انھوں نے کہا: ساری عمر صرف و فخر میں گزری؛ اب کبھی نہایت چڑھی، نہ روزہ رکھا، نہ کوئی نیک کام کیا۔ زندگی کے چند انفاس باقی رہ گئے ہیں؛ اب اگر چند روز بیٹھ کر، یا ایسا اشارے سے۔ نماز چڑھی؛ تو اس سے ساری عمر کے گناہوں کی تلافی کیونکر ہو سکے گی؟ میں تو اس قابل ہوں کہ جبے دل میرے عزیز اور دوست میرا منہ کالا کریں، اور میرے پاؤں میں رسی باندھ کر شہر کے تمام گلی کوچوں اور بازاروں میں پھیر کر کریں، اور پھر شہر سے باہر لجا کر کتوں، اور چلوں، اور کتوں کے کھانے کو دلا کر وہ ایسی چیز کھانا گوارا کریں، چھوڑ آئیں۔ اگرچہ میرے گناہ ایسے ہی ہیں کہ میرے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کیا جاسے؛ لیکن اس میں شک نہیں کہ میں مودہ ہوں۔ ہمیشہ تنہائی اور سکوت کے عالم میں یہ کلمات میری زبان پر جاری رہتے ہیں۔ "لا الہ الا اللہ، لا سجد الا اللہ، لا شرفی الا اللہ۔" شاید اسی روز جب کہ یہ گفتگو ہو چکی تھی اور مرزا صاحب کھانا کھا رہے تھے چٹھی رساں سننے ایک نفاذ کر دیا۔ نفاذ کی بے ریلٹی اور کاتب کے نام کی اجنبیت سے انکو یقین ہو گیا کہ یہ غلطی نہ

و سیاہی گناہ خطا ہے جیسے پہلے آپکے ہیں۔ نفاذ ٹھکڑا کر اسکو لکھ کر پڑھو۔ میں جو دیکھتا ہوں تو جنت
سارا خلش و شام سے بھرا ہوا تھا۔ پوچھا کس کا خطا ہے؟ اور کیا لکھا ہے؟ مجھے اُسکے انداز میں
آئی ہوا۔ فوراً میرے ہاتھ سے نفاذ چھین کر فرمایا کہ شاید آپ کے کسی شاگرد سنوئی کا لکھا ہوا ہے۔ پھر تول
سے آخر تک خود پڑھا۔ اُس میں ایک جگہ ماں کی گالی بھی لکھی تھی۔ مشکوٰۃ کہنے لگے کہ اس آؤ کو گالی
دینی ہی نہیں آتی۔ پڑھے یا ادھیڑ آدمی کو بیٹی کی گالی دیتے ہیں؛ تاکہ اسکو غیرت آئے۔ جوان کو جو روکی
گالی دیتے ہیں؛ کیونکہ اسکو جو رو سے زیادہ تعلق ہوتا ہے۔ بچے کو ماں کی گالی دیتے ہیں؛ کہ وہ ماں کے
برابر کسی سے مانوس نہیں ہوتا۔ یہ قلم ساق جو بیشتر برس کے بڑے کو ماں کی گالی دیتا ہے اس سے
زیادہ کون بے وقوف ہوگا؟

اسکے بعد میں اُن سے رخصت ہو کر چلا آیا۔ دوسرے روز حضرت نے ایک غزل لکھ کر میرے پاس بھیجی۔
میں میں اگرچہ میرے نام اور غزل کی تصریح نہ تھی لیکن اُسکے بعض مضامین اور اشارات سے معلوم ہوا کہ اُس
جو وطن و تعریف ہے وہ میرے ہی نسبت ہے۔ غزل یہ ہے

پتھو سے کہ مراں را رہ خند گویند	برو برو کہ اناں سو بیا گویند
کسیک پاسے نزار دچگونہ راہ رود	خود اہل شہر دریں راہی چہا گویند
زمر غزل نانا اشد گوسے - نا اگا	مدیرت جسدہ گوسوی و عصا گویند
گرز حق بنود شہر حق پرستان را	کہ نام حق نمبر نہ و میں انا گویند
ز قول شاں بنود دل نشین اہل نظر	جزاں صفات کا اذات کہ یا گویند
نخواندہ در کتب و ناسنیدہ از قضا	بنیسر بے مزہ واکوید ہا کہ وا گویند

دم از نو جو دکن تو فک زو د بے خبراں
چہ ساں عطیہ حق را گناہ ما گویند
بے! گناہ بود و دعوے وجود ازنا
باہل از چہیں گوسے تا بجا گویند
و گر ملا متیاں را چہ زہرہ پانچ
اگرچہ خشم گراست و ناسنا گویند
نکوہ زرس خود را دہر حق فریب
بہ پیش حلق حکایت ز کیا گویند
کساں کہ دعوے نیکی ہی کسند - مرا
اگر نیک شمارند - چہ بے گویند
طسح مدار کہ با بی خطاب مولانا
بس ست بچو توئے را کہ پار سا گویند
جگوس مردہ کہ در دہر کار غالب زار
آناں گذشت کہ در دیش دے نا گویند

اس غزل کو دیکھ کر ٹھکڑا اس بات کا موقع ملا کہ مرزا کے کمال شاعری کی نسبت جو خیالات کمون خاطر
ہیں؛ اور کبھی اُسکے انداز کی نوبت نہیں آتی؛ اُن کو کسی قدر شکایت کے ساتھ ایک مختصر قطعہ میں بیان
کیا جائے۔ چنانچہ قطعہ ذیل ترتیب دیکر مرزا صاحب کی خدمت میں بھیجا۔

قطعہ

تو اسے کہ روئی پیشینیاں بہم شکست	ز نظم دشتہ تو کا نذر زمان ما گفتی
چہ فتنہ ہا کہ بہت قانون ذوق بخیدی	چہ فتنہ ہا کہ بہ اندازہ دل را گفتی

۱۱۔ ایک مشہور قول صوفیہ کرام کا ہے۔ میں نے جو کچھ مرزا صاحب کو لکھا دیا تھا اُس میں ایک موقع پر یہ جملہ بھی لکھا گیا تھا۔
مرزا اس پر اعتراض کرتے ہیں اور اُس کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ "دو دو ایک عطیہ لکھی ہے؛ پس اُس کو ہمارا گناہ
کہہ کر کیا جاسکتا ہے؟" البتہ دعویٰ وجود گناہ ہے۔ اگر اہل راستے اس طرح کہا جائے تو وہ تسلیم کر سکتے ہیں۔ مگر معلوم رہے کہ جن
لوگوں کا یہ قول ہے کہ "جو دک زب" وہ ایک وجود واجب کے سوا اور کسی وجود کے قابل نہیں ہیں۔ وحدت وجود اُن کا
اصل اصول ہے۔ نہیں اُن کے نزدیک وجود ماسوا عطیہ حق نہیں ہے بلکہ وہم و خیال انسانی کے غرضات میں سے ہے اسی
لئے وہ کہتے ہیں کہ "وجود ک زب" ۱۲

رسید نقشہ عفاں چو ذکری زادی
دوید ریشہ بد لہما جو حرف مہر زدی
گہر بہ ہزم نشانہی اگر تہ خواندی
ہزار عتہ سر سبتہ باز یکشودی
ز ستر فقرہ و سبع قفہ باراندی
بر آمد از دل بیگا نگاہ ترا ز ذوق
لطیفہ اک بہ لفظ و بیانی گنجید
بحق لطیف کلامت کہ بہت بردل ما
تو اسے کہ ہر سخن نفس تو بدل جا کرد
ہر آنچہ گفت اندر جو آب سر من نیاز
وے بعبودہ از حرف چند یا غولیشم
عجب کہ قاعدہ دان نیاز مندئی
عجب کہ چاشنی اندوز خاکباری را
عجب کہ شغفے راز نقہ با سرو اش
نہ راہ حرف بسویت نہ جاسے من بہت
اگر نہ دوسے سخن با تو بودہ می گفتہ
ولیک شہرہ ادب نیست بہ تو تر دہ گرفت

شگفت خاطر ارباب گرا ز صبا گفتی
دمید بخش تما چو از و ش گفتی
انر ز لفظ دمانی اگر دے گفتی
ہزار نکستہ پوشیدہ بر ملا گفتی
ز سیر نفس و آفاق راز با گفتی
پہ محفلے کہ سخن ہاسے آشنا گفتی
تو چون فرشتہ ز غیب آمدی دہ گفتی
کہ پای سخن افراشتند تا گفتی
جزاں کہ در حق حالی بر مزد گفتی
خطا بود کہ گلبیہم اگر خطا گفتی
کہ گز گفتہ ام آخر تو از کج گفتی
سفید و معجب و خود میں خود گفتی
رہین ذوق تو اسنے آنا گفتی
بہ زرق در گرہ عرض کیا گفتی
جواب صیت اگر پرسم از کجا گفتی
چگونہ گفتی؟ و چون گفتی؟ و چرا گفتی
ہر آنچہ در حق من گفتہ بیا گفتی

جس زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا اس زمانے میں مجھ کو نواب محمد مصطفیٰ خاں مرحوم تخلص پیش رفتہ
و حسرتی نہیں جاگیر آباد کے ہاں تعلق تھا، اور ان دنوں میں وہ دلی آئے ہوئے تھے، اور میں
انھیں کے مکان پر قیم تھا۔ جب یہ قطعہ مرزا صاحب کی نظر سے گذرا تو انھوں نے چار بیت کا ایک
نہایت لطیف قطعہ نواب مرحوم کے پاس لکھ کر بھیجا جو ذیل میں درج ہے۔

قطعہ

تو اسے کہ شغفہ و حسرتی لقب داری
ہمی بہ طفت تو خود را اسید دار کنم
چو حالی از من آشفتنے بے سبب بنید
تو گر شغفہ نگر دی بگوپ کا رکنم
دو بارہ ہمسرہ و ہندم اگر بغرض محال
براں ہسم کہ در داں عمر ایں دکا رکنم
یکے دوسے عبادات عمر شمیمینہ
دگر بہ پیشگیر حالی اعتدا رکنم

اگرچہ مجھ کو شرم آتی ہے کہ مرزا کے عالی رتبہ کلام کے ساتھ اپنا کم وزن دے دے وقت کلام ظاہرین
کے سامنے بار بار پیش کروں؛ مگر مقام اور موقع اس بات کا مقتضی ہے کہ جس واقعہ کا ذکر چھڑ گیا ہے
اسکو انجام تک پہنچایا جائے۔ مرزا صاحب کے اس قطعہ پر میں نے ایک اور قطعہ لکھ کر ان کی ہمت
میں بھیجا جو ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

قطعہ

تو اسے کہ عذر فرستادہ بیوسے رہی
شہر کہ جان گرمی براں نثار کنم
نہا کتے کہ تو ان گفت میں اخلاص
گرم تو دہ دست شماری ہزار بار کنم
نماند قاعدہ شکریہ ریا بجاں
اساس دوستی از شکوہ استوار کنم

چو شکوہ جز بقا ضا سے دوستی نبود
ز غیب شکر و شکایت زد دوستدار کنم
سرت پاک دول صاف دادہ اندر
بحرف تلخ دے خالی از غبار کنم
خوش آن کہ ساز کنم از تو شکوہ عیبا
تو اعتذار کنی و من افتخار کنم
خوش آن کہ عذر تو چوں در کند مراد بیا
و گر بہ پیش تو تہیہ اعتذار کنم
براں سرم کہ اگر مرگ امان نہ دیز پس
ز کار ہائے جہاں غامضہ ایس کار کنم
ز کردہ تو بہ نایم ز گفتہ استغفار
و گر سپاس تو پہنان و آشکار کنم
جب یہ قطعہ مرزا صاحب کے پاس پہنچا اُس پر یہ لکھ کر کہ "بس اب بیت مخفی موتوں" یہ پاس
بجج دیا اسکے بعد پھر اور کچھ نہیں لکھا گیا۔

مرزا نے عربی میں صرف دو خط کے سوا اور کچھ استاد سے نہیں پڑھا تھا؛ مگر چونکہ علمِ سان سے اُن کو
فطری مناسبت تھی۔ انکی نظم و نثر اردو و فارسی کے دیکھنے سے کہیں اس بات کا خطہ تک دل میں
نہیں گذر تا کہ یہ شخص عربیت اور فنِ ادب سے ناواقف ہوگا۔ عربی الفاظ کو انھوں نے ہر جگہ اسی
سلیقے سے استعمال کیا ہے جس طرح ایک اچھے فاضل اور ادیب کو استعمال کرنا چاہیے۔ شاعری جیسا
بلکہ اُن کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا۔ اُس سے قطع نظر کہ فارسی زبان اور فارسی الفاظ و
محاورات کی تحقیق اور اہل زبان کے اسالیب بیان پر مرزا کو اس قدر عبور تھا کہ خود اہل زبان میں بھی
منتہنی آدمیوں کو ایران کے مستند شاعر کی زبان پر اس قدر عبور ہوگا۔ اسکے سوانحِ عروض میں
بھی اُن کو کافی دستگاہ معلوم ہوتی ہے۔ اکثر بڑے بڑے نامور شاعر کو دکھیا اور سنا گیا ہے کہ باوجود کمال
شاعری کے اس فن سے محض نا آشنا ہوتے ہیں، اور سیدھی سیدھی جبروں کے سوا شیکے وزن اور

استاد عربی

فارسی

ادبی

نول کا اندازہ صرف استقامتِ طبع سے ہو سکتا ہے۔ اور جبروں میں کلامِ موزوں نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مولانا
روم فرماتے ہیں "من تمام فاعلان فاعلات و شعری گویم بہ از قدر ذہیات و مرزا کا ایسا حال تھا
چنانچہ فارسی اور اردو میں متعدد غزلیں اور نیز ایک آدھ فارسی قصیدہ ایسی طبعی جبروں میں انھوں نے
لکھا ہے کہ اکثر موزوں طبع بغیر واقفیت عروض کے اُن جبروں میں نہیں چل سکتے۔ علمِ نجوم سے کسی قدر، اور
اسکی اصطلاحات سے پوری واقفیت اُن کو تھی۔ چنانچہ انکی نظم فارسی میں بجا بجا اس کا کافی ثبوت ملتا
ہے۔ علمِ نجوم سے جکی نسبت کہا گیا ہے کہ "برائے شعر گفتن خوبست" اُن کو قائل مناسبت تھی
اور حقائق و معارف کی کتابیں اور رسالے کثرت سے اُنکے مطالعے سے گذرے تھے۔ اور پچ پوچھے تو
انھیں متصرفانہ خیالات نے مرزا کو نہ صرف اپنے مضمون میں بلکہ بارہویں اور تیرہویں صدی کے تمام
شعرا میں ممتاز بنا دیا تھا۔ فنِ تاریخ اور سیاق و ساحت و فیرہ سے اُن کو مطلق گمانہ تھا۔ جس زمانے
میں کہ وہ خانہ دانہ تصور یہی تاریخ یعنی ہر خبر و ذکر کہ ہے ہیں کسی نے اُس کو مزین کچھ کچھ سوالات کئے ہیں۔ اسکے
جواب میں لکھتے ہیں "میں فنِ تاریخ و ساحت و سیاق سے آشنا بیگانہ ہوں کہ اس فن کو کچھ بھی نہیں سکتا۔
کار پر دازان و نثر شاہی غلامہ معاملات اندر دو کتب اردو میں لکھ کر میرے پاس بھیج دیے ہیں، میں اسکو فارسی کر کے حوالے کرتا
ہوں۔ میرے ہاں ایک کتاب بھی نہیں میں اسی قدر ہوں کہ نظم و نثر بقدر اپنی استعداد کہ کچھ لکھتا ہوں؛ مزین نہیں
"ماقتدہ سکندر و دارا خواندہ ایم از ما بجز حکایت مہر و وفا سپرس"

اردو کا خطا تعلیق شفیقا امیر نہایت شیریں اور دلآویز تھا جیسا کہ اکثر اہل ایران کا ہوتا ہے اور
باوجود خوشخطی کے نہایت زود نویس اور تیز دست تھے۔ شعر پڑھنے کا انداز بھی خاصہ شیریں و دلچسپ
و لطیفہ۔ جس اسلامپوری کا حاضر سے کسی نے پوچھا کہ مرزا صاحب کو ریاضی میں بھی کچھ دھن تھا یا نہیں؟ انھوں نے کہا
ایسا ہی دھن تھا جیسا مجھے شاعری میں ہے۔

نہایت

نہایت

نہایت

زیادہ دلکش اور موثر تھا۔ میں نے قدر سے چند سال پہلے۔ جب کہ دیوان عام میں مشاعرہ ہوتا تھا۔ مرزا ایک دفعہ مرزا صاحب کو مشاعرے میں پڑھنے کنا تھا۔ چونکہ آٹکے پڑھنے کی باری سب کے بعد آتی تھی اس لئے صبح ہو گئی تھی۔ مرزا نے کہا صاحبو! میں بھی اپنی بھیر میں لاپتا ہوں؛ یہ کلمہ اول اردو طرح کی غزل اور آٹکے بعد فارسی کی غیر طبع سنایت پر درود اواز سے پڑھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مجلس میں کسی کو اپنا قدر دان نہیں پاتے؛ اور اس لئے غزل خوانی میں فریاد کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

جس زمانے میں میر نظام الدین منوں شاہ صاحب کے پڑانے مدرسے میں مشاعرہ کرتے تھے ایک شاعرے میں مرزا نے اپنا فارسی قصیدہ دریا گرستین اور تنہا گرستین جو جناب سید الشہدائی منتقبت میں انھوں نے لکھا تھا پڑھا۔ سنا ہے کہ مجلس مشاعرہ بزم غرابن گئی تھی۔ جب تک قصیدہ پڑھا گیا لوگ برابر روتے رہے۔ مفتی صدر الدین خاں مرحوم بھی موجود تھے اتفاق سے اسی حالت میں ہیند بھی برسے لگا مفتی صاحب نے کہا ”آسمان ہم گرست“

اسی قصیدے کی نسبت سید اکبر مرزا خلف الصدق ناظر نیہ جیس مرزا مرحوم بیان کرتے ہیں کہ بندر گاہ بھرو میں ایک جگہ مجلس عزاجی۔ اور بارش ہو رہی تھی۔ بانی مجلس نے مجھے کہا کہ تم بھی کچھ پڑھو۔ میرے پاس اس وقت پڑھنے کی کوئی چیز فریاد کا کتاب تھی۔ اسی قصیدے کے چند اشعار زبانی یاد تھے۔ میں نے وہی پڑھ دیے۔ پانچ ہی سات شعروں پر مجلس میں خوب رقت ہوئی۔ وہ، عجم، اور ہندی سب اس مجلس میں شریک تھے۔ مجلس کے بعد ہر ایک عجمی مجھے پوچھتا تھا کہ یہ اشعار کس شخص کے تھے؟ شخص اس شعر کی بہت تعریف کرتے رہے۔

مرزا شفاعت و صلہ صبر و فروغ نبی
بیچ از کسے غمخوار سہ الا گرستین

وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ایک دفعہ مرزا دیر مرحوم نے اسی شعر پر مصرعے لگائے تھے مگر انکو خود پسند نہ آئے اور کیا کہ جس رتبے کا یہ شعر ہے ویسے مصرعے نہیں لگ سکتے۔

مرزا کے اخلاق و عادات و خیالات

مرزا کے اخلاق سنایت وسیع تھے۔ وہ ہر ایک شخص سے جو ان سے ملنے جاتا تھا بہت کثرت و ہوشیاری سے ملتے تھے۔ جو شخص ایک دفعہ ان سے مل آتا تھا اسکو ہمیشہ ان سے ملنے کا اشتیاق رہتا تھا۔ وہ جو لوگ دیکھ کر وہ باغ باغ ہو جاتے تھے؛ اور ان کی خوشی سے خوش اور ان کے غم سے غمیں ہوتے تھے۔ ملنے ان کے دوست ہرقت اور ہر مذہب کے نہ صرف دہلی میں بلکہ تمام ہندوستان میں بے شمار تھے۔ جو خط انھوں نے اپنے دوستوں کو لکھے ہیں اس کے ایک ایک حرف سے مہر و محبت و غمخواری و یگانگت کی پرتی ہے۔ ہر ایک خط کا جواب لکھتا وہ اپنے ذمے فرض مین سمجھتے تھے۔ ان کا بہت سادقت دوستوں کے خطوں کے جواب لکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ بیاری اور کلیت کی حالت میں بھی وہ خطوں کے جواب لکھنے سے باز نہ آتے تھے وہ دوستوں کی فرمائشوں سے کبھی تنگدل نہ ہوتے تھے۔ غزلوں کی اصلاح کے سوا اور طرح طرح کی فرمائشیں ان کے معنی خالص و خلص دوست کرتے تھے اور وہ انکی تعمیل کرتے تھے۔ لوگ انکو اکثر بی رنگ خطا سمجھتے تھے مگر ان کو کبھی ناگوار نہ گذرتا تھا۔ اگر کوئی شخص لغائے میں ٹکٹ رکھ کر پوچھتا تھا کہ تو شکایت کرتے تھے۔ انھوں نے میسر کے ایک شہزادے کو اپنی کوئی کتاب بھیجی ہے اسنے کتاب کی رسید لکھی ہے، اور قیمت دریافت کی ہے۔ اس کے جواب میں لکھتے ہیں ”حرف پرش مقدارت قیمت پر از زبان طرب رفت؛ ہنجا رنوازش نیاز منداں بے نوا نہ نیست۔ بے سرمایہ ام نہ فرمایہ۔ مخمور نہ سوداگر، مویشی چوپا نہ کتاب فروش۔ پذیرندہ عطا یم نہ گیرندہ بیا۔ ہر چہ آزادگان بشند و گاہ فرستند ز دست؛ وہر چہ شاہزادگان

بازاگاہ بخشند تبرک . بیع و شراست . چون و چراست . ہرچہ فرستادہ ام ارخانست . و ہرچہ خواہم فرستاد ارخان خواہد بود .

مرقت اور لحاظ مرزا کی طبیعت میں بدرجہ غایت تھا . یاد و دیکھ اخیر عمر میں وہ اشعار کی اصلاح دینے سے بہت گہرا نہ لگے تھے ؛ با اینہم کبھی کسی کا قصیدہ یا غزل بغیر اصلاح کے واپس نہ کرتے تھے . ایک صاحب کو لکھتے ہیں ”جہاں تک ہو سکا احباب کی خدمت بجالایا . اور اہل اشعار کے لئے دیکھتا تھا اور اصلاح دیتا تھا . اب دیکھو اسے اچھی طرح سوجھے ، نہ بات سے اچھی طرح لکھا جائے . کہتے ہیں کہ شاہنشاہ بدلی قلندر کو سبب کبریا کے خدا نے فرض اور پرہیز سے سنت معاف کر دی تھی . میں متوقع ہوں کہ میرے دوست بھی خدمت اصلاح اشعار جمہر معاف کریں . خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت سے ہو سکے گا لکھنا کرنا . یا وجود اسکے بھی لوگ مرزا کو براہ راستاں رہتے تھے . ایک دفعہ کہیں مرزا قند نے یہ لکھ دیا تھا کہ آپ نے سبب ذوق سخن کے اصلاح اشعار منظور فرمائی تھی . اسکے جواب میں لکھتے ہیں ”لا حول ولا قوۃ ! کس طعنوں نے سبب ذوق شعر کے اشعار کی اصلاح منظور رکھی ؛ اگر میں شعر سے بیزار نہ ہوں تو میرا خدا مجھے بیزار . میں نے تو بطریق قہر و درویش بجان درویش لکھا تھا : جیسے اچھی جہر درویش خاوند کے ساتھ مرزا بجزنا اختیار کرتی ہے میرا تمہارے ساتھ وہ معاملہ ہے“

اگرچہ مرزا کی آمدنی قلیل تھی مگر جو صلہ فراخ تھا . سائل آنکے درویش سے خالی ہاتھ نہ بہت کم جاتا تھا . آنکے مکان کے آگے اندر سے ٹکڑے لہے اور اپنی مرد و عورت ہر وقت چرسے رہتے تھے . قدر کے بعد انکی آمدنی کچھ اور بڑھویدہ سوردیہ ماہوار کی ہو گئی تھی ؛ اور کھانے پینے کا خرچ بھی کچھ لمبا چڑھا تھا ؛ مگر وہ غریبوں اور محتاجوں کی مراد اپنی مباد سے زیادہ کرتے تھے ؛ اس لئے اکثر تنگ رہتے تھے .

قدر کے بعد ایک باپس نے خود دیکھا کہ نواب نعلینٹ گورنر کے دربار میں ان کو حسب معمول سات پارچہ کا قلمت مع تین رقوم جواہر کے ملا تھا . نعلینٹ کے چیرا سی اور مجددار قاعدے کے موافق انعام لینے کو آئے . مرزا صاحب کو پہلے ہی معلوم تھا کہ انعام دینا ہوگا اس لئے انھوں نے دربار سے آتے ہی غلٹ اور رقوم جواہر بازار میں فروخت کرنے کے لئے بیچ دی تھیں . چیرا سیوں کو الگ مکان میں بٹھا دیا اور جب بازار سے غلٹ کی قیمت آئی تب ان کو انعام دے کر رخصت کیا .

وہ اپنے ان دوستوں کے ساتھ جو گردش روزگار سے بگڑ گئے تھے نہایت شریفانہ طور سے سلوک کرتے تھے . دلی کے عائد میں سے ایک صاحب - جو مرزا کے دلی دوست تھے ، اور قدر کے بعد انکی حالت یتیم ہو گئی تھی - ایک روز چھینٹ کا فضل پہنے ہوئے مرزا سے ملنے کو آئے . مرزا نے کبھی انکو مالیدہ یا جامہ وارد وغیرہ کے جنوں کے سوا ایسا حقیر کپڑا پہنے نہیں دیکھا تھا . چھینٹ کا فضل ان کے بدن پر دیکھ کر دل بھرا آیا . ان سے پوچھا کہ یہ چھینٹ آپ نے کہاں سے لی ؛ مجھے اسکی وضع بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے ؛ آپ مجھے بھی فضل کے لئے یہ چھینٹ منگوادیں . انھوں نے کہا یہ فضل آج ہی بن کر آیا ہے ، اور میں نے اسی وقت اسکو پہنا ہے ؛ اگر آپ کو پسند ہے تو یہی حاضر ہے . مرزا نے کہا جی تو یہی چاہتا ہے کہ اسی وقت آپ سے چھین کر بہن لوں مگر جاڑا شدت سے پڑ رہا ہے آپ یہاں سے مکان تک کیا بہن کر جائیگی ؛ پھر اوہرا دھو دیکھ کر کھوٹی پر سے اپنا مالیدہ کا نیا چھتہ اتار کر انھیں پہنا دیا اور اس خوبصورتی کے ساتھ وہ چھتہ انکی نذر کیا .

وہ ایک خط میں لکھتے ہیں ”قلندر کی وادادگی و انتہا و کرم کے جو دوائے میرے خالق نے مجھ پر بھردیے ہیں بقدر ہزار یک طور میں نہ آئے . نہ وہ طاقت جسمانی کہ ایک لاشی با تھیں لوں

اور اس میں شطرنجی اور ایک ٹین کا نواح سوت کی تسی کے لٹکالوں اور پیادہ پاچل دونوں؛ کبھی شیراز
جا نکلا، کبھی مصر میں جا ٹھہرا، کبھی بخت جا پہنچا۔ نہ وہ دستگاہ کہ ایک عالم کا سینہ زبان بن جاؤں۔ اگر تمام
عالم میں سوسے دسی؛ جس شہر میں رہوں اس شہر میں تو بھر کا تنگ نظر نہ آئے۔ خدا کا مقہور، خلق کا
مردود، بوڑھا، ناتوان، بیمار، فقیر، نکبت میں گرفتار۔ میرے اور معاملات کلام و کمال سے قطع نظر
کرد؛ وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود در بدر بھیک مانگے وہ میں ہوں۔

بیس مرزا کی طبیعت میں دراک اور ذہن میں جود اور سرعت امتعال تھی اسی طرح انکا حافظہ بھی
نهایت قوی تھا۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ انکے گھر میں کتاب کا کین نشان نہ تھا؛ ہمیشہ کرائے کی کتابیں
منگوا لیتے تھے؛ اور انکو دیکھ کر وہ اپنی بھیج دیتے تھے۔ مگر جو طبیعت یا کام کی بات کتاب میں نظر پڑ جاتی
تھی ان کے دل پر نقش ہو جاتی تھی۔ فارسی کلام میں وہ کوئی لفظ یا محاورہ یا ترکیب ایسی نہیں
برتتے تھے جبکی سداہل زبان کے کلام سے نہ دے سکتے ہوں۔ کلکتے میں جن لوگوں نے ان کے
کلام پر اعتراض کئے تھے، اور شکے جواب میں مرزا نے شتوی باوجود مخالفت لکھی تھی؛ ان کو شتوی
کے علاوہ ایک ایک اعتراض کے جواب میں دس دس بارہ بارہ سیدیں اساتذہ کے کلام سے
لکھ کر علیحدہ بھیجی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے خطوط میں انکو مفصل بیان کیا ہے۔ یہ ان قاطع
پر جو کچھ انھوں نے لکھا وہ محض اپنی یادداشت کے بھر دے پر لکھا۔ فکر شعر کا یہ طریقہ تھا کہ اکثر
رات کو عالم سرخوشی میں فکر کیا کرتے تھے۔ اور جب کوئی شعر سرانجام ہو جاتا تھا تو کربندیں ایک گہ
لگاتے تھے۔ اسی طرح آٹھ آٹھ دس دس گزہیں لگا کر سو رہتے تھے۔ اور دوسرے دن صرت
یاد پر سوچ سوچ کر تمام اشعار طلبند کر لیتے تھے۔

شعری اور کتاب فنی میں وہ ایک شے آدمی تھے۔ کیسا ہی مشکل مضمون ہو وہ اکثر ایک سری
تقریر اسکی تہ کو پہنچ جاتے تھے۔ نواب مصطفیٰ خاں مرحوم گلشن بیجا میں مرزا کی نسبت لکھتے
ہیں ”مضامین شعری را کہا ہر حقہ می نمود، و مجمع نکات و لطائف پنے می برد؛ و این فضیلت است
و مخصوص خواص اہل سخن است۔ اگر طبع سخن شناس داری بایں نکته می رسی؛ چہ خوش فکر اگرچہ
کیا بہت اما خوش فہم کیا بہ تر۔ خوش حال کسیکہ از ہر دو شر پے یافتہ، و قطع پروردہ۔ بالجلد جنیں
نکتہ سخن نظر گفتار کمتر می شدہ“ نواب مدوح نے مجھے ایک واقعہ بیان کیا جس سے مرزا کی سخن سنجی
کا بہت بڑا ثبوت ملتا ہے۔ مولانا آذرہ نے ”دور نیس“ ”خو نیس“ اس زمین میں غزل لکھی
تھی۔ انہیں اتفاق سے مطلع بہت اچھا نکل آیا تھا۔ مولانا نے اپنی غزل دو سطروں کو سنا کر ان سے
کہا کہ ”اگرچہ مجرد دوسری ہے مگر اسی ردیف و قافیہ میں نظیری کی بھی ایک غزل ہے جسکا مطلع یہ
ہے ”عشق عیانت اگر مستور نیست چکشتہ جرم زباں منقور نیست“ غار ہے کہ اگر نظری
ہندی نژاد ہوتا اور اسی زمین میں جس میں باری غزل ہے۔ اردو غزل لکھتا تو اسکا مطلع اس طرح
ہوتا ”عشق عیانت ہے اگر مخفی دستور نیست چکشتہ جرم زباں ناجی و منقور نیست“ آؤ آج
مرزا غالب کے ہاں چلیں اور بغیر اسکے کہ قائل کا نام لیا جائے۔ اپنا مطلع اور نظیری کے مطلع کا
یہی اردو ترجمہ (جو اوپر مذکور ہوا) مرزا کو سنائیں اور پوچھیں کہ کون سا مطلع اچھا ہے، چونکہ نظیری کا
مطلع اردو ترجمے سے بہت بہت ہو گیا تھا۔ سب کو یقین تھا کہ مرزا نظیری کے مطلع کو ناپسند کرینگے
اور مولانا آذرہ کے مطلع کو ترجیح دینگے۔ چنانچہ مولانا اور نواب صاحب اور بعض اور اصحاب مرزا کے
ہاں پہنچے۔ معمولی بات چیت کے بعد مولانا نے کہا کہ اردو کے دو مطلع ہیں؛ ان میں آپ مجھ کو کبھی

کہ کونسا مطلع اچھا ہے؟ اور بطور زمین کے اول نظیری کے مطلع کا یہی ترجمہ پڑھا۔ ابھی مولانا اپنا مطلع پڑھنے نہیں پائے تھے کہ مرزا اس مطلع کو سنکر سر دھنسنے لگے؛ اور تجزیہ کو پوچھنے لگے کہ یہ مطلع کس نے لکھا؟ اور اس قدر تعریف کی کہ مولانا آزدہ کو یہ امید نہ رہی کہ اس سے زیادہ میرے مطلع کی داویلیگی۔ چنانچہ انھوں نے اپنا مطلع نہیں پڑھا؛ اور سب لوگ نہایت تعجب کرتے ہوئے وہاں سے اٹھے۔

مرزا حقائق و معارف کی کتابیں اکثر مطالعہ کرتے تھے اور ان کو خوب سمجھتے تھے۔ نواب مدوح فرماتے تھے کہ میں شاہ ولی اللہ کا ایک فارسی رسالہ جو حقائق و معارف کے نہایت دقیق مسائل پر مشتمل تھا مطالعہ کر رہا تھا؛ اور ایک مقام بالکل سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اتفاقاً اسی وقت مرزا صاحب آئے۔ میں نے وہ تمام مرزا کو دکھایا۔ انھوں نے کسی قدر غور کے بعد اسکا مطلب ایسی خوبی اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ شاہ صاحب بھی شاید اس سے زیادہ نہ بیان کر سکتے۔

مرزا کی تقریریں انکی تحریر اور ان کی نظم و نثر سے کچھ کم لطفت نہ تھا اور اسی وجہ سے لوگ ان سے ملنے اور انکی باتیں سننے کے شائق رہتے تھے۔ وہ زیادہ بولنے والے نہ تھے؛ مگر کچھ انکی زبان سے نکلتا تھا لطفت سے خالی نہ ہوتا تھا۔ ظرافت مزاح میں اس قدر مہر کی کہ اگر ان کو بجائے حیران ملحق کے جوان ظریف کہا جائے تو بیکار ہے۔ حسن بیان، حاضر جوابی، اور بات میں سے بات پیدا کرنا انکی خصوصیات میں سے تھا۔

ایک دفعہ تب رمضان گذر چکا تو قلعے میں گئے۔ پادشاہ نے پوچھا مرزا قلعے کتنے روز سے رکھے؟ عرض کیا پیر و مرشد ایک مہینہ رکھا۔ ایک دن نواب مصطفیٰ خاں کے مکان پر مشنہ کو آئے۔ انکے مکان کے آگے چھتہ بہت تاریک تھا۔ جب چھتے سے گذر کر دیوا تھانے کے دروازے پر پہنچے۔

تو وہاں نواب صاحب انکے لینے کو کھڑے تھے۔ مرزا نے ان کو دیکھ کر یہ مصرع پڑھا کہ ”آب چشمہ حیاں درون تار کسیت“ جب دیوا تھانے میں پہنچے تو اسکے دالان میں سبب شرق رویہ ہونے کے دھوپ بھری ہوئی تھی۔ مرزا نے وہاں یہ مصرع پڑھا ”ایں خانہ تمام آفتاب ست“ ایک محبت میں مرزا۔ میر تقی کی تعریف کر رہے تھے۔ شیخ ابراہیم ذوق بھی موجود تھے؛ انھوں نے سودا کو میر پر تنبیہ دی۔ مرزا نے کہا ”میں تو تلو میری سمجھتا تھا اگر اب معلوم ہوا کہ آپ سودا آئی ہیں“

مولوی امام بخش صہبانی مرحوم کی راسے پھر قہرہ اور مینا بازار کی نسبت یہ تھی کہ یہ دونو تحریریں بھی محبت کے مشعل سے نثر کے ناما طور کی ہیں مگر مرزا اسکے خلاف تھے۔ ایک جلسے میں دونو صاحب موجود تھے۔ اتفاق سے یہ ذکر چڑھ گیا۔ مرزا نے کہا ”قطع نظر اسکے کہ سہ نثر کی اور پھر قہرہ و مینا بازار کی طرز میں ہون مہر ہے۔ نھوری کی شان سے نہیں ہے کہ وہ نثر کے ساتھ نظم نہ لکھے۔ تمام سہ نثر میں ایسا ایک منو بھی مشکل سے نکلا کہ جس میں نثر ہو اور نظم نہ ہو۔ بر خلاف اسکے تمام پھر قہرہ و مینا بازار میں ایک شعر کے سوا کہ وہ بھی نھوری کا نہیں ہے۔ نظم کا کہیں پتا نہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جو شخص نظم و نثر دونو چیزوں پر برابر قدرت رکھتا ہو اسکی نثر میں کیس نظم نہ پائی جائے“ مولانا صہبانی نے کہا ”اے اتفاقا اتفاقا اکثر ہو جاتے ہیں یہ محض ایک اتفاق کی بات ہے“ مرزا نے کہا ”بے شک؛ مگر یہ ایسا اتفاق ہو گا کہ ایک شخص ہر ایک لحاظ سے نہایت بنجید و نہایت اندر عقول لکے کا آدمی ہے؛ مگر اتفاق سے کبھی کبھی کاٹ بھی لکھا ہے“ یہ سنکر سب لوگ ہنس پڑے؛ اور مولانا صہبانی شکر کر خاموش ہو رہے۔

مکان کے جس کمرے میں مرزا دن بھر بیٹھے اٹھتے تھے وہ مکان کے دروازے کی محبت پر تھا؛ اور اسکے ایک جانب ایک کوٹھڑی تلگ و تاریک تھی۔ جس کا در اس قدر چھوٹا تھا کہ کوٹھڑی میں

بہت جھک کر جانا پڑتا تھا؛ اسیں ہمیشہ فرش بچھا رہتا تھا اور مرزا اکثر گرمی اور ٹوکے موسم میں اس بجے سے تین چار بجے تک وہاں بیٹھتے تھے۔ ایک دن۔ جبکہ رمضان کا مہینہ اور گرمی کا موسم تھا۔ مولانا آئندہ ٹھیک دوپہر کے وقت مرزا سے ملنے کو چلے آئے۔ اسوقت مرزا صاحب اسی کوٹھڑی میں کسی دوست کے ساتھ چوسر یا شطرنج کھیل رہے تھے۔ مولانا بھی وہیں پہنچے؛ اور مرزا کو رمضان کے مہینے میں چوسر کھیلنے ہونے دیکھ کر کہنے لگے کہ ”ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے مہینے میں شیطان مقید رہتا ہے؛ مگر آج اس حدیث کی محنت میں تردد پیدا ہو گیا،“ مرزا نے کہا ”ذکر جملہ حدیث بالکل صحیح ہے؛ مگر آپ کو معلوم ہے کہ وہ جگہ جہاں شیطان مقید رہتا ہے وہ یہی کوٹھڑی تو ہے۔“

الغرض مرزا کی کوئی بات لطیف اور مذاق سے خالی نہ تھی۔ اگر کوئی اُنکے تمام ملفوظات جمع کرنا تو ایک ضخیم کتاب لطائف و مذاہب کی تیار ہو جاتی۔

باوجودیکہ مرزا کی آمدنی اور مقدار بہت کم تھا؛ مگر خود داری اور حفظ وضع کو وہ کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ شہر کے امراء و عائد سے برابر کی ملاقات تھی۔ کبھی بازار میں بغیر بالکی یا ہوادار کے نہیں نکلتے تھے۔ عائد شہر میں سے جو لوگ اُنکے مکان پر نہیں آتے تھے؛ وہ بھی کبھی اُنکے مکان پر نہیں جاتے تھے۔ اور جو شخص اُنکے مکان پر آتا تھا وہ بھی اُنکے مکان پر ضرور جاتے تھے۔ ایک روز کسی سے بل کر نواب مصطفیٰ خان مرحوم کے مکان پر آئے؛ میں بھی اُس وقت وہاں موجود تھا؛ نواب صاحب نے کہا آپ مکان سے سیدھے بیس آتے ہیں یا کہیں اور بھی جانا ہوا تھا؟ مرزا نے کہا مجھ کو اُن کا ایک آنا دینا تھا؛ اس لیے اول وہاں گیا تھا؛ وہاں سے یہاں لکھنؤ آیا۔ ایک دن دیوان فضل اللہ خاں مرحوم۔ چرٹ میں سوار۔ مرزا کے مکان کے پاس سے

بغیر غلے محل گئے۔ مرزا کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے ایک رقم دیوان جی کو لکھا مضمون یہ۔ ”کہ آج مجھ کو ہتھکڑیاں لگائی گئیں۔ اس سے زیادہ اور کیا مال لکھی ہو سکتی ہے کہ آپ کبھی نہ کبھی تو اس طرف سے گزریں اور میں سلام کو حاضر ہوں۔“ جب یہ رقم دیوان جی پاس پہنچا وہ نہایت شرمندہ ہوئے اور اسی وقت گاڑی میں سوار ہو کر مرزا صاحب کے لئے کو آئے۔

مرزا کی نہایت مرغوب غذا گوشت کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ وہ ایک وقت بھی دینر گوشت کے نہیں رہ سکتے تھے؛ یہاں تک کہ مسلسل کے دن بھی اُنھوں نے کچڑی یا شوربہ کبھی نہیں کھایا۔ اخیر میں اُن کی خوراک بہت کم ہو گئی تھی۔ صبح کو وہ اکثر خیرہ بادام پیتے تھے۔ دن کو جو کھانا اُن کے لئے لکھ کر آتا تھا اُس میں صرف پاؤں سے گوشت کا قورمہ ہوتا تھا۔ ایک پیالے میں بوٹیاں، دوسرے میں عاب، یا شوربا، ایک پیالی میں ایک ٹھیکے کا چھلکا شوربے میں ڈوبا ہوا، ایک پیالی میں کبھی ایک ٹھیکے کی زردی، ایک اور پیالی میں دو تین پیسہ بھر دی، اور شام کو کسی قدر شامی کباب، یا سب کے کباب؛ میں اس سے زیادہ اُنکی خوراک اور کچھ نہ تھی۔

ایک روز دو پہر کا کھانا آیا، اور دسترخوان بچھا؛ برتن تو بہت سے تھے؛ مگر کھانا نہایت قلیل تھا۔ مرزا نے مسکرا کر کہا ”اگر برتنوں کی کثرت پر خیال کیجئے تو میرا دسترخوان یزید کا دسترخوان معلوم ہوتا ہے؛ اور جو کھانے کی مقدار کو دیکھیے تو بایزید کا۔“

نواب کو میں اُن کو نہایت مرغوب تھا۔ آدموں کی فصل میں اُن کے دوست دُور دُور سے اُنکے لئے عمدہ عمدہ آؤں بھیجتے تھے؛ اور وہ خود اپنے بیٹے دوستوں سے تقاضا کر کے آؤں منگواتے تھے۔ اُنکے فارسی مکتوبات میں ایک خط ہے جو غالباً گلشن کے قیام کے زمانے میں اُنھوں نے امام بارہ

کے متوقی صاحب کو آسوں کی طلب میں لکھا ہے، ہمیں لگتے ہیں ”یعنی شکم بندہ ام، و قدرے ناتواں“ ہم کرائش خواں جویم، وہم آسائش جاں۔ خرد و زراں دانتہ کرایں ہر دو صفت پرانہ اندرست، و اہل کلکتہ برآنتہ کہ ظروا نہ ہنگلی بندرست۔ آسے انہ از ہنگلی، و گل از گلشن، اختیار از جناب، و سپاہ از من، شوق می سالکہ کرنا پایان موسم دوسہ بار بخاطر دلی منت خواہم گوشت۔ و آزی نالہ کہ حاشا بدین بر خور داری خورند خواہم گوشت۔“

ایک روز مرحوم بہادر شاہ آسوں کے موسم میں چند مصاحبوں کے ساتھ۔ جن میں مرزا بھی تھے۔ باغ حیات بخش یا محتاب باغ میں ٹہل رہے تھے۔ آس کے پیڑ رنگ برنگ کے آسوں سے لدرہے تھے۔ یہاں کا آس بادشاہ یا سلاطین یا بیگمات کے سوا کسی کو میسر نہیں آسکتا تھا۔ مرزا بار بار آسوں کی طرف غور سے دیکھتے تھے۔ بادشاہ نے پوچھا ”مرزا اس قدر غور سے کیا دیکھتے ہو؟ مرزا نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا ”پیر و مرشد، جو کسی درگ نے کہا ہے ”بر سر ہر داز بنوشہ عیاں، کایں فلاں ابن فلاں“ ابن فلاں، اسکو دیکھتا ہوں کہ کسی دانے پر میرا اور میرے باپ دادا کا نام بھی لکھا ہے یا نہیں۔ بادشاہ مسکرائے اور اسی روز ایک ہنگلی عمدہ عمدہ آسوں کی مرزا کو بھجوائی۔

حکیم رمی الدین خاں جو مرزا کے نہایت دوست تھے ان کو آس نہیں بھاتے تھے ایک دن وہ مرزا کے مکان پر برآمدے میں بیٹھے تھے، اور مرزا بھی وہیں موجود تھے۔ ایک گدے والا اپنے گدے لے کر ہوئے علی سے گذرا۔ آس کے پھلکے پڑے تھے، گدے نے سونگہ کر چھڑ دیے۔ حکیم صاحب نے کہا دیکھیے آس ایسی چیز ہے جسے گدہ بھی نہیں کھاتا۔ مرزا نے کہا بے شک گدہ حاشیہ کھاتا۔ مرزا کی نیت آسوں سے کسی طرح سیر نہوتی تھی۔ اہل شہر تحفہ بھیجتے تھے، خود بازار سے شگواتے تھے۔

باہر سے دور دور کا آس بطور سوغات کے آتا تھا، مگر حضرت کا جی نہیں بھرتا تھا۔ نواب مصطفیٰ خاں مرحوم ناقل تھے کہ ایک صبت میں مولانا فضل حق اور مرزا اور دیگر اجاب جمع تھے، اور آس کی نسبت ہر شخص اپنی اپنی رائے بیان کر رہا تھا کہ آس میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہئیں۔ جب سب لوگ اپنی اپنی کہہ چکے تو مولانا فضل حق نے مرزا سے کہا کہ تم بھی اپنی رائے بیان کرو۔ مرزا نے کہا بھی میرے نزدیک تو آس میں صرت دو باتیں ہونی چاہئیں، مینھا ہو اور بہت ہو۔ سب حاضرین ہنس پڑے۔

مرزا کو مدت سے رات کو سوتے وقت کسی قدر پینے کی عادت تھی۔ جو مقدار آسوں نے مقرر کر لی تھی اس سے زیادہ کبھی نہیں پیتے تھے۔ جس کہیں میں بوتلیں رہتی تھیں اسکی کچی دارودغہ کے پاس رہتی تھی، اور اسکو سخت تاکید تھی کہ اگر رات کو سرغشی کے عالم میں مچھو زیادہ پینے کا خیال پیدا ہو تو ہرگز میرا گناہ نہ مانا، اور کبھی مچھو نہ دینا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ رات کو کبھی طلب کرتے تھے، اور نشے کی جھانج میں دارودغہ کو بہت بڑا بھلا کتے تھے، مگر دارودغہ نہایت خیر خواہ تھا ہرگز کبھی نہ دیتا تھا۔ اول تو وہ مقدار میں بہت کم پیتے تھے، دوسرے آسیں دو تین حصے گلاب ملا لیتے تھے۔ جس سے اسکی جدت اور تیزی کم ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

اسودہ باد خاطر غالب کو خوس دوست ایمختن بہ بادہ صافی گلاب را
مگر باوجود اس قدر احتیاط اور اعتدال کے اس کا فرشتے کی عادت نے آخر کار مرزا کی صحت کو سخت صدمہ پہنچا یا جبکی شکایت سے اُنکے تمام آمدورفتات بھرے ہوئے ہیں۔
مرزا کے خاص خاص شاگرد اور دوست۔ جن سے نہایت بے تکلفی تھی۔ اکثر شام کو ان کے پاس جا کر بیٹھتے تھے۔ اور مرزا سرور کے عالم میں اس وقت بہت پُر لعل باتیں کیا کرتے تھے۔

ایک روز میرمدی مرنج بیٹھے تھے، اور مرزا پلنگ پر پڑے ہوئے کراہ رہے تھے۔ میرمدی پاؤں جابنے لگے۔ مرزانے کہا بھی تو سید زادہ ہے مجھے کیوں گنگا رکڑا ہے؟ انھوں نے نہ مانا، اور کہا آپ کو ایسا ہی خیال ہے تو پھر دابے کی اجرت دیدیجئے گا۔ مرزانے کہا اہاں اسکا مصداق نہیں جب وہ پیر داب چکے انھوں نے اجرت طلب کی۔ مرزانے کہا ”بھئی کیسی اجرت؟ تم نے میرے پاؤں دابے؟ میں نے تمھارے پیسے دابے؟ حساب برابر ہوا۔

ایک دن قبل غروب آفتاب کے مرزا صاحب شام کا کھانا کھا رہے تھے اور کھانے میں صرف ٹلی کباب تھے میں بھی دباں موجود تھا اور انکے سامنے بیٹھا رومال سے کھیاں مچل رہا تھا۔ مرزانے کہا ”دوباب تاق تحلیف فرماتے ہیں؛ میں ان کبابوں میں سے آپ کو کچھ نہ دینگا۔ پھر آپ ہی یہ حکایت بیان کی کہ ”نواب عبدالاحد خاں کے دسترخوان پر ان کے مصاحبوں اور عزیزوں اور دوستوں کے لئے ہر قسم کے کھانے پینے جاتے تھے؛ مگر خاص انکے لئے ہمیشہ ایک چیز تیار ہوتی تھی۔ وہ انکے سوا اور کچھ نہ کھاتے تھے۔ ایک روز انکے لئے مضر عرف کا تھا؛ وہی انکے سامنے لگایا گیا۔ مصاحبوں میں ایک ڈوم بہت سنہ لگا ہوا تھا جو اسوقت دسترخوان پر موجود تھا۔ نواب نے اسکو کھانا دینے کے لئے خالی رکابی طلب کی۔ اسکے آنے میں یہ ہوئی۔ نواب کھانا کھاتے جاتے تھے اور خالی رکابی بار بار مانگتے تھے۔ وہ مصاحب نواب کے آگے رومال ہلانے لگا؛ اور کہا ”موجود اور رکابی کیا کیجیے گا اب یہی خالی ہوئی جاتی ہے۔“ نواب یہ فقرہ سنا کر پھٹک گئے اور وہی رکابی اسکی طرف سرکادی۔

ایک دفعہ رات کو پلنگ پر لیٹے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تاروں کی طاہری بے نظمی اور انتشار دیکھ کر کہے ”جو کام خود رائی سے کیا جاتا ہے اکثر بے ڈھنگا ہوتا ہے۔ تاروں کو تو دیکھو

کس انتہی سے بکھرے ہوئے ہیں؟ متناسب ہے، نہ انتظام ہے، نہ ذیل ہے، نہ بڑا ہے، مگر بادشاہ خود مختار ہے؛ کوئی دم نہیں مار سکتا۔

ایک دن سید سردار مرزا مرحوم شام کو چلے آئے۔ جب تھوڑی دیر بٹھیر کر وہ جانے لگے تو مرزا خود اپنے ہاتھ میں شمعداں لے کر کھسکتے ہوئے لبِ فرش تک آئے تاکہ روشنی میں جو نادر دیکھ سکیں۔ انھوں نے کہا قبلہ دیکھ آپ نے کیوں تحلیف فرمائی؟ میں اپنا جو تا آپ پہن لیتا۔ مرزانے کہا ”میں آپ کا جواب دیکھتا ہوں شمعداں نہیں لایا؛ بلکہ اس لئے لایا ہوں کہ میں آپ میرا جوتا نہ پہن جائیں۔

اگرچہ شاعری کی حیثیت سے انھوں نے شراب کی جا بجا تعریف کی ہے مگر اعتقاد وہ اسکو بہت برا جانتے تھے؛ اور اپنے اس فعل پر سخت نادم تھے۔ باوجود اسکے انھوں نے کبھی اپنے اس فعل کو چھپا نہیں شراب کے متعلق اسکی غرافت آمیز باتیں بہت مشہور ہیں۔ ایک شخص نے انکے سامنے شراب کی نہایت عزت کی اور کہا کہ شراب خوار کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ مرزانے کہا بھائی جسکو شراب تیرا ہے اسکو اور کیا چاہیے جسکے لئے دعا مانگے۔

ایک خط کو اس طرح شروع کرتے ہیں ”وہ بے شک نہ درگت من خامہ روائی و سرمدت ہو آتش بے دود کجائی“ میرمدی! صبح کا وقت ہے۔ جاڑا خوب پڑ رہا ہے۔ آگیتھی سامنے رکھی ہوئی ہے۔ دودھ حوت کھتا ہوں؛ ہاتھ لپٹا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی سہی مگر وہ آتش تیاں کہاں کہ جب دودھ سے پی لے فوراً آگ دینے میں دودھ لگتی۔ دل نہ مانا ہو گیا، دماغ روشن ہو گیا، نفس ناطق کو تو آج بہم پہنچا۔ ساقی کوثر کا بندہ اور تشنہ بے آب! اے غضب بے غضب، یہ خط قدر کے بعد اس زمانے میں لکھا ہے جب نشین و غیو سب بند ہے اور صیبِ عشرت و نگہِ تنی کے کچھ پتے پاتے نہیں ہیں۔

میر ہمدی جروح نے جے پور سے خط بھیجا ہے اور وہاں جو کسی تقریب میں گئی تھیں مصری کا شربت مہمانوں کے لئے کیا گیا تھا اسکا ذکر لکھا ہے اسکے جواب میں مرزا لکھتے ہیں

”میر احمد حسین و مرزا قربان بیگ نامہ شمارا خواندند وہ ذوق شربت ہفت صدمین نبات ہر دورا آب در دہن گشت سخن از بادہ ناب نبود و در دہرا نیز دل از جا رفتے“

مرزا نے غلیات و قصائد و قطعات و رباعیات میں شراب کے متعلق جس قدر معنوں باندھے ہیں وہ خواجہ حافظ اور عقیام سے کم نہ ہونگے، یہاں ایک شعراؤ دو غزل کا اور ایک فارسی غزل کا اور ایک فارسی رباعی لکھی جاتی ہے۔

کل کے لئے کراچ نہخت شراب میں یہ سودن ہے ساقی کوثر کے باب میں
خجالت نہ کر کہ در شہ نام نہاقتند جز روزه درست بہ صبا کثرت
غالب بہ سخن گرج گشت ہنسیت از نشہ ہوش محبت اندر سرسیت
مے خواہی و منت و تفر و انگہ بسیار !!! ایں بادہ فروش ساقی کوثر نیست

مرزا اسلام کی حقیقت پر نہایت پختہ یقین رکھتے تھے اور توحید و جدی کو اسلام کا اہل اصول اور رکن دیکھ جانتے تھے۔ اگرچہ وہ بظاہر اہل مال سے نہ تھے؛ مگر صبا کہ لکھا گیا ہے ”من جب شینا اکثر ذکر“ توحید و جدی انکی شاعری کا عنصر بن گئی تھی۔ اس معنوں کو انھوں نے تین اصناف سخن میں بیان کیا ہے غالباً ظہیری اور بیدل کے بعد کسی نے نہیں بیان کیا۔ مرزا کے حق میں اگر اور کچھ نہیں تو عرفی کا یہ شعر ضرور صادق آتا ہے۔

امید ہست کہ بیگانیئے عرفی را بدوستی سخن اسے آشنا بخشند

انھوں نے تمام عبادات اور قرائن و واجبات میں سے صرف دو چیزیں لے لی تھیں ایک توحید و جدی اور دوسرے بنی اور اہمیت بنی کی محبت؛ اور اسی کو وہ وسیلہ نجات سمجھتے تھے۔

اگرچہ شاعر کے کلام سے اسکے عقائد پر استدلال نہیں ہو سکتا مگر جرات دل سے نکلتی ہے وہ بھی نہیں رہتی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اکثر حکماء اسلام نے نعیم جہانی سے انکار کیا ہے مرزا بھی اسکے قائل نہ تھے چنانچہ انھوں نے اس خیال کو اپنے شاعرانہ انداز میں متعدد جگہ ظاہر کیا ہے ایک جگہ لکھتے ہیں ”ہم کو معلوم ہے حق کی حقیقت لیکن دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے“

یہی خیال ایک فارسی رباعی میں اس طرح ظاہر کیا ہے در گردین ز اہراں بہت گشتان +
”اں دست درازی بہ خورشخ بیاخ + چون نیک نظر کنی ز رو بہ تشبیہ + ماند بہ بہائم و ملک زار فراخ“
مرزا با وجودیکہ احکام ظاہری کے بہت کم پابند تھے؛ لیکن مسلمانوں کی ذلت کی کوئی بات سن پاتے تھے تو ان کو سخت رنج ہوتا تھا ایک روز میرے سامنے اسی قسم کے ایک واقعہ پر نہایت افسوس کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھ میں کوئی بات مسلمانی کی نہیں ہے؛ پھر میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی ذلت پر مجھ کو کیوں اس قدر رنج اور تاقت ہوتا ہے؛ مگر چونکہ طبیعت نہایت شوخ واقع ہوئی تھی۔ جب کوئی گرم فقرہ سوجھ جاتا تھا پھر ان سے بغیر کہے نہیں رہا جاتا تھا؛ خواہ اس میں انکو کوئی کافر سمجھے؛ یا رند مشرب کہے؛ یا بد مذہب جانے۔

عذر کے بعد۔ جیکہ نیشن بند تھی اور دربار میں شریک ہونے کی اجازت نہ تھی۔ پندرست موتی لال میرنشی نقشبندی پنجاب مرزا صاحب سے ملنے کو آئے۔ کچھ نیشن کا ذکر چلا۔ مرزا صاحب نے کہا ”تمام عمر میں ایک دن شراب نہ پی ہو تو کافرا؛ اور ایک دفعہ نماز پڑھی ہو تو گنہگار۔“ پھر

نہیں بتانا کہ کس طرح مجھے باغی مسلمانوں میں شمار کیا۔

اگرچہ مرزا کا اصل مذہب صلح علی تھا مگر زیادہ تر ان کا میلان طبع تشیع کی طرف پایا جاتا تھا اور جناب امیر کو وہ رسول خدا کے بعد تمام امت سے افضل جانتے تھے۔

ایک بار مرحوم بہادر شاہ نے دربار میں یہ کہا کہ مجھے سنا ہے کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب شیعی الذہب ہیں۔ مرزا کو بھی اطلاع ہو گئی۔ چند راجا لکھنؤ کو سنائیں۔ جن میں تشیع اور رفض سے تماشی کی تھی۔ ان میں سے ایک راجا جو بہت لطیف ہے جھک کر یاد رہ گئی ہے جو یہاں لکھی جاتی ہے

رباعی

جن لوگوں کو ہے مجھے عداوت گہری کہتے ہیں مجھے وہ راہی اور دہری
دہری کیونکر ہو جو کہ ہو وے صوفی؟ شیعی کیونکر ہو ماوراء النہری؟

دہریت اور تصوف میں جو بڑا بے حد فاصلہ ہے وہ ظاہر ہے؛ دہری خدا کے وجود ہی کا قائل نہیں اور صوفی صرف خدا ہی کو موجود جانتا ہے اور اس کو ہی سمجھتا ہے پس صوفی دہری کیونکر ہو سکتا ہے؟ چوتھے مصرع کا یہ مطلب ہے کہ ماوراء النہر یعنی ترکستان کے لوگ متعصب تھی ہونے میں ضرب اشل ہیں؛ یہاں تک کہ شیعہ ان کو ناصبی اور خارجی سمجھتے ہیں۔ چونکہ مرزا کی اصل ماوراء النہر سے تھی ایسے کہتے ہیں کہ ایک ماوراء النہری راہی یا شیعی کیونکر ہو سکتا ہے؟

جو لوگ مرزا کی طرز مزاج اور طرز کلام سے نا آشنا ہیں وہ شاید یہ سمجھیں کہ مرزا نے بادشاہ کی حضور میں اپنا رسوخ قائم رکھنے کے لئے اپنا مذہب غلط بیان کیا؛ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ سب

راجا عیاں صرف بادشاہ کے خوش کوئے اور اہل دربار کے ہمنام کے لئے لکھی گئی تھیں؛ کیونکہ دربار میں ایک متعصب بھی ایسا نہ تھا جو مرزا کو شیعی یا کم سے کم تفضیلی نہ جانتا ہو۔ مرزا اکثر مواقع پر بادشاہ کے خوش کرنے کو اس قسم کے اشعار دربار میں پڑھا کرتے تھے ایک روز سلطان نظام الدین قدس سرہ اور امیر خسرو کی خصوصیت کا ذکر دربار میں ہوا تھا مرزا نے اسی وقت یہ شعر انشا کر کے پڑھا

”تو وہ مرشدوں کو تہذیب حق سے ہیں مطالب نظام الدین کو خسرو سراج الدین کو غالب“

رمضان کا مہینا تھا؛ ایک سختی مولوی مرزا سے ملنے کو آئے۔ عصر کا وقت تھا۔ مرزا نے خذ کا سے پانی مانگا۔ مولوی صاحب نے قہر سے کہا ”کیا جناب کو روزہ نہیں ہے؟ مرزا نے کہا ”نہی مسلمان ہوں؛ چار گھنٹی دن رہے روزہ کھول لیتا ہوں“

ایک دفعہ بہادر شاہ بہت سخت بیمار ہوئے۔ اس زمانے میں مرزا حیدر شکوہ جو اکبر شاہ کے بیٹے اور مرزا سلیمان شکوہ کے بیٹے تھے وہ بھی لکھنؤ سے آئے ہوئے تھے اور بادشاہ کے ہاں ممان تھے۔ ان کا مذہب اثنا عشری تھا۔ جب بادشاہ کو کسی طرح آرام نہ ہوا مرزا حیدر شکوہ کی صلاح سے خاں شفا دی گئی اور اسکے بعد بادشاہ کو صحت ہو گئی۔ مرزا حیدر شکوہ نے نذر مانی تھی کہ بادشاہ کو صحت ہو جائیگی تو حضرت عباس کی درگاہ میں جو کہ لکھنؤ میں ہے علم چڑھاؤں گا۔ چنانچہ انھوں نے لکھنؤ جا کر بادشاہ کو عرضداشت بھیجی کہ میرا تقدیر نذر ادا کرنے کا نہیں ہے؛ حضور مدد فرمائیں۔ یہاں سے بادشاہ نے کچھ روپیہ مرزا حیدر شکوہ کو بھیجا اور انھوں نے بڑی دھوم دھما سے علم چڑھایا۔ جس میں اودھ کا تمام شاہی خاندان اور امراتو علماء سب شریک تھے۔ اور مجتہد اہل علم کے ہاتھ سے علم چڑھوایا گیا۔

اس واقعے کے بعد یہ بات عموماً مشہور ہو گئی کہ بادشاہ شہید ہو گئے۔ اس شہرت کا بادشاہ کو بہت
سچ ہوا، اور حکیم حسن اللہ خاں مرحوم نے اسکے تدارک کے لئے کچھ رسالے شائع کرائے، اور اس کے
اشتمالات کو چوں اور بازاروں میں چسپاں کرائے گئے، اور بادشاہ کے حکم سے مرزا صاحب نے
بھی ایک شہنوی فارسی زبان میں لکھی۔ جس کا نام غالباً دغ الباطل رکھا گیا تھا، اور جس میں بادشاہ
کو تشیع کے اقام سے بری کیا گیا تھا۔ اس شہنوی میں مرزا نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی تھی
بلکہ ہر معنایں حکیم حسن اللہ خاں نے بتائے تھے اُن کو فارسی میں نظم کر دیا تھا۔

جب یہ شہنوی لکھنو پہنچی تو مجتہد العصر نے مرزا سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے خود مذہب شیعہ اور مرزا
میر شکوہ کی نسبت اس شہنوی میں ایسا اور ایسا لکھا ہے؟ مرزا نے بلکہ بیجا کہیں ملازم شاہی ہوں
جو کچھ بادشاہ کا حکم ہوتا ہے اسکی تعمیل کرنا ہوں۔ اس شہنوی کا مضمون بادشاہ اور حکیم حسن اللہ خاں
کی طرف سے اور افغان میری طرف سے تصور فرمائے جائیں۔

مرزا کی طبیعت نہایت سلیم واقع ہوتی تھی۔ باوجودیکہ تیزی ذہن اور سلامتی طبع دونوں ایک دوسرے کو بہت کم
جمع ہوتی ہیں؛ مرزا میں یہ دونوں باتیں بوجہ اتم موجود تھیں۔ اسی سلامتی طبع کا اقتضا تھا کہ ابتدائے
شق سخن میں جو بیڑہ حارثہ انھوں نے اختیار کیا تھا۔ بغیر اسکے کہ کوئی استاد رہبری کرے۔ جس قدر
عقل و تہذیب پرستی گئی اسی قدر آہستہ آہستہ اُس سے اخراج ہوتا گیا؛ اور آخر کار اساتذہ مسلم اثبوت
کی روش مستقیم پر آ رہے۔

مرزا ازراہ مجرور نکسا کر تے تھے کہ قصائد کی تشبیہ میں تو میں بھی جہاں عرفی و فوری پہنچتے ہیں
انتہاں و غیر انتہا پہنچ جاتا ہوں؛ مگر صحت و سادگی میں مجھے اُن کا ساتھ نہیں دیا جاتا۔ مرزا کا یہ کستا

لکھی

بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ جو ذرا کی تشبیہ میں پایا جاتا ہے وہ صحیح نہیں اگر باقی نہیں رہتا۔ مگر
اسکو ان کے نقص شاعری پر محمول نہیں کرتے؛ بلکہ غایت درجے کی سلامت ذہن اور استقامت طبع
کی دلیل بتاتے ہیں۔ جموٹی اور بے اصل باتوں کو چمکانا، اور زمیں و آسمان کے قلابے طانا، اور مبالغہ
و اغراق کا طوفان اٹھانا، انی التیقہ شاعر کا کمال نہیں ہے؛ بلکہ جس قدر اسکی طبیعت ان باتوں سے ادا
کرتی ہے اسی قدر چاہنا چاہیے کہ وہ شاعری سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مرزا کی
ساری عمر عقیدہ گوئی اور مدح سرائی میں گزری؛ کیونکہ ضرورت انسان سے سب کچھ کوئی ہے۔ مگر انی التیقہ
جیسا کہ ہم آگے بیان کرینگے۔ اُن کو بھٹنی کرنے کا طریقہ جیسا کہ چاہیے دیا نہیں آتا تھا۔

اس مقام پر ہم ایک واقعہ لکھتے ہیں۔ جس سے مرزا کی سلامتی طبع کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔
مولانا فضل حق مرحوم مرزا کے بڑے گانڈے دوست تھے اور اُن کو فارسی زبان کا نہایت معتد شاعر
مانتے تھے۔ چونکہ مولانا کو دہلیوں سے سخت مخالفت تھی؛ انھوں نے مرزا پر نہایت اصرار کے ساتھ
یہ فرمائش کی کہ فارسی میں دہلیوں کے خلاف ایک شہنوی لکھ دو۔ جس میں اُنکے بڑے بڑے اور مشہور
عقیدوں کی تردید اور خاص کر امتناع نظیر قائم انبیین کے مسئلے کو زیادہ شرح اور تفسیر کے ساتھ بیان کر دو۔
اس مسئلے میں مولانا اسماعیل شہید کی یہ رائے تھی کہ قائم انبیین کا شل ملکن بالذات اور متنع بالذات ہے؛
متنع بالذات نہیں ہے۔ یعنی انحضرت کا شل اس لئے پیدا نہیں ہو سکتا کہ اُسکا پیدا ہونا آپ کی غایتیت
کے منافی ہے؛ نہ اس لئے کہ خدا اُسکے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ پر خلاف اسکے مولانا فضل حق کی یہ رائے
تھی کہ قائم انبیین کا شل متنع بالذات ہے؛ اور جس طرح خدا اپنا شل پیدا نہیں کر سکتا اسی طرح قائم انبیین
کا شل بھی پیدا نہیں کر سکتا۔

مرزا نے اس فرمائش کو قبول نہیں کیا

مرزا صاحب پر یہ فرمائش ہوئی کہ اس مسئلے پر جو اسے مولانا فضل حق کی ہے وہ فارسی نظم میں بیان کیجائے۔ مرزا نے اول عذر کیا کہ مسائل علی کا نظم میں بیان کرنا مشکل ہے۔ مگر انھوں نے زمانہ لاچار مرزا نے ایک مثنوی۔ جو کہ انکے کلمات میں مثنویات کے سلسلے میں چھٹی مثنوی ہے۔ لکھ کر مولانا کو سنائی۔ انھوں نے بے انتہا تعریف کی اور یہ کہا کہ اگر میں فارسی شعریں تمھاری برابر مشتاق ہوتا تو بھی ایسی خوبی سے ان مطالب کو نہ ادا کر سکتا۔ مگر جو کچھ مرزا نے مسئلہ نظیر خاتم النبیین کے باب میں کسی قدر مولانا کی رائے کے خلاف لکھا تھا اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے۔ مرزا نے صاف صاف تو پیش لکھا تھا کہ خدا خاتم النبیین کا مثل پیدا کرنے پر قادر ہے؛ مگر اس مضمون کو اس پیرائے میں ظاہر کیا تھا کہ اس موجودہ عالم میں تو ایک خاتم النبیین کا مثل جو اس دوسرے عالم کا خاتم النبیین ہو سکتا؛ لیکن خدا قادر ہے کہ ایسی ایک اور عالم پیدا کر دے اور اُس میں خاتم النبیین کا مثل جو اس دوسرے عالم کا خاتم النبیین ہو مطلق فرما دے۔ چنانچہ انھوں نے اس مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے۔

یک جاں تاہمت یک خاتم نبی است	قدرت حق را نہ یک عالم نبی است
خواب از مسدودہ آرد عالمی	ہم بود ہر عالمی را خاتمے
ہر کجا ہنگامہ عالم بود	رحمتہ للعالمین ہم بود
کثرت ابدان عالم خوب تر؟	ایک عالم دو خاتم خوب تر؟
دریک عالم دو خاتم مجوسے	صد ہزاراں عالم دو خاتم بگوسے

جب مرزا اول بار مثنوی لکھ کر مولانا کے پاس لائے تو مضمون مذکور کو اس اخیر شعر پر ختم کر کے لائے تھے۔ مولانا نے فرمایا یہ تم نے کیا کہا ہے کہ متعدد عالموں میں متعدد خاتم ہو سکتے ہیں؟ نہیں بلکہ

اگر لاکھ عالم خدا پیدا کرے تو بھی خاتم النبیین ایک ہی ہوگا۔ پس اس مضمون کو مثنوی میں سے بالکل نکال ڈالو اور جس طرح میں لکھا ہوں اُس طرح بیان کرو۔ مرزا کو نہ دباہوں سے کچھ خصوصیت تھی اور نہ انکے مخالفوں سے کچھ تعلق تھا؛ بلکہ صرف دوست کی رضا جوئی مقصود تھی۔ انھوں نے مولانا کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ جو کچھ پہلے لکھ چکے تھے اسکو تو اسی طرح رہنے دیا مگر اس کے لئے چند اشعار اور اضافہ کر کے کلام کو اچھڑا کر دیا۔

غالب اس اندیشہ پذیریم ہے	خردہ۔ ہم پر خویشی کی گیم ہے
اسے کہ ختم المرسلینش خواندہ	دائم اندوہ ہے یقینش خواندہ
ایں علت لائے کہ متفرق راست	حکم ناطق معنی اطلاق راست
منشأ ایجاد ہر عالم یکسیت	گرد و صد عالم بود خاتم یکسیت

اس کے بعد اسی مضمون کو اور زیادہ پھیلا دیا ہے؛ اور پھر مثنوی کمال دو شعروں پر جن میں نظیر خاتم النبیین کے متعلق بالذات ہونے کی تصریح ہے ختم کر دیا ہے۔

منفرد اندر کمال ذاتی است	لاحصرم شلش حال ذاتی است
نہیں عقیدت بزرگرم و اسلام	نامہ را در سے نور دم و اسلام

ادھر کے بیان سے ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ مرزا کی طبیعت میں کس قدر سلامت روی تھی؟ اور احوال سے کس قدر انکا ذہن ابا کرتا تھا؟ باوجودیکہ مولانا فضل حق نے اس مسئلے کے متعلق جو کچھ انکی رائے تھی مرزا کے خوب ذہن نشین کر دی تھی اور مرزا اسی کو اپنی مثنوی میں بیان کرنا چاہتے تھے مگر جس طرح ایک میٹری چیز فلکی میں اگر سیدھی ہو جاتی ہے اسی طرح مرزا کی راست بیانی نے اُس میٹری رائے کے تمام بل نکال ڈالے اور بغیر اسکے کہ مرزا کو دباہوں کی حمایت منظور ہو جو ٹھیک بات تھی وہ

اُنکے قلم سے بے اختیار ہنک پڑی۔ پھر اُسکے بعد جو کچھ لکھا ہے وہ مولانا کے جیسے لکھا ہے، اُسکو مرزا کے اصلی خیالات سے کچھ تعلق نہیں۔

ہماری سوسائٹی میں جو ایک عام دستور ہے کہ جو شخص اپنا کلام سناتا ہے اُسکے ہر ایک شعر پر خواہ اچھا ہو خواہ بُرا۔ برابر تحسین و تخریب کی جاتی ہے اور اچھے اور بُرے شعروں کچھ تیز نہیں کی جاتی، مرزا کی عادت بالکل ایسے برخلاف تھی۔ کوئی کیسا ہی معزز و محترم آدمی ہو جب تک اُسکا کوئی شعر فی الواقع مرزا کو پسند نہ آتا تھا وہ ہرگز اُسکی تعریف نہ کرتے تھے، انہیں غریب ترانوں کا نقل سماعت انتہا کو پہونچ گیا تھا، مگر پہلے ایسا حال نہ تھا۔ وہ کسی قدر اونچی آواز سے بات چیت اور شعر و سخن سن لیتے تھے، مگر جب تک کوئی شعر اُن کے دل میں نہ چپٹتا تھا سُن سے سُن کر اُنکے بعض معاصرین اس بات سے آزر رہتے تھے، اور اسی لئے اُنکی شاعری پر نکتہ چینیاں کرتے تھے۔ مگر مرزا باوجودیکہ اُن کی طبیعت نہایت صلیح و مروتانہ ہوتی تھی۔ شعری داد دینے کا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا تھا اُسکو وہ کبھی اتنے سے دیتے تھے۔ لیکن جو شعرا اُن کے دل میں چھ جاتا تھا اُسکی تعریف بھی ایسی کرتے تھے جو بلائی کے حد کو پہونچ جاتی تھی۔ وہ حقیقت کسی کے غرض کرنے کے لئے ایسا نہیں کرتے تھے، بلکہ ذوق سخن اُن کو بے اختیار کرتا تھا۔ شیخ ابراہیم ذوق جنگی نسبت مشہور ہے کہ مرزا کو اُن سے جھگڑا تھی۔ ایک روز جب کہ مرزا شطرنج میں مصروف تھے منشی غلام علی خاں مرحوم نے اُنکا یہ شعر کسی دوسرے شخص کے سننے کو چڑھا۔

اب تو گھبرا کے کہتے ہیں کہ جانیٹلے
مرکے بھی پینن نہ پایا تو کہ مر جانیٹلے

خان مرحوم کہتے تھے کہ مرزا کے کان میں بھی اسکی جھینگ پڑ گئی فوراً شطرنج چھوڑ دی اور مجھے کہا جیانتے کیا چڑھا؟ میں نے پھر وہ شعر پڑھا۔ پوچھا کس کا شعر ہے؟ میں نے کہا ذوق کا۔ یہ سنکر نہایت تعجب

ہوئے، اور مجھے بار بار پڑھواتے تھے اور سر مٹھتے تھے۔ ہم بھی دیکھتے ہیں کہ مرزا نے اپنے ارد و غلوں میں اس شعر کا جابجا ذکر کیا ہے۔ جہاں عہدہ شعری شائیں دی ہیں وہاں اس شعر کو ضرور لکھا ہے۔ اسی طرح مومن خاں کا جب یہ شعر سنا۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گو یا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

تو اسکی بہت تعریف کی اور یہ کہا کہ ادکاش مومن خاں میرا سارا دیوان لے لیتا اور مرزا فی شعر کو کچھ بوجھا کر شعر کو بھی انہوں نے اپنے متعدد غلوں میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح سودا کا یہ شعر بھی ایک مقام پر لکھا ہے
دکھائیے یہاں کے تھے مصرع کا بازار
لیکن کوئی خواہاں نہیں دہاں میں گن کا
ایک محبت میں نواب مرزا خاں داغ کے اس شعر کو بار بار پڑھتے تھے اور اُس پر دہر کرتے تھے۔

ترجہ روشن کے آگے شمع رکھ کر دیکھتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اُدھر پردہ آتا ہے
بعض اوقات وہ اپنے شاگردوں کے کلام سے اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ اُنکی تعریف میں شاید اُنکا دل بڑھانے کو حد سے زیادہ مبالغہ کرتے تھے۔ انہوں نے اخیر عمر میں اپنے ایک شاگرد کی غزل دیکھ کر
اُسکی بے انتہا تعریف کی، اور یہ کہا کہ اگر میں اب رنگ کر نیچے قابل ہوتا تو تم محسوس ہوتے اور میں جاسد

مرزا پر تقریظوں کی بے انتہا فرائض ہوتی تھیں۔ اور جیسا کہ ظاہر ہے تعریف کی تسبیح فی الحقیقت بہت ہی کم کتابیں ہوتی ہیں۔ مرزا کی طبیعت چونکہ صلیح و مروتانہ و مرتجاں واقع ہوئی تھی وہ کسی سے

انکار تو نہیں کرتے تھے، مگر تقریباً نگاری کا انہوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا تھا کہ کوئی بات راستی کے خلاف بھی نہ ہو اور صاحب کتاب خوش بھی ہو جاسے۔ بہت سادہ بتید میں، یا مصطفیٰ کی ذات اور اُسکے اخلاق، یا اُسکی محبت اور دوستی کے بیان میں، یا اور لطیف اور پاکیزہ باتوں کے ذکر میں جو کچھ

منوں۔ ختم ہو جاتا تھا۔ اخیر میں کتاب کی نسبت چند جملے جو اصلیت سے خالی نہوتے تھے، اور مصنف کے خوش کرنے کے لئے کافی ہوتے تھے، لکھ دیتے تھے۔ اسی وجہ سے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ لوگ مرزا سے شکایت کرتے تھے کہ آپ نے سائنس میں مضائقہ کیا ہے۔

جب مرزا نے منشی ہر گوبال فقہ کے دیوان کی تقریظ جو کلیات شرفا میں موجود ہے۔ لکھ کر بھیجی تو انھوں نے بھی اسی قسم کی شکایت کی تھی۔ مرزا کے جواب میں لکھتے ہیں: ”کیا کروں اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ درویش ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی نمونہ نہیں آتی کہ بالکل بھانوں کی طرح بکنا شروع کر دیں۔ میرے تصدیق دیکھو: تشبیب کے شعر بہت پاؤ گے؛ اور مع کے شعر کمتر۔ نثر میں بھی یہی حال ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کرو کہ ان کی مع کتنی ہے؟ مرزا رحیم الدین ہمدانی جیہ تخلص کے دیوان کے دیباچے کو دیکھو۔ وہ جو تقریظ انطباع دیوان حافظ کی۔ جان جاکوب ہمدانی کی فرمائش سے لکھی ہے اسکو دیکھو؛ کہ فقط ایک بیت میں ان کا نام اور ان کی طرح آتی ہے اور باقی نثر میں اور بھی اور مطالب ہیں۔ واللہ باللہ اگر کسی شاہزادے یا امیر زادے کے دیوان کا دیباچہ لکھنا تو ایسی مع اتنی دکرنا کہ جتنی تمھاری مع کی ہے۔ ہکو اور ہماری روش کو اگر پہچانتے تو اتنی مع کو بہت جانتے۔ فقہ مختصر تمھاری خاطر کی اور ایک فقرہ تمھارے نام کا بدل کر اُس کے عوض ایک فقرہ اور لکھ دیا ہے۔ اس سے زیادہ بھیجی میری روش نہیں۔ ظاہر اتم خود فکر نہیں کرتے؛ اور حضرات کے بکاتے میں آجاتے ہو۔ وہ صاحب قوہ بشیر اس نظم و نثر کو مہل کہیں گے۔ کس واسطے کہ ان کے کان اس آواز سے آشنا نہیں۔ جو لوگ کہیں کو نیچے لکھنے والوں میں جانیگے وہ نظم و نثر کی خوبی کو کیا پہچانیں گے۔

(نثر) سید احمد خاں نے جب نہایت جانتاشانی اور عزیز فی سے آئین اکبری کی تصحیح کی تو دلی کے

شاہیر نے اُس پر نثر میں تقریظیں لکھی تھیں؛ اور مرزا نے نظم میں ایک مثنوی لکھی تھی۔ جو ان کے کلیات میں موجود ہے۔ یاد ہو دیکھ مرزا کو سرسید کی خاطر بہت عزیز تھی، اور وہ ان سے اور ان کے خاندان سے شغف گاہوں کے شے تھے؛ مگر چونکہ مرزا۔ ابو الفضل کی طرز تحریر کو پسند نہیں کرتے تھے، اور جو آئین اس کتاب میں لکھے ہیں انکو اس زمانے کے آئینوں کے مقابلے میں ایچ و پیچ سمجھتے تھے، اور تاریخ کا مذاق جیسا کہ خود انھوں نے اعتراف کیا ہے بالکل رکھتے تھے اس لئے آئین اکبری کی تصحیح کو انھوں نے ایک فضول کام سمجھا۔ گو انکی یہ رائے غلط ہو یا صحیح۔ مگر چونکہ آئین اکبری اور اسکی تصحیح کی نسبت ان کا خیال تھا اسکو تقریظ میں ظاہر کرنے بغیر نہیں رہے۔ چنانچہ اُس مثنوی کے اول کے چند شعروں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

خود یاراں را کہ این دریں کتاب	یافت از اقبال سید فتح باب
ویدہ بیسنا آمد و باز د قوی	کشتی پوشید تشریف نوی
دیں کہ در قیچ آیش واسے اوست	ننگ و عار بہت واسے اوست
دل بہ شغلے بست و خود را شاد کرد	خود مبارک بندہ آزاد کرد
گو ہر شس را آنکہ نتواند شود	ہم بدیں کار شس ہی داند شود
بر چیں کارے کہ اصلش ایں بود	اں ستا یہ کشش ریا آئین بود
من کہ آئین ریا را دشمنم	دروست اندازہ دان خود منم

مرزا آثار احمدی کی تقریظ میں سرسید کی نسبت لکھتے ہیں: ”یہ کتاب شریفیت و عزرائلی آئین ہندی دانا؛ و با مشق پانچ ستر نونہنی پیر غزوں دانا“

”مبارک بندہ آزاد کو ان مشق کام کرنے کو کہتے ہیں۔ ہمیں ملنے یہ ہے کہ ابو الفضل کے باپ کا نام مبارک تھا۔“

گر بیں کارش نگویم آفسریں جاسے آں وار دکر جویم آفسریں
اسکے بعد انگریزوں کے آئین و قانون و ایجادات کسی قدر بیان کئے نہیں اور لکھا ہے کہ ان چیزوں
کے سامنے پچھلے آئین سب تقویم پارینہ ہو گئے ہیں اسکے بعد لکھتے ہیں

طرز تحریرش اگر کوئی خوشست	نئے قزوں از ہرچی جوی خوشست
ہر خوشے را خوشترے ہم بودہ است	گر سہ است افسرے ہم بودہ است
سبدا فیاض را شمر بخیل	نیز می ریزد رطب با زان خیل
مردہ پروردن مبارک کار نیست	خود بگو کاں نیز جز گفتار نیست
غالب آئین غموشی دلکشست	گرچہ خوش گفتی دگفتن ہم خوشست
در جہاں سید پرستی دین نیست	از شنایکذر دعا آئین نیست
ایں سہرا پا قرہ و فرہنگ را	ستیدا احمد خان عارف جنگ را
ہر چہ خواہد از خدا موجود باد	پیشکارش طالع مسعود باد

چونکہ اس تقریر میں آئین اکبری کی نقیص کی گئی تھی اور مرید نے جو ایک نہایت مفید کام کیا تھا اسکی
کچھ دا نہیں دی گئی تھی بلکہ اسکو غیر مفید ظاہر کیا گیا تھا اس لئے انھوں نے آئین اکبری کے آخر
میں مرزا کی تقریر کو نہیں چھپوایا۔

مرزا کی دہراکی اور عالی ظرفی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ یا وجودیکہ ایسی سوسائٹی میں گھرے
ہوئے تھے جس میں سلف کی تقلید سے ایک قدم تجاوز کرنا ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ اپنے فن میں متفانہ

چال ملتے تھے؛ اور انعام و عندا انگوں کی تقلید ہرگز نہ کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جامع برہان قاطع کی
شہرت اور ناموسری انکو اسکا تحقیر کرنے سے مانع نہیں ہوئی۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "یزداں دل دانا
و چشم بینا برآں دادہ است کہ کار دانش و نبیش ازین ہر دو گوہر پر فرگریم؛ و ہر چہ بکریم جز بہ ستوری
دانش آں را نہ پنیریم۔ استاد دی دشاگردی پیری و مریدی نیست کہ متنا اعتقاد میں باشد؛ و وہیں لکھتے
مشہور کہ "پیر من شمسست و اعتقاد من بہست" از باز پرس ایسی روئے دہر، حالانکہ وہ ایران کے
نامور شعرا کا نہایت ادب کرتے تھے اور انکا ذکر ہمیشہ تعظیم اور احترام کے ساتھ کرتے تھے؛ پھر یہی
انہوں کی طرح انکی تقلید نہ کرتے تھے۔ جو امور سماع اور نقل سے علاوہ رکھتے تھے ان میں ان کے
کلام کو بے چون و چرا تسلیم کرتے تھے، مگر جو باتیں عقل اور دہایت سے تعلق رکھتی ہیں ان میں انکی
تقلید کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ ایک خط میں حزیں کا۔ جبکہ وہ بت بڑا استاد جانتے تھے۔ یہ مطلع نقل
کرتے ہیں "د زنگار ز آں نازنین سوار ہنوز، د زبہ زوی و د انگشت زینا ہنوز" پھر لکھتے ہیں کہ
اس مطلع میں ایک ہنوز زائد اور بیہودہ ہے؛ متعجب کے واسطے سند نہیں ہر سکتا، یہ غلط محض ہے،
یہ سقم ہے، یہ عیب ہے، اسکی کون پر دی کر گیا۔ حزیں تو آدمی تھا یہ مطلع اگر جبریل کا ہو تو اسکو سند
نہ جانا؛ اور اسکی پر دی نہ کرد۔ ایک خط میں منشی ہر گوبال کو لکھتے ہیں "یہ نہ سمجھا کر دکر اگلے جو لکھ گئے
ہیں" حق ہے، کیا آدمی اہم پیدا نہیں ہوتے تھے؟

منشی

مرزا کے کلام پر اگر کوئی ٹھیک اعتراض کرتا تھا، یا کوئی عمدہ تہقیر انکے شعروں کرتا تھا؛ انکو
خود تسلیم کر لیتے تھے؛ اور شعر کو بدل داتے تھے۔ مثلاً درود و داغ میں ان کا ایک مصرع تھا
"دو خاک شد و چہ زدن ساز کرد" جب مرزا نے یہ مثنوی تحفۃ ناطق مکرانی کو بھیجی تو اس نے مرزا کو

لکھا "دعویٰ نم دار و نہ پند اگر نزدیک اسانہ اطلاق نم و پنجہ یک محل روا باشد اعلام باید فرمود" مرزا نے اسکے جواب میں صاف لکھ دیا کہ اگر کلمات فارسی کے چھپنے سے پہلے آپ کا خط پہنچ جاتا تو میں اس خط کو جیل ڈالتا، اور اس مصرع کو اس طرح بنادیتا "دعویٰ شد و پندنی ساز کرد" چنانچہ جب مرزا کا کلام دوسری بار چھپا تو انھوں نے یہ مصرعہ اسی طرح بنادیا۔

مرزا کے ایک فارسی قصیدے کی تشبیہ کا یہ شعر ہے۔

ہمچنان در تن غیب ثبوتے دارند پوچدے کہ نذر نذر خارج اعیان

مرزا صاحب خود مجھے کہتے تھے کہ میں نے ثبوت کی جگہ نمود کے لکھا تھا۔ مولوی فضل حق کو جب یہ شعر سنا یا تو انھوں نے کہا کہ ایمان ثابتہ کے لئے نمود کا لفظ نامناسب ہے اسکی جگہ ثبوت بنادو۔ چنانچہ طبع ثانی میں انھوں نے بجائے نمود کے ثبوت بنادیا ہے اسطرح ایک قصیدے کے مطلع کا پہلا مصرعہ ہے

عید اسٹھے بسر آغاز زمناں آمد

مرزا نے اول عید قرباں لکھا تھا پھر نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کے کہنے سے عید اسٹھے بنایا گیا۔ حالانکہ نواب صوف خود مرزا سے مشورہ سخن کرتے تھے اور مومن مرحوم کے بعد ہمیشہ انھیں کو اپنا کلام دکھاتے تھے ان باتوں کے بیان کرنے سے مرزا کی تفرش خلقت کو دکھانی مقصود نہیں ہیں بلکہ انصاف اور حق پسندی کی شریف خصلت اور وہ ملکہ جسکے بغیر انسان کبھی ترقی نہیں کر سکتا مرزا کی ذات میں کھانا مقصود ہے۔ جن لوگوں میں اپنی غلطی کو تسلیم کرنے کی قابلیت نہیں ہوتی ان کا اپنے فن میں ترقی کرنا ناممکن ہے۔

حالانکہ ایشیائی شاعری۔ جسکی بنیاد جبروت اور مبالغہ ہے پر کبھی گئی ہے۔ مرزا کی رنگ و پے میں

مرزا

سرایت کر گئی تھی باوجود اسکے وہ روایت اور حکایت اور وعدہ و اقرار اور بات چیت میں نہایت راست گفتار اور صادق الہجہ تھے۔ اسی لئے جو شخص انکے وعدے یا اقرار کا یقین نہ کرتا تھا اس سے نہایت ناراض ہوتے تھے۔ تفضل حسین خاں مرحوم خلعت دیوان تفضل اللہ خاں سے مرزا نے اپنا دیوان مانگا ہے اور اقرار کیا ہے کہ میں اسکو دیکھ کر داپس بھیج دوں گا۔ انھوں نے دیوان کے دینے سے انکار کیا ہے۔ ان کے انکار کے جواب میں مرزا لکھتے ہیں "دیکھیں صاحب! یہ چچا بھیجتا ہوتا تو شاگردی و استادی سب پر پانی پھر گیا؟ اگر کوئی ہزار پانسو کی چیز ہوتی اور میں تم سے مانگتا تو خدا جانے تم کیا غضب دھاتے؟ میرا کلام! خرید آٹھ دس روپے کی! سودہ بھی میں یہ نہیں کہتا کہ مجھکو دس ڈالو، تمکو مبارک رہے، مجھکو ستار دے، میں اسکو دیکھ لوں، جو میرے پاس نہیں ہے اسکی نقل کروں، پھر تم کو داپس بھیج دوں، اس طرح کی طلب پر نہ نیا دلیل اسکی ہے کہ مجھکو جبروتا جانتے ہو، میرا اعتبار نہیں، یا یہ کہ مجھکو تار دینا اور سانا بدل منظور ہے۔ وہ کتاب ابھی میرے آدمی کو دیدو۔ بالشد اللہ میں انھیں سے جو میرے پاس نہیں ہے نقل کر کے بھیج دوں گا۔ اگر نکودہ آپس نہ دوں تو مجھے لعنت، اور اگر تم میری قسم کو نہ مانو اور کتاب حاصل نہ کرو تو نکودہ تو نکودہ آفریں"

اسی طرح ایک خط میں نواب علاؤ الدین خاں کو لکھتے ہیں

"جست مرگ دے بدتر از گمان تو نیست"

مگر لکھ چکا ہوں کہ قصیدے کا مسودہ میں نے نہیں رکھا، مگر لکھ چکا ہوں کہ مجھے یاد نہیں کون سی رباعیاں مانگتے ہو، پھر لکھتے ہو کہ رباعیاں بھیج، قصیدہ بھیج، سنی اسکے یہ کہ تو جھوٹا ہے، ابکے تو مقرر بھیجے گا۔ بھائی قرآن کی قسم! انجیل کی قسم، تورات کی قسم، زبور کی قسم، ہنود کے چار بیڑی

شتم، دساتیر کی قسم، زند کی قسم، پازند کی قسم، آساک کی قسم، گرو کے گرتھ کی قسم، نہ میرے پاس وہ قصیدہ
نہ مجھے وہ رباعیاں یاد، کلیات کے باب میں جو عرض کر چکا ہوں ۵

برہانم کہ استیم و ہسماں خواہ بود

مرزا کی اسی راستبازی کا سبب تھا کہ وہ کوئی کام چھپا کر نہیں کرتے تھے۔ جودل میں تھا وہی زبان
پر تھا۔ جو غلوں میں کرتے تھے وہی جلوت میں بھی کرتے تھے۔ پس اگر ان میں کوئی عیب تھا تو وہی تھا
جسکو ہر کس و ناکس جانتا تھا؛ مخفی عیبوں سے وہ بالکل پاک تھے

وہ اس خیال سے کہ ان کے کلام کی قدر کرنے والے بہت کم تھے اکثر تنگ دل رہتے تھے۔ چنانچہ
اس بات کی انھوں نے فارسی اور اردو نظم و نثر میں جا بجا شکایت کی ہے ایک روز قلعے سے سید سے
نواب مصطفیٰ خاں کے مکان پر آئے؛ اور کہنے لگے کہ ”آج حضور نے ہماری بڑی قدر دانی فرمائی۔ عید
کی مبارکباد میں قصیدہ لکھ کر لے گیا تھا؛ جب میں قصیدہ پڑھ چکا تو ارشاد ہوا کہ ”مرزا تم پڑھتے بہت
خوب ہو،“ اسکے بعد نواب صاحب اور مرزا زمانے کی ناقدر دانی پر دیر تک افسوس کرتے رہے۔

مہر خیر و زمیں اس مضمون کو کہ میں نے اپنا کمال شاعری محض ناقدر دانوں کی مدح سرائی میں صرف
کیا وہ ایک جگہ اس طرح بیان کرتے ہیں ”سینہ من فتنے داشت بہ رواں آسائی نسیم کہ از نثر ناز
و زود؛ زبایں زودہ من۔ کہ دم جز بہ نایاست نہ ز دم۔ بیان مراطلے بود بہ ذبلہ باری ابرے
کہ از قبلہ خیزد؛ بیدہ کوش من۔ کہ باران بشورہ زار فروریم“، یہی وجہ تھی کہ جب حسن اتفاق
سے ان کو کوئی سخن سنا اور سخن فہم میرا جاتا تھا تو اسکو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھتے تھے۔ منشی
نبی بخش حقیر تخلص۔ جو ایک زمانے میں کول میں سررشتہ دار تھے، اور علی سخن فہمی اور سخن سنجی کی

نہایتی
کی نشانی

گن فہمی
منشی نبی بخش

بڑے بڑے لوگوں سے تعریف سنی گئی ہے۔ کیس وہ دلی میں آئے ہیں؛ اور مرزا کے مکان پر ٹھہرے ہیں
ان کی نسبت منشی ہر گویا پل قفہ کو ایک فارسی خط میں لکھتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ ”خدا نے میری
بکیسی اور تنہائی پر رحم کیا؛ اور ایسے شخص کو میرے پاس بھیجا جو میرے زخموں کا مرہم، اور میرے درد
کا دواں اپنے ساتھ لایا؛ اور جس نے میری اندھیری رات کو روشن کر دیا۔“ اس نے اپنی باتوں سے
ایک ایسی شمع روشن کی جسکی روشنی میں میں نے اپنے کلام کی خوبی۔ جو تیرہ بجتی کے اندھیرے میں خود
میری نگاہ سے مخفی تھی۔ دیکھی۔ میں حیران ہوں کہ اس فرزانہ بگاہ میں منشی نبی بخش کو کس درجے کی فہمی
اور سخن سنجی عنایت ہوئی ہے؛ حالانکہ میں شعر کہتا ہوں اور شعر کہنا جانتا ہوں؛ مگر جب تک میں نے اس
بزرگوار کو نہیں دیکھا یہ نہیں سمجھا کہ سخن فہمی کیا چیز ہے؛ اور سخن فہم کہلو کہتے ہیں؟ مشہور ہے کہ خدا نے
حسن کے دو حصے کئے؛ آدھا دوست کو دیا اور آدھا تمام نبی نور انسان کو۔ کچھ تعجب نہیں کہ فہم سخن اور
ذوق سخن کے بھی دو حصے کئے گئے ہوں اور آدھا منشی نبی بخش کے اور آدھا تمام دنیا کے حصے میں آیا ہو
گو زمانہ اور آسمان میرا کیسا ہی مخالفت ہو ہیں اس شخص کی دوستی کی بدولت زمانے کی دشمنی سے بے فکر
ہوں؛ اور اس نعمت پر دنیا سے قانع۔

مرزا پر جب شعر کے متعلق کوئی ایسی فرمائش کی جاتی تھی جو ان سے آسانی سرانجام نہ ہو سکتی تھی
تو وہ اس بات کا کچھ خیال نہ کرتے تھے کہ میری شاعری کی شہرت و ناموری پر حزن آئیگا؛ بلکہ صاف
لکھ بھیجتے تھے کہ میری طاقت سے باہر ہے۔ ایک بار غالباً مجتہد العصر سید محمد صاحب مرحوم و مغفور نے
مرزا سے اس بات کی خواہش کی کہ اردو میں جناب سید الشہداء کا مثنوی لکھیں۔ چونکہ مرزا انکی بہت
تعمیم کرتے تھے اور انکے سوال کو رد کرنا نہیں چاہتے تھے ان کے حکم کی تعمیل کے لئے مثنوی لکھنے بیٹھے۔ چونکہ

اس کوپے میں کبھی قدم نہ رکھا تھا، اور فرمائش ایسی چیز کی ہوتی تھی جسکو اور لوگ صد کمال تک پہنچا چکے تھے، اور قوسے میں انخلا شروع ہو گیا تھا؛ شکل سے سندس کے تین بند لکھے جنہیں سے پلا بند ہجو یاد ہے اور یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

ہاں اسے نفس بادِ سحر شعلہ نشاں ہو اسے دجلہ خوں چشمِ ملائک سے رواں ہو
اسے زمرہ رقم لبِ عیسیٰ پہ فناں ہو اسے ماتیان شبہ معلوم کہاں ہو

بگڑی ہے بہت بات بنائے نہیں نبی

اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں نبی

ایک یہ اور دو بند اور لکھ کر جہند العصر کی خدمت میں بھیج دیے، اور صاف لکھ بھجا کہ ”یقین بند مرصفت و تشال امر کے لئے لکھے ہیں؛ در تہ میں اس میدان کا مد نہیں ہوں؛ یہ ان لوگوں کا حصہ ہے جنہوں نے اس وادی میں عرسِ مہر کی ہیں، لکھو ان کے درجے تک پہنچنے کے لئے ایک دوسری غمزدگار ہے۔ پس مجھے اس خدمت سے معذور و معاف رکھا جائے“ ان کا قول تھا کہ ہندوستان میں انیس اور دہر جیسا مرثیہ گو نہ ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا۔

بعض اوقات ایسی فرمائشوں سے شکے سرانجام کرنے میں ان کو دقت اٹھانی پڑتی تھی جسے لطف کے ساتھ پہلو بچاتے تھے۔ یہ بات معلوم ہے کہ آؤ تاریخ نمائے سے وہ ہمیشہ گہرائے سحر سے

ایک بار نواب علاؤ الدین خاں مرحوم نے اپنے لشکے کی ولادت کی تاریخ اور اسکے تاریخی نام کی فرمائش کی اسکے جواب میں لکھتے ہیں ”شیر اپنے بچوں کو شکار کا گوشت کھلاتا ہے، طریق میدانِ فکری سکھاتا ہے، جب جوان ہو جاتے ہیں آپ شکار کرکھاتے ہیں۔ تم غمزدہ ہو گئے، حسنِ طبع خدا داد رکھتے ہو۔ دلاور فوج کی

تاریخ کیوں نہ کہو؟ اسم تاریخی کیوں نہ نکال لو؟ کچھ پیر غمزدہ دل مردہ کو تحلیف دو۔ علاؤ الدین خاں تیری جان کی قسم! میں نے پہلے لشکے کا جو اسم تاریخی نظم کر دیا تھا، اور وہ لڑکا نہ جیا، لکھو اس دم نے گھیرا ہے کہ وہ میری غمزدہ دل کی تاثیر تھی۔ میرا مدوح جیتا نہیں؛ نصیر الدین حیدر، اور احمد علی شاہ ایک ایک قصیدے میں جل دیے۔ واجد علی شاہ تین قصیدوں کے منتقل ہوئے؛ پھر نہ سنبھل سکے۔ جبکہ مرصع میں دس میں قصیدے لکھے وہ عدم سے بھی پرے پہنچا۔ ناما صاحب دہائی خدا کی! میں نہ تاریخ ولادت کہوں گا، نہ نام تاریخی ڈھونڈھو گا۔

بادوجودیکہ مرزا کی تمام عمر قصیدہ گوئی اور مرصع سرائی میں گذری، اور اکثر ایسا اتفاق ہوا کہ مرصع شائش کا صلہ ان کو کچھ نہیں ملا، اور جو محنت اور کاوش ان کو قصیدوں کی ترتیب میں کرنی پڑی وہ سب رائجاں گئی؛ مگر انھوں نے کسی کی ہجو میں کوئی قطعہ یا قصیدہ کبھی نہیں لکھا۔ مرصع ایک قطعہ جو مرزا کے مطبوعہ کلیات میں درج نہیں ہے۔ لکھو ان کے قلمی مسودات میں دستیاب ہوا ہے۔ جو میرے دوست اور مرزا صاحب کے عزیز شاگرد دلالہ باری لال مشتاق دہلوی نے اس کتاب کے لکھے وقت میرے پاس بھیجے ہیں۔ اس قطعہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے ایک امیر کی مرصع میں ایک فارسی قصیدہ مع وضاحت کے ارسال کیا ہے، اور اس کا جواب دراز تک مرزا کو نہیں ملا؛ تب مرزا نے بطور تقاضے کے یہ قطعہ بھیجا ہے۔ جسکو شکل سے ہر طبع کا جاسکتا ہے۔ چونکہ اس قطعہ کا مضمون لطف سے خالی نہیں اس لئے ہم اول اس کا خلاصہ اردو زبان میں لکھتے ہیں؛ اسکے بعد قطعہ عینہ نقل کیا جائیگا۔

قطعہ کا حاصل یہ ہے کہ میں نے عقل سے بوجھا کر میں نے ایسا اور ایسا قصیدہ نواب کی خدمت میں

بھیجا تھا، اور اس کے ساتھ عرضداشت بھی گزرائی تھی؛ پھر کیا سبب ہے کہ جواب عنایت نہیں ہوا؟
کیا نواب مجھے آزدہ ہو گیا؟ اگر یہ بات ہے تو میں نے ناحق توقع کی تھی۔ خدا جانے میں نے کیا کھدیا
ہو گا جس پر نواب کو آزدہ لگی ہوئی۔ عقل نے کہا تو کیوں گھبراتا ہے؟ نواب جس ساز و سامان کے ساتھ صلہ
بھیجنا چاہتا ہے وہ جلدی فراہم نہیں ہو سکتا۔ اُسے بہت دن سے حکم دے رکھا ہے کہ دشمن سے دیا،
ردم سے غل، معدن سے الماس، کان سے سونا، دکن سے ہاتھی، پہاڑ سے نر، عواق سے گھوڑا،
دریا سے موتی، نیشاپور سے فیروزہ، بدخشاں سے یاقوت، بغداد سے ساڑنی، اصفہاں سے تھوڑا کتیرے
پشمینہ، ایران سے زربفت، یہ سب چیزیں فراہم کر کے لائیں؛ تب غالب کو صلہ بھیجا جائے۔ پس جبکہ یہ
ساری ڈھیل اس وجہ سے ہے تو اس کو نواب کی آزدہ لگی کی دلیل نہ سمجھنا چاہیے۔ جب عقل نے مجھ کو یہ دم دیا
تو میری تمام یاس و ناامیدی امید کے ساتھ بدل گئی۔ میں نے بھی اپنے دل میں کہا کہ جب ممدوح میرے
لئے یہ کچھ کرنا چاہتا ہے تو میں بھی اس کے لئے آئینہ اور تاج سکندر سے، انگشتری اور تخت سلیمان سے، جاشم
عالم غیب سے، آب حیراں شہرہ فخر سے، عرابہ، قشاد جاوید، دل کی قوت، ایمان کی مضبوطی اپنے خدا
سے، اور اپنی عظمیٰ کا جواب اور قصیدے کا صلہ ممدوح سے کیوں نہ مانگوں۔

قطع

گفتہ مجروح و غلوت انس	کاسے شمع و چراغ ہفت ایوان
آیا زچہ زو بود کہ نواب	نوشت جواب نامہ ام - ہاں!
اں گونہ عیضہ کہ دانی	درویش نومشتہ سوسے سلطان
اں گونہ قصیدہ کہ گوئی	از صفحہ دیکھہ سبیلستان

ایں ہر دور رسید نیست پیدا	زاں سواثرے بسیج عنواں
رنجید مگر دوح نواب	سے کاشش نگشتے ثنا خواں
ہیمات چہ گفتہ ام کہ باشم	از گفتہ خویشتن پشیمان
عقلم بجواب گفت "غالب!"	ز نسا رخور فریب شیطان
نواب لبیک ارخان است	تا نامہ فرستد باماں
دانا کہ بخاطرش گذشتہ است	زدو آں حسد جمع کرد تو اں
زدو دست کہ جبع نیز گردد	ویرست کہ دادہ است فراں
تا راہ روان مجھ و بر گرد	از نہ بکوشش منہ اداں
دیباز دشت و شمل آزدوم	الماس ز معدن فزادگان
فیصل آزدکن و زرقاد کوہ	توسن ز عسراق و در زنگاں
فیروزہ لغز آزدنشا پور	یا قوت گزیدہ از بدخشاں
جستازہ تیز روز بغداد	شمشیر بربندہ از صفہاں
پشمینہ قیستی ز کشمیر	ز زربفت گراں بہا ایراں
بالجملہ درنگ چوں ازین رست	بر رنج و طال نیست برہاں
چوں پیر حسد بد لغزوی	گفت ایں ہمہ راز ہائے پناں
گشتم بدم امید داری	مہم بہ زخم یاس و حراں
گفتہ کہ چو با من ایں کرم کرد	اں قبلہ و قبلہ گاہ عیاں

ناچار زراہ حق گذاری تاکرہ شد و تلافی آں
من نیز طلب کنم برایش ایں خواہش اگر چہ نیست آساں
آئینہ و تاج از سکہ انگشت و تخت از سلیمان
از عالم غیب جام جمشید از چشم خضرت آب حیاں
عسرا بد و نشاط جاوید نیروی دل و تباہت ارباں
توفیق جواب نامہ خویش توفیق عطا و بذل احساں

مرزا کی بی بی۔ جو الہی بخش خاں معدوت کی بی بی تھیں۔ وہ نہایت متقی پرہیزگار اور نماز روزہ کی سخت پابند تھیں۔ جس قدر مرزا مذہبی معاملات میں بے مبالغہ تھے اسی قدر ان کی بی بی احکام مذہبی کی پابند تھیں؛ میاں تک کہ بی بی کے کمانے پینے کے باسن الگ اور شوہر کے الگ رہتے تھے۔ بائیں ہمدی بی شوہر کی خدمت گذاری اور خدمت گیری میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتی تھیں۔ مرزا صاحب ہمیشہ مردانے مکان میں رہتے تھے مگر ان کے کمانے اور دوا ٹھنڈائی اور بڑا دل وغیرہ کا انتظام سب گھر میں سے ہوتا تھا۔ مرزا میں جب تک چلنے پھرنے کی طاقت رہی ہمیشہ وقت معین پر یکبار وہ گھر میں ضرور جاتے تھے۔ اور بی بی اور ان کے تمام رشتہ داروں کے ساتھ نہایت عمدہ پرتاؤ رکھتے تھے، اور اپنی جان سے بڑھکر ان کی ضروریات اور اخراجات کا خیال رہتا تھا۔ مگر چونکہ شوخی اور غرافت ان کی گھٹی میں ڈھپی تھی ان کی زبان و کلمہ سے بی بی کی نسبت انتہائی باتیں نکل جاتی تھیں بلکہ ناواقف آدمی نفرت یا بے تعلقی پر محمول کر سکتا ہے۔

کسی نے امراد سنگ نام ایک شاگرد کی دوسری بی بی کے مرنے کا حال مرزا کو لکھا، اور اس میں یہ بھی لکھا

کرا کے ننھے ننھے بچے ہیں؛ اب اگر تیسری شادی نہ کرے تو کیا کرے؟ اور بچوں کی کس طرح پرورش ہو؟ مرزا ان کے جواب میں لگتے ہیں "امراد سنگ کے حال پر ان کے واسطے رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے۔ اللہ اللہ ایک وہ ہیں کہ دود و باران کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں، اور ایک ہم ہیں کہ ایک ادب و پچائش برس سے جو بچانسی کا پچند لگے میں پڑا ہے تو نہ پچند ہی ٹوٹتا ہے، نہ دم ہی ٹکتا ہے۔ اسکو سمجھاؤ کہ بھائی تیرے بچوں کو پس پال لیا، تو کیوں پلاس پچنتا ہے، وہ ہمیشہ تعلقات خاں کو پچند پال لیا، ایک محنت مصیبت بنایا کرتے تھے۔

جاڑے کے موسم میں ایک دن طوطے کا بچہ اسانے رکھا تھا۔ طوطا سردی کے سبب پروں میں ٹھنچ پڑ گیا تھا۔ مرزا نے دیکھ کر کہا "دیاں بچو! تمہارے جو رو نہ بچے، تم کس فکر میں ہیں سر ٹھکائے بیٹھے ہو؟

ایک دفعہ مرزا مکان بدلتا چاہتے تھے۔ ایک مکان آپ خود دیکھ کر آئے؛ اسکا دیوان خانہ تو پسند آیا، مگر مجلسا خود نہ دیکھ سکے۔ مگر پراکر ان کے دیکھنے کے لئے بی بی کو بھیجا۔ وہ دیکھ کر آئیں تو ان سے پسند ناپسند کمال پوچھا۔ انھوں نے کہا اس میں تو لوگ بلاتے ہیں۔ مرزا نے کہا کیا دنیا میں آپ سے بھی بڑھکر کوئی بلا ہے؟

یہاں مرزا کا ایک قلعہ اور ایک باغی مقصدا مقام کے موافق لکھی جاتی ہے

گیر کہ در در و حشر چوں تو نیستی بر سر دوزخ نمنند تیسرہ شنبین

لیک نباشد در ایضین مصیبت و طلب بران و جاہ کشش از زن

لیک نباشد در ایضین مصیبت و طلب بران و جاہ کشش از زن

اے اں کہ براہ کعبہ دے داری دائم کہ گزیدہ اگر دوسرے داری

زین گو نہ کہ تمدی خرامی - دائم در خانہ زرنے ستیزہ خوسے داری

مرزا اپنی شوخی طبع کے ماتھے سے مجبور تھے، اور کسی موقع پر غرض طبعی کرنے سے نہ چوکتے تھے۔

مرزا انکی بخش خان معروف۔ جبکہ تقدس اور بزرگی کے سبب انکے بڑے بھائی زانو سے ادب نہ کر کے انکے سامنے بیٹھے تھے، اور جو مرزا کے خسر ہونے کے سبب انکے قبلا رکھ دیے تھے۔ ان کے انکے بھی مرزا اپنی شوخی سے باز نہ آتے تھے۔ وہ لوگوں کو مرید بھی کیا کرتے تھے، اور جب بہت سے مرید ہو جاتے تھے تو ان کو اپنے سلسلے کے تمام مشائخ کا شجرہ لکھوا کر ایک ایک کاپی سب کو تقسیم کیا کرتے تھے۔ انھوں نے مرزا کو شجرہ دیا کہ اپنی نقل کر دو۔ آپ نے شجرہ کی نقل اس طرح کی کہ ایک نام لکھ دیا دوسرا حذف کر دیا تیسرا پھر لکھ دیا چوتھا پھر ساقط۔ غرض کہ اس طرح بہت سے حذف و اسقاط کر کے نقل اور اصل جا کر انکے حوالے کی۔ وہ دیکھ کر بہت تھا ہونے کہ یہ کیا غضب کیا؟ مرزا نے کہا حضرت! آپ اس کا کچھ خیال فرمائیے؟ شجرہ دراصل خدا تک پہنچنے کا ایک زریعہ ہے، سوزینے کی ایک ایک سیڑھی اگر چہ جس سے غمال دیکھائے تو چنداں صبح واقع نہیں ہوتا، آدمی ذرا اچک اچک کر اوپر چڑھ سکتا ہے۔ وہ پتھر بہت بڑبڑ ہوئے، اور وہ نقل بجا ڈالی اور کسی اور شخص سے اسکی نقل کرائی، اور مرزا ہمیشہ کے لئے اس تکلیف سے بچوٹ گئے۔

مرزا یا تو اسوجہ سے کہ ان کی زندگی فی الواقع مصائب اور سختیوں میں گزری تھی، اور یا اس لئے کہ ان پر ظالم حالتوں کا بہت زیادہ اثر ہوتا تھا، آخر عمر میں موت کی بہت آندو کیا کرتے تھے۔ ہر سال اپنی وفات کی تاریخ نکالتے اور یہ خیال کرتے کہ اس سال ضرور مر جاؤں گا۔

مشہور اجری میں انھوں نے اپنے مرنے کی تاریخ یہ کہی کہ "غالب مراد" اس سے پہلے کئی بار غلط ہو چکے تھے۔ منشی جو اہرنگ جو ہر شخص جو مرزا مصائب کے مخصوصین میں سے تھے ان سے مرزا مصائب نے اس بات سے ذکر کیا۔ انھوں نے کہا حضرت! انشاء اللہ یہ مادہ بھی غلط ثابت ہو گا۔ مرزا نے کہا

"دیکھو صاحب تم ایسی خال مند سے نہ نکلو، اگر یہ مادہ مطابق نہ نکلا تو میں سرخوڑ کر مر جاؤں گا۔"

ایک دفعہ شہر میں سخت وبا پڑی۔ میرمدی میں مجروح نے دریافت کیا کہ حضرت! وبا شہر سے دفع ہوئی یا ابھی تک موجود ہے؟ انکے جواب میں لگتے ہیں "بھئی کیسی دبا؟ جب ایک شہر برس کے بتھے اور شہر برس کی بڑھیا کو نہ مار سکے تو قوت برس دبا! اسی قسم کی اور بہت سی باتیں اور کھائیں ان سے منقول ہیں۔ جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ آخر عمر میں مرنے کے کس قدر اندر دمنہ تھے۔

مرنے سے کئی کئی برس پہلے سے چلنا پھرنا بالکل موقوف ہو گیا تھا۔ اکثر اوقات پٹنگ پر پڑے رہتے تھے۔ غذا کچھ نہ رہی تھی۔ چھ چھ سات سات دن میں اجابت ہوتی تھی۔ مٹت چوکی پٹنگ کے پاس ہی کسی قدر اوچھل میں لگی رہتی تھی۔ جب حاجت معلوم ہوتی تھی تو پردہ ہوجاتا تھا۔ آپ بغیر استسنا کسی نوکر چاکر کے کپڑے اتار کر میٹھے ہی میٹھے کھسکتے ہوئے چوکی پر پہنچتے تھے۔ پٹنگ پر چوکی تک جانا، چوکی پر چڑھنا، چوکی پر دیر تک بیٹھے رہنا، اور پھر چوکی سے اتر کر پٹنگ تک آنا، ایک جڑی سترل ملے کرنے کے برابر تھا۔ مگر غرضوں کے جواب اس حالت میں بھی برابر۔ یا خود پٹنگ پر پڑے پڑے لگتے تھے، یا کسی دوسرے آدمی کو بتاتے جاتے تھے، وہ لکھتا جاتا تھا۔

مرنے سے چند روز پہلے بیہوشی جاری ہو گئی تھی۔ پھر پھر دو دو پہر کے بعد چند منٹ کے لئے افادہ ہوجاتا تھا، پھر بیہوش ہوجاتے تھے۔ میں بعد انتقال ہو گا اس سے شاید ایک دن پہلے میں انکی عبادت کو لیا تھا، اسوقت کئی پہر کے بعد افادہ ہوا تھا۔ اور نواب علاؤ الدین احمد خاں مرحوم کے خط کا جواب لکھا رہے تھے۔ انھوں نے لوہارو سے حال پوچھا تھا، انکے جواب میں ایک فقرہ اور ایک فارسی شعر جو غالباً شیخ سعدی کا تھا لکھوا یا۔ فقرہ یہ تھا کہ "میرا حال مجھے کیا پوچھتے ہو؟ ایک آدمی روز میں مہایوں سے پوچھتا، اور شوکا

پہلا مصر مجھے یاد نہیں رہا دوسرا مصر یہ تھا دیکھو ہمدان امین سر تو سلامت، مرنے سے پہلے اکثر شعر
دروزیوں رہتا تھا "دوم دیس بر سر راہ ہے غزیرا اب العشری اللہ ہے"

آخر ذیقعد ۱۱۳۲ ہجری کی دوسری اور دوسری شمس کی پندرہویں کو تشرین اول چار مہینے کی عمر میں
دنیا سے رحلت کی، اور درگاہ حضرت سلطان نظام الدین قدس سرہ میں اپنے خسر کے پائین خزانہ دفن کئے گئے۔
انکی وفات کی تاریخیں جو مدت تک ہندوستان کے اردو اخباروں میں چھپی ہیں دگنی اور شمار سے باہر ہیں، صرف
ایک ہی تاریخ جیسے دہلی بارہ آدمیوں کو قرار دیا۔ یاد رکھنے کے قابل ہے (یعنی آہ غالب برد) جسکو مختلف لوگوں نے
مختلف طور پر قطعات میں تقسیم کیا تھا۔ تاریخوں کے علاوہ مرزا قربان علی بیگ سالک، میر صدیقی حسین مجروح، اور توفیق
کاشانی نے اردو میں اور قسطنطنیہ ہر گز پال تفتہ نے فارسی میں، مرزا اکبر ثانی بھی لکھے تھے۔ جو اسی زمانہ میں چھپ کر شائع ہو گئے تھے۔
مرزا کے جنازے پر جب کہ دہلی دروازے کے باہر نماز پڑھی گئی۔ راقم بھی موجود تھا، اور شہر کے اکثر علماء اور
ممتاز لوگ جیسے نواب فیض الدین احمد خاں، نواب محمد مصطفیٰ خاں، ملک حسن اللہ خاں وغیرہ، اور سب سے
اہل سنت اور امامیہ دونوں فرقوں کے لوگ جنازے کی شایعت میں شریک تھے۔ سید صفدر سلطان نیز پوری
محبوب خاں نے نواب فیض الدین احمد خاں مرحوم سے کہا کہ مرزا صاحب شیعہ تھے، بلکہ اجازت ہو کہ ہم
اپنے طریقے کے موافق انکی تجزیہ و تکفین کریں۔ مگر نواب صاحب نے نہیں مانا، اور تمام مراسم اہل سنت کے
موافق ادا کئے گئے، آپس میں شک نہیں کہ نواب صاحب سے زیادہ انکی اہلی مذہبی خیالات سے کوئی شخص واقف نہیں
ہو سکتا تھا، بلکہ ہمارے نزدیک بہتر ہوتا کہ شیعہ اور سنی دونوں ملک یا علیحدہ علیحدہ انکے جنازے کی نماز پڑھتے اور صلیب پر لگا
میں اٹکا دیتا، سنی اور شیعہ دونوں کے ساتھ یکساں رہا تھا، صلیب مرثیہ کے بعد بھی دونوں فرقوں کی حق گواری میں یکساں تھے
مرزا صاحب کے شاگرد اطراف ہندوستان میں پشمار تھے، انکی وسعت اخلاق اور عام رضا جوئی نے

بانی
دفن

فرائض
کی ناز

کثر
کثر

یہ دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا۔ جو شخص اصلاح کے لئے انکے پاس غزل بھیجتا تھا ممکن نہ تھا کہ وہ
انکے خط کا جواب اور انکی غزل میں اصلاح دیکر نہ بھیجیں۔ اگرچہ مرزا کی فطرت شاعری میں اپنے
طبقے کے لوگوں سے اس قدر بلند واقع ہوئی تھی کہ وہ کسی شاعر کو اپنے ساتھ ساتھ نہیں
لے چل سکتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے خود ایک غزل میں اس معنوں کی طرف اشارہ کیا ہے؛ وہ کہتے ہیں

ماہانے گرم پروازم فیض از ابروے سایہ بچون دود بالا میرود از بال ما

بالیمہ اہل دہلی دونوں دہلی میں چند اصحاب جو مرزا کے فیض صحبت اور مشورہ سخن سے زیادہ مستفید
ہوئے تھے انکے ارشد تلامذہ سمجھے جاتے تھے؛ جیسے نیررخشان، عارف، سالک، مجروح،
علائی، تفتہ وغیرہ۔ انکے سوا خاص اہل دہلی میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو عرفاً مرزا کے شاگرد
نہیں سمجھے جاتے تھے لیکن درحقیقت انکے شاگرد منوی تھے؛ جیسے نواب مصطفیٰ خاں مرحوم، جنہوں
نے مومن خاں مرحوم کی وفات کے بعد ہمیشہ اپنا کلام فارسی ہوا اردو مرزا ہی کو دکھایا۔ یا
جیسے سید غلام علی خاں مرحوم تخلص جو مرزا کے مدد سے زیادہ ماننے والے اور مقتدا اور انکی
صحبت سے مستفید رہے تھے۔ مرزا نے انہیں دونوں صاحبوں کی طرف اپنی ایک اردو غزل کے
مطلع میں اشارہ کیا ہے اور کہا ہے

صاحب دلی کے استاد لوگوں میں تھے انکے دارالکلام سید فرحت اللہ خاں تھا اور مولانا رشید الدین خاں مرحوم کے داماد تھے تفسیر
علم و فضل کے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں نہایت خوش بیان اور شوخا مذاق اعلیٰ درجے کا رکھتے تھے اول سرکار لاہور میں
کلام ہے پھر لاہور میں فوجدار ہو گئے پھر گھنٹوں نواب حیدر الدود مرحوم نائب وزیر کے توسط سے کران سے قربت قریب رکھنے لگے
ایک مرتبہ خدمت پر جنازہ ہو گئے وہاں سے پھر لاہور چلے آئے تھے اور غدرنگ رہیں رہے غدرنگ کے بعد اخیر غدرنگ سرشت سے غلیظ
منسلک رہے اور نواب مصطفیٰ خاں مرحوم انکی ہر حال میں مدد کرتے رہے ۱۲

دشت و شیفہ اب فریہ لکھیں شاید مرگیا غالب آشتہ ناکتے ہیں

یہ دونو صاحب باہر گر نہایت گہری دوستی رکھتے تھے؛ یہاں تک کہ انکی دوستی عشق کے درجے تک پہنچ گئی تھی۔ ایک دفعہ جبکہ راقم بھی جہانگیر آباد میں موجود تھا سید غلام علی خاں مرحوم نواب صاحب سے ملنے کو آئے ہوئے تھے اور مرزا صاحب نے بھی ان کا یہاں آنا سن لیا تھا۔ انھیں دونوں میں مرزا کا خط نواب صاحب کے نام آیا۔ انھیں خاں صاحب کو بھی سلام لکھا تھا اور اخیر میں آغا خان کے مشورے سے پہلا مصرع اس طرح بدل کر لکھا تھا

”چو با صیب نشینی دچا ہے پیائی بیاد آرزو یغان بادہ پیارا“

ایک عزیز نے یہ لطیفہ سن کر کہا کہ خواجہ حافظ کے اس شعر میں اس قدر لطافت نہ تھا جیسا کہ اس موقع پر مرزا صاحب کے اس تعریف سے انھیں لطافت پیدا ہو گیا۔

مرزا صاحب کے ان شاگردوں کا حال جبکہ نام کے بہت سے خطوط اردو سے معلوم ہوا۔ عموماً ہندی میں مرزا کے لکھے ہوئے موجود ہیں یہاں لکھنے کی مزدورت نہیں؛ اس لئے ہم مرزا کے دو صاحبوں کا مختصر ذکر اس مقام پر لکھتے ہیں ایک نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم اور دوسرے نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کہ غالباً ان دونوں بزرگوں میں سے کسی کے نام کا کوئی خط مرزا کے اردو مکاتبات میں نہیں ہے جس سے ان کی خصوصیت مرزا صاحب کے ساتھ خاص عام کو معلوم ہو۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں جو فارسی میں تیر اور اردو میں رخشال تخلص کرتے تھے۔

قطع نظر کمال شاعری و اقتدار پر داری کے تاریخ، جغرافیہ، علم انساب، علم اسے رجال تحقیق تھا۔

۴۰۰ میں نے صاحبانہ شریعہ مجتہب تھے اور مرزا نے تھے اس لئے انکی نسبت چاروں کو اپنی نسبت اور یہاں غلط کیا۔

اور جنرل انفورمیشن (عام واقفیت) میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اگرچہ انھوں نے فنونِ کورٹ میں کوئی مستقل تصنیف اپنے نام سے نہیں چھوڑی؛ لیکن اکثر مصنفین ان سے مدد لیتے تھے اور جو شکل پیش آتی تھی انھیں ان سے مشورہ کرتے تھے؛ خصوصاً الیٹ صاحب نے جو ہندوستان کی تاریخ کی جلدوں میں لکھی ہے اسکی تصنیف و ترتیب میں نواب مرحوم نے بے انتہاء مدد پہنچائی تھی جس کا حقیقت نے اپنی کتاب کے دیباچے میں خود اعتراف کیا ہے۔

چونکہ نواب مرحوم اہل کمال کے عاشق تھے اور خاص کر مرزا صاحب سے انکی حقیقی چاچا زاد بہن منسوب تھیں اس لئے مرزا کے ساتھ انکو خاص تعلق تھا۔ وہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکر شو کرتے تھے؛ مگر زیادہ تر فارسی نظم و نثر لکھتے تھے اور مرزا کے قدم بقدم چلتے تھے۔ مرزا نے جو ایک قصیدہ نہایت لطیف و لطیف نواب مرحوم کی شان میں لکھا ہے اور جس میں انکا استاد ہونے پر فخر کیا ہے اس کے کچھ اشعار مختلف مقامات سے اقتطاع کر کے یہاں لکھے جاتے ہیں

صد آفتاب توں ساختن باز بچو	ز ذرۂ کہ بود در ضیاء تیر من
نایں سپہر و نایں مہر عالمے در گشت	من آسمانم و او مہر نور گشت من
من آں سپہر کو دام چنانکہ مہر بیاہ	بہ ہمسہر نور دہد نیت بہر نور من
من آں سپہر کہ ہر دم رسد علیہ فیض	بہ سجد اکبر گردوں ز سجد اصغر من
منم خزینہ راز و در جزئیہ سر راز	ضیاء کے دین محمد کہیں برادر من
برین و دانش و دولت یگانہ اتفاق	بہ ہمسہر کتر و از دوسرے تیر بہتر من
بہ ہر دل بہر برادر دم نہ یعقوب کم	کہ چہر خویش بود دستان دلبر من

سخن ہر اسے نو آئیں فو اسے رانا نام
 بنالہ ہم نفس من یہ شور ہمسر من
 بہ نکتہ شبیوہ شاگرد من بہن ماہست
 صنم بصورت خود سے تراشا آذرین
 اگر چہ دوست اسطو دمن من ملامت
 بود بہ پایہ اسطو سے من سکندرین
 زمین کو سے مرا آسماں کند ہر صبح
 طلوع نیر روشیں ز طون نظر من
 اگر شوم بپیش آتشے شرارہ قشاں
 شود بقاعدہ احمدی سمندرین
 بجز گر قدم رہ۔ بود سفینہ بن
 پخت گرو دم رای۔ گرد و آتش من
 بہ ہر دوست و ہم دل۔ نشاط خاطر من
 بہ کین خشم نیم خج ہوا سے لشکر من
 گرم ز غفہ تہ گشتہ کار۔ مونس من
 درم زکار فردماندہ دست۔ یاد من
 زہے زور سے تو پیدا فروغ دانش دوا
 بدیں فروغ۔ جہاں تاب گشتہ آفرین
 ز تو کہ آئینہ فیض صحبت آوئی
 ہوا سے دیدن غالب فکادہ درین
 مرا ستودی و گفتی کہ من الزان توام
 فدائے آن تو بادا افسل واکثرین
 سعادت و شرف چون منے بغیر کمال
 نہ بیس بود کہ بود چوں تو کئے ناگزین

نواب محمد مصطفیٰ خاں مرحوم جو فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفہ تخلص کرتے تھے اگرچہ
 مرزا کے تلامذہ میں شمار نہیں ہوتے تھے بلکہ جیسا کہ مومن خاں مرحوم زندہ رہے انھیں سے
 مشورہ بہن کرتے رہے لیکن خاں مرحوم کی وفات کے بعد رختہ اور فارسی دونوں زبانوں میں
 وہ برابر مرزا کو اپنا کلام دکھاتے تھے اور اگر ہمارا قیاس غلط نہ ہو تو مرزا کے بعد ان کے معاصرین سے

سلسلہ معلوم تھا کہ مرزا کی عیسیٰ کوئی قصیدہ لکھا تھا جسکی طرت ان دونوں میں اشارہ ہے ۱۲

کسی کی فارسی غزل انکی غزل سے لگا نہیں کھاتی مگر ادھر مرزا جیسا کہ مذاق انکی طبیعت میں پیدا کیا گیا
 تھا ویسا بہت ہی کم دیکھنے میں آیا ہے لوگ انکے مذاق کو شعر کے حسن و قبح کا معیار جانتے تھے۔ انکے
 سکوت سے شاعر کا شعر خود اسکی نظر سے گرجا تھا اور ان کی تحسین سے اسکی قدر بڑھ جاتی تھی۔ یہی
 وجہ تھی جنکی نسبت مرزا غالب فرماتے ہیں

غالب بن گفتگو نازدیں از دل کہ او
 تنوشت در دیوان غزل مصطفیٰ خاں خوش کرد
 نواب مرحوم کی شان میں بھی مرزا کا ایک فارسی قصیدہ انکے دیوان میں موجود ہے جس میں
 اول فقرہ تشبیب لکھی ہے فقرہ اشعار لکھتے لکھتے کہتے ہیں

دست رد بہ تلج قیصر سے نغم
 پشت پا بہ پخت خاقاں سے زغم
 خردہ سے گیرندہ بر من قدسیاں
 گر نفس در برج سلطان سے زغم
 آں ہما سے تیز پروازم کہ بال
 در ہوا سے مصطفیٰ خاں سے زغم
 عینی و خاتما نیش منہاں پندیر
 سیکہ در شیراز و شیراں سے زغم
 او خرامد مسرت و من جاوش واد
 بانگ براجرام واکاں سے زغم
 گلشن کولیش گذر گاہ منست
 دوشش در فتن پڑواں سے زغم
 خوبی خولیش بہ آمو ز منست
 دم زبیری سے زغم ہاں سے زغم
 مہر وزی ہیں کہ با ششم ہمیش
 من کردا نویش دریاں سے زغم
 بشنو دے آئندہ باداں را بزد
 نالہ گرد و گنج زبداں سے زغم
 بنگر دے آئندہ کلک آں را کشد
 نقش گر بر صفحہ جہاں سے زغم

دوسرا حصہ

مرزا کے کلام پر ریویو اور اس کا انتخاب

مرزا کے کلام پر ریویو کرنا، اور اس کی حقیقت لوگوں کے ذہن نشین کرنی۔ ایک ایسے زمانے میں جبکہ فارسی زبان ہندوستان میں بمنزلہ مردہ زبان کے ہو گئی ہے اور ذوق شعر روز بروز کافر ہوتا جاتا ہے۔ ایک نہایت مشکل کام ہے مرزا کے کلام میں جو چیز سب سے زیادہ گراں قدر ہے وہ انکی فارسی نظم و نثر ہے۔ لیکن اول تو فارسی زبان سے ملک میں عام اچھیتی پائی جاتی ہے؛ دوسرے مرزا کے کلام میں بعض خصوصیتیں ایسی ہیں جن لوگوں کے مذاق بالکل نا آشنا ہیں۔ پس جو شخص اس زمانے میں ان کے کلام پر ریویو کرنا اور اس کے ذریعے سے مصنف کی حقیقت اور اس کا رہنما ہونا چاہتا ہے وہ حقیقت ایک ایسے کام کے درپے ہے جس میں کامیابی کی بہت ہی کم امید ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر کچھ ایسا ہے تو اسی صورت میں ہے کہ کچھ کیا جائے؛ نہ یہ کہ کام کی مشکلات پر نظر کر کے اس سے ہاتھ اٹھا لیا جائے۔

دفع عنہم نیت جز بعنہم خوردن چارہ کار نیست جستہ کردن

مرزا کی شاعری اکتسابی نہ تھی بلکہ انکی حالت پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ملک ان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا۔ انھوں نے۔ میسا کہ اپنے فارسی دیوان کے خاتمہ میں تصدیق کی ہے۔ گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ اسی زمانے میں انھوں نے فارسی میں کچھ اشعار بطور غزل کے موزوں کئے تھے؛ جنکی روایت میں کہ چہ بیا سے مینی چہ کے استعمال کیا تھا۔ جب انھوں نے وہ اشعار اپنے استاد شیخ معظم کو سنائے تو انھوں نے کہا کہ یہ کیا مصل روایت اعتبار کی ہے؟ ایسے بے معنی شعر کہنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ مرزا یہ سنکر خاموش ہو رہے۔ ایک روز ظنا بطوری کے کلام میں ایک شعر انکی نظر پڑ گیا جسکے آخر میں لفظ کہ چہ مینی چہ کے معنی میں آیا تھا۔ وہ کتاب لے کر دوڑے ہوئے استاد پاس گئے اور وہ شعر دکھایا شیخ معظم اسکو دیکھ کر حیران ہو گئے؛ اور مرزا سے کہا کہ فارسی زبان سے خدا دادنا سبت ہے؛ تم ضرور فکر شعر کیا کرو؛ اور کسی کے اعتراض کی کچھ پروا نہ کرو۔

مرزا کو میسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے باپ نے پانچ برس کی اور چچا نے نو برس کی عمر میں چھوڑ دیا تھا۔ چچا کے بعد کوئی مرقی دسر پرست بنے سر پر نہ تھا۔ مرزا کی فطیال جہاں انھوں نے

سلسلہ شریعی ہادی مال متناق کا بیان ہے کہ لاکھ لال ایک صاحب لکرو کے ہندو مال جو مرزا صاحب کے ہوتے ایک اولاد میں تھا وہ مرزا صاحب سے تھے تو ان سے کلام میں انکو یاد دلایا کہ مرزا نے اپنے تئنگ بانی کے زمانے میں لکھی تھی وہ بھی ایک یاد ہے؛ اور مرزا نے انکو کیا لاد صاحب نے کہا وہ اردو دشمنی میرے پاس موجود ہے چنانچہ انھوں نے وہ دشمنی مرزا کو لکھ کر دی اور وہ اسکو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اسکے آخر میں یہ فارسی شعر کسی استاد کا تئنگ کی زبان سے لاحق کر دیا تھا۔ مرزا نے اسکو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اسکے آخر میں یہ فارسی شعر کسی استاد کا تئنگ کی زبان سے لاحق کر دیا تھا۔ مرزا نے اسکو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اسکے آخر میں یہ فارسی شعر کسی استاد کا تئنگ کی زبان سے لاحق کر دیا تھا۔ مرزا نے اسکو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اسکے آخر میں یہ فارسی شعر کسی استاد کا تئنگ کی زبان سے لاحق کر دیا تھا۔

پرورش پانی تھی بہت اسودہ حال تھی اور تنخیال کی ثروت سے ظاہر مرزا اور ان کے بھائی سے
بڑھ کر کوئی فائدہ اٹھانے والا نہ تھا۔ آغا زیناب میں جبکہ سر پر کوئی مرنی نہ ہو۔ دولت و اسودگی سے
زیادہ کوئی چیز خانہ برانداز نہیں ہو سکتی۔ مرزا کی نوجوانی کے ساتھ اس اسودگی نے وہ کام کیا جو کہ
آگ بادو کے ساتھ کرتی ہے جس آزادی اور مطلق العنانی میں مرزا کی جوانی گزری ہے اسکی کیفیت
کا خود انھیں کے الفاظ سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ ایک جگہ اپنی جوانی کی حالت اس طرح ظاہر
کرتے ہیں "باقر و فرہنگ بگاند، و بانام و رنگ دشمن، بافرمایگان ہنشین، و باادب باش ہزنگ،
پاسے بیزاہد پوس، و زباں بے مرقہ کوس، و شکست خویش گردوں را و ستیل، و درآزار خویش دشمن
را آموزگار" اس کے بعد کہتے ہیں "تیزی رفتار من از سجد و تہجد تا گردن گنجت، و فناقاہ و سیکہ را بیکہ گرد
زد،" العسر من مرزا کا لو کہیں اور انکی جوانی اسی حالت میں میسر ہوئی تھی کہ ایک ایسے فن میں
جسکا نہ کوئی قدر داں نظر آتا تھا اور نہ کوئی خریدار کھائی دیتا تھا، اعلیٰ درجے کا کمال ہم پہنچنا
تو درکنار، اس کا خیال بھی دل میں گزرنے کا قریب ناممکن کے تھا۔ پس یہ مرث انکی طبیعت کی سبب
اور فطری قابلیت کا انقضا تھا کہ اس غفلت و بیہوشی کے عالم میں بھی شعر کا کشاکش برابر نگاہ آؤ گوی
کی تکمیل کا خیال ایسی بے خبری کے زمانے میں بھی فراموش نہیں ہوا۔

مرزا نے گل رعنا کے دیباچے میں لکھا ہے کہ میں نے اول اردو زبان میں شعر کنا شروع کیا تھا
اس لئے ہم بھی پہلے انکے اردو دیوان کا ذکر کرتے ہیں جس روش پر مرزا نے ابتدا میں اردو شعر

سے مرزا نے اپنے نکلنے کے ایک دوست مولوی سراج احمد کی قرابت سے اپنے تمام اردو و فارسی دیوان کا انتخاب کیا تھا جس کا
دیباچہ انکے قیامت خیز فارسی میں موجود ہے اسکا نام گل رعنا رکھا تھا۔

کنا شروع کیا تھا قطع نظر اس کے کہ اس زمانے کا کلام خود ہمارے پاس موجود ہے۔ اس روش کا
اندازہ اس حکایت سے بخوبی ہوتا ہے۔ خود مرزا کی زبانی سنا گیا ہے کہ شیر تعقی نے جو مرزا کے
ہم وطن تھے انکے لو کہیں کے اشعار سنکر یہ کہا تھا کہ مگر اس لڑکے کو کوئی کمال سا دل گیا اور اسے
اسکو سید سے رستے پر ڈال دیا تو لا جواب شاعر بن جائیگا، ورنہ مہل کہنے لگے گا۔

مرزا کے ابتدائی اشعار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ توصیفیت کی مناسبت سے اور زیادہ
عاجز و الصمد کی تعلیم کے سبب۔ فارسیت کا رنگ ابتدا ہی میں مرزا کے بول چال اور انکی توتہ و تخیل
پر چڑھ گیا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اکثر ذکی الطبع لڑکے ابتدا میں سید سے سادے اشعار
کی نسبت شکل اور پیچیدہ اشعار کو جو بغیر غرض و فکر کے آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے زیادہ شوق سے
دیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ مرزا نے لو کہیں میں مہیدل کا کلام زیادہ دیکھا تھا چنانچہ جو روش مرزا مہیدل
نے فارسی زبان میں انشراح کی تھی اسی روش پر مرزا نے اردو میں چلنا اختیار کیا تھا جیسا کہ وہ
خود فرماتے ہیں۔

طرز مہیدل میں رعیت گستاخ اسد اللہ خاں قیامت ہے

یہاں بطور نمونہ کے مرزا کے ابتدائی کلام میں سے چند اشعار لکھے جاتے ہیں۔

(۱) کرے گر فکر تعمیر خرابیاں لے ل گروں نہ نکلے خشت مثل استخوان بیرون قابلیا

مرزا کی ولایت دہلی میں ہوئی ہے اور میر کی وفات دہلی میں واقع ہوئی اس سے ظاہر ہے کہ مرزا کی عمر میر کی وفات کے
وقت بہت چھوٹا ہو سکتی تھی۔ مرزا کے اشعار انکے بچپن کے دوست نواب مسلم الدین حیدر خاں مرحوم والدہ انھیں ہندوستان
لے کر تھیں کو دکھاتے تھے۔

* چند مرزا نے اپنے بچپن میں میر سے تو کمال ملا کہ اردو زبان فارسی میں بغیر الفاظ داخل کر دیا یعنی اس طرح "کہ گر فکر تعمیر خرابیاں
لے ل گروں نہ نکلے خشت مثل استخوان بیرون قابلیا"

- (۲) اسد ہر اشک کے ایک قطرہ بزر بخیر افزودن
 (۳) بحسرت گاہ تاز کشتہ جاں بخشی خواباں
 (۴) رکھا غفلت نے دور افتادہ ذوق تباد
 (۵) پریشانی سے منز سر ہوا ہے پتہ بالمش
 (۶) موسم گل میں ہے گلگوں ملال میکشاں
 (۷) ساتھ جنبش کے بیک بر خاستہ ہو گیا
 (۸) گویا صحرایہ اعدا و اسن دیوانہ تھا

چونکہ مذکورہ بالا شعروں میں قطع نظر اسکے کہ طرز بیان اردو بول چال کے خلاف ہے۔ خیالات میں بھی کوئی لطافت نہیں معلوم ہوتی؛ اس لئے ان کے معنی بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف چوتھے شعر کی جو کسی قدر آسان ہے یہاں بطور نمونہ کے شرح کی جاتی ہے؛ تاکہ معلوم ہو کہ مرزا نے مشق سخن کس قسم کے خیالات سے شروع کی تھی اور کس قدر کادش سے وہ یہ نئی قسم کے معنوں پیدا کرتے تھے۔

کتا ہے کہ فنا میں جلاؤت اور ذوق تھا ہماری غفلت نے اس سے ہمیشہ دور دور رکھا۔ اگر غفلت نہ ہوتی تو اشارت فہم کے لئے ہر ایک ناخن۔ جو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ ابرو کا کام دیتا تھا۔ ابرو کا کام ہے اشارہ دیا کرنا؛ اور ناخن بڑیدہ جو ابرو کی شکل ہوتا ہے وہ بھی فنا کی لذت کی طرف اشارہ کرتا تھا؛ کیونکہ ناخن کے کٹنے سے جو ایک قسم کی فنا ہے لذت اور راحت حاصل ہوتی ہے۔ یہ ادب کی سات بتیں ہننے مرزا کے ان نظری اشعار اور نظری غزلوں میں سے نقل کی ہیں جو انھوں نے اپنے دیوان ربیعہ کو انتخاب کرتے وقت انھیں سے نکال ڈالی تھیں۔ مگر اب بھی

ان کے دیوان میں ایک ثلث کے قریب بہت سے اشعار ایسے پائے جاتے ہیں جن پر اردو زبان کا اطلاق مشکل سے ہو سکتا ہے۔ جیسے ذیل کے اشعار جو اب دیوان میں موجود ہیں۔

- شمار بجز مرعوب بہت مشکل پسند آیا
 ہوا ہے سیر گل ایندھے بے مری قاتل
 لے گئے خاک میں ہم دفع تمناے نشا
 شب نما چشم ساقی رستخیز اندازہ تھا
 یک قدم وحشت سے دیرین قہر اسکاں کھلا
 تماشے بیک کف بردن مبدل پسند آیا
 کو اندازہ بچوں غلطیدن بسمل پسند آیا
 تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہوا
 تاحیط بادہ صورتخانہ خمیا زہ تھا
 جادہ اجزائے دو عالم دشت کاشیر تھا
 تماشے بیک کف بردن مبدل پسند آیا
 کو اندازہ بچوں غلطیدن بسمل پسند آیا
 تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہوا
 تاحیط بادہ صورتخانہ خمیا زہ تھا
 جادہ اجزائے دو عالم دشت کاشیر تھا

ان اشعار کو سہل کو بیابے معنی مگر اس میں شک نہیں کہ مرزا نے وہ نہایت جانکاہی اور جگر کاوی سے سرا انجام کئے ہونگے۔ جب کہ اپنے معمولی اشعار کاٹتے ہوئے لوگوں کا دل دکھتا ہے تو مرزا کا دل اپنے اشعار نظری کرتے ہوئے کیوں نہ دکھا ہوگا؟ ظاہر یہی سبب تھا کہ انتخاب کے وقت بہت سے اشعار جو فی الواقع نظری کرنے کے قابل تھے۔ انکے کاٹنے پر مرزا کا قلم نہ اٹھ سکا۔ ممکن ہے کہ ایک مدت کے بعد یہ اشعار انکی نظریں کشکے ہوں؛ مگر چونکہ دیوان چھپ کر شائع ہو چکا تھا اس لئے انھوں نے ان اشعار کا نکالنا فضل سمجھا۔

مرزا کے حق میں جو پیشین گوئی میر تقی نے کی تھی اُسکی دونوں شخص انکے حق میں پوری پڑی؛ ظاہر ہے کہ مرزا اول اول ایسے رستے پر چڑھے تھے کہ اگر استقامت طبع، اور سلامت ذہن، اور بعض صحیح مذاق دوستوں کی روک ٹوک، اور نکتہ چین ہم عصروں کی خرد گیری اور طعن و تعریف؛ سب راہ نلتوتی تو وہ شدہ شدہ منزل مقصود سے بہت دور جا پڑتے۔ مٹا گیا ہے کہ اہل دہلی غلو

میں۔ جہاں مرزا بھی ہوتے تھے۔ تعریفاً ایسی غزلیں لکھ کر لاتے تھے جو الفاظ اور ترکیبوں کے لحاظ سے تربیت پر شکوت و شائبہ معلوم ہوتی تھیں، مگر معنی نادر و گویا مرزا پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ آپ کا کلام ایسا ہوتا ہے۔

ایک دفعہ مولوی عبد القادر رام پوری نے جو نہایت ظریف اہل بیت تھے۔ اور جو چند روز قلعہ دہلی سے تعلق رہا تھا۔ مرزا سے کسی موقع پر یہ کہا کہ آپ کا ایک اردو شعر سمجھ میں نہیں آتا، اور اسی وقت دو مصرعے خود سوزوں کے مرزا کے سامنے پڑھے

پہلے تو دُخِ گل بھینس کے اندر سے نکال پھر دو ہاتھی ہے کل بھینس کے اندر سے نکال
مرزا شکر سخت حیران ہوئے، اور کہا عاشق میرا شعر نہیں۔ مولوی عبد القادر نے انرا مرزا کے کہہ کما میں نے خود آپ کے دیوان میں دیکھا ہے! اور دیوان ہوتا میں اب دکھا سکتا ہوں۔ آخر مرزا کو معلوم ہوا کہ مجھ پر اس پیرائے میں اعتراض کرتے ہیں، اور گویا یہ جانتے ہیں کہ کھارے دیوان میں اس قسم کے اشعار ہوتے ہیں۔

مرزا نے اس قسم کی نکتہ چینیوں پر اردو اور فارسی دیوان میں جا بجا اشارہ کیا ہے۔ اردو میں ایک جگہ کہتے ہیں

”نہ تباہی کی تمنا نہ صلے کی پروا گر نہیں ہیں مرے شہا میں معنی نہ سوا“
ایک اور آئودھ غزل کا مطلع ہے

”گر خاموشی سے فائدہ انہی حال ہے خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے“

یعنی اگر خاموشی سے یہ فائدہ ہے کہ حال دل ظاہر نہیں ہوتا تو میں خوش ہوں کہ میرا بولتا بھی

خاموشی ہی کا فائدہ دیتا ہے؛ کیونکہ میرا کلام کسی کی سمجھ ہی میں نہیں آتا۔

چونکہ مرزا کی طبیعت فطرۃ نہایت سلیم واقع ہوتی تھی اس لئے نکتہ چینیوں کی توضیحوں سے انکو بہت متنبہ ہوتا تھا؛ اور آہستہ آہستہ ان کی طبیعت راہ پر آتی جاتی تھی۔ اس کے سوا جب مولوی فضل حق سے مرزا کی راہ و رسم بہت بڑھ گئی اور مرزا انکو اپنا خالص و مخلص دوست اور خیر خواہ سمجھنے لگے تو انہوں نے اس قسم کے اشعار پر بہت روک ٹوک کرنی شروع کی؛ بیان تک کہ انہیں کی تحریک سے انہوں نے اپنے اردو کلام میں سے جو اس وقت موجود تھا ڈسٹ کے قریب نکال ڈالا؛ اور اس کے بعد اس روش پر چلنا بالکل چھوڑ دیا۔

مرزا نے رنجیت میں جو روش ابتدا میں اختیار کی تھی ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح مقبول خاص عام نہیں ہو سکتی تھی۔ لوگ عموماً میرا سودا، میر حسن، حرأت اور انشا وغیرہ کا سیدھا سادہ اور صاف کلام سننے کے عادی تھے۔ جو محاورے روزمرہ کی بول چال اور بات چیت میں برتنے جاتے تھے انہیں کو جب اہل زبان و ذوق کے سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھتے تھے تو انکو زیادہ لذت آتی تھی اور زیادہ لطف حاصل ہوتا تھا۔ شعری بڑی خوبی بھی جاتی تھی کہ ادھر قافیہ کے سانس سے نکلا اور ادھر سانس کے دل میں اتر گیا؛ مگر مرزا کے ابتدائی رنجیت میں یہ بات بالکل نہ تھی۔ جیسے خیالات انہی تھے ویسی ہی زبان غیر مانوس تھی۔ فارسی زبان کے مصادر، فارسی کے حروف ربط اور توابع فعل۔ جو کہ فارسی کی خصوصیات میں سے ہیں۔ انکو مرزا اردو میں عموماً استعمال کرتے تھے۔ اکثر اشعار ایسے ہوتے تھے کہ اگر ان میں ایک لفظ بدل دیا جائے تو سارا شعر فارسی زبان کا ہو جائے۔ بعض اسلوب بیان خاص مرزا کے مختصرات میں تھے

جو نہ اُن سے پہلے اُردو میں دیکھے گئے نہ فارسی میں۔ مثلاً اُنکے موجودہ اُردو دیوان میں ایک شعر
 ”قری کف خاکسرد بیل قفس زنگ۔ اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے“
 میں نے خود اس کے معنی مرزا سے پوچھے تھے فرمایا کہ اسے کی جگہ جُز پڑھو؛ معنی خود سمجھ
 میں آجائیں گے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ قری۔ جو ایک کف خاکسرد سے زیادہ۔ اور بیل۔ جو ایک
 قفسِ معسری سے زیادہ نہیں۔ اُنکے جگر سوختہ یعنی عاشق ہونے کا ثبوت موت اُنکے چمکنے اور جوتے
 سے ہوتا ہے۔ یہاں جس معنی میں مرزا نے اسے کا لفظ استعمال کیا ہے ظاہراً اُنھیں کا اُضلاع
 ہے ایک شخص نے یہ معنی سنکر کہا کہ ”اگر وہ اسے کی جگہ جُز کا لفظ رکھ دیتے یا دوسرا مصرعہ اسطرح
 کہتے ”اے نالہ نشان تیرے سو عاشق کا کیا ہے“ تو مطلب صاف ہو جاتا، اُس شخص کا یہ کہنا
 بالکل صحیح ہے مگر مرزا چونکہ معمولی اسلوبوں سے تامل و پختہ تھے اور شاعر عام پر چلنا نہیں
 چاہتے تھے اس لئے وہ بہ نسبت اُنکے کہ شعر عام فہم ہو جائے اس بات کو زیادہ پسند کرتے
 تھے کہ طرز خیال اور طرز بیان میں جدت اور تزلزل پائا جائے۔

مرزا کے ابتدائی کلام کو مہل و بے معنی کو یا اُسکو اُردو زبان کے دائرے سے خارج سمجھو مگر
 اُس میں شک نہیں کہ اس سے اُنکی اُرجیلٹی اور غیر معمولی اُچھ کا خاطر خواہ سراغ ملتا ہے اور
 یہی اُنکی طبعی تربیتی چالیں اُنکی بلند فطرتی اور غیر معمولی قابلیت و استعداد پر شہادت دیتی
 ہیں۔ معمولی قابلیت و استعداد کے لوگوں کی معراج یہ ہے کہ جس پک ڈنڈی پر اگلی ٹھیر لیا
 کا گلہ چلا جاتا ہے اُسی پر اُنکھیں بند کر کے گلے کے پیچھے پیچھے ہولیں؛ اور لیک کے ادھر ادھر
 اُنکے اٹھا کر نہ دیکھیں جو ہنر یا پیشہ اختیار کریں اُس میں اگلوں کی چال ڈھال سے سر جو تباہ و

نہ کریں، اور اُنکے نقش قدم پر قدم رکھتے چلے جائیں۔ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے
 ایسا نہیں کرتے بلکہ دوسرے ہستے پر چلنا اُنکی قدرت سے باہر ہوتا ہے۔

برخلاف اُنکے جنکی طبیعت میں اُرجیلٹی اور غیر معمولی اُچھ کا مادہ ہوتا ہے وہ اپنے میں ایک
 ایسی چیز پاتے ہیں جو اگلوں کی پیروی پر اُنکو مجبور نہیں ہونے دیتی۔ اُنکو قوم کی شاہ راہ کے سوا
 بہت سی راہیں ہر طرف کھلی نظر آتی ہیں۔ وہ جس عام روش پر اپنے ہم فزوں کو چلتا دیکھتے ہیں
 اُس پر چلنے سے اُنکی طبیعت ابا کرتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ جو طریق غیر مسلوک وہ اختیار کریں وہ نسلِ انسانی
 تک پہنچانے والا نہ ہو؛ مگر یہ ممکن نہیں کہ جب تک وہ دائیں بائیں چل پھر کر طبیعت کی جولانیاں
 نہ دیکھ لیں اور تھک کر جو رہنما جائیں عام رہنموں کی طرح اُنکھیں بند کر کے شارع عام پر پڑ جائیں۔
 مرزا کی طبیعت اسی قسم کی واقع ہوئی تھی وہ عام روش پر چلنے سے ہمیشہ ناک چڑھاتے تھے۔
 وہ جستِ شرکاء کے سبب خود شاعری سے نفرت ظاہر کرتے تھے۔ مایانہ خیالات اور محاورات
 سے جہاں تک ہو سکتا تھا اجتناب کرتے تھے۔

ایک صاحب نے جو غالباً بنارس یا لکھنؤ سے دلی میں آئے تھے مرزا کے ایک شعری اُنکے
 سامنے نہایت تعریف کی۔ مرزا نے کہا ارشاد تو ہو وہ کو سننا شعر ہے؛ اُنھوں نے میرا مافی
 متخلص بہ اسد شاگرد مرزا رفیع کا یہ شعر پڑھا

”اسد اس جنا پر توجہ و فاکہ مرے شیر شاہش رحمت خدا کی“

چونکہ شعر میں اسد متخلص واقع ہوا تھا اُنھوں نے یہ سمجھا کہ مرزا غالب کا شعر ہے۔ مرزا یہ سنکر بہت جڑ جڑ
 اور فرمایا اگر کسی اور اسد کا شعر ہے تو اسکو رحمت خدا کی اور اگر مجھ اسد کا شعر ہے تو مجھے رحمت خدا کی۔

مرزا کو اس شعر کا اپنی طرف منسوب ہونا غالباً اسلئے ناگوار گذرا ہو گا کہ مرے شیر اور حمت
خدا کی یہ دونوں محاورے زیادہ تر عامیوں اور سوتیوں کی زبان پر جاری ہیں؛ اور اسد کی
رعایت سے مرے شیر کہنا یہ بھی انکی طبیعت کے خلاف تھا؛ کیونکہ وہ ایسی مبتذل باتوں کو
جو ہر شخص کو باسانی سوچہ جائیں۔ مبتذل جانتے تھے۔

اس قسم کی اور بہت سی حکایتیں ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف شاعری
میں بلکہ وضع میں، لباس میں، طعام میں، طریق ماند و بود میں، یہاں تک کہ مرنے اور
جینے میں بھی عام طریقے پر چلنا پسند کرتے تھے۔ یہاں ایک لطیفہ قابل لکھنے کے ہے۔

مرنے سے آٹھ سات برس پہلے انھوں نے ایک اودۂ نایخ اپنی وفات کا نکلانا تھا۔
جس میں سٹھ ماہ نہ نکلتے تھے۔ اتفاق سے اسی سال شہر میں دیا آئی؛ مگر مرزا بچ گئے۔ اس
امر کی نسبت ایک خط میں لکھتے ہیں ”میاں سٹھ ماہ کی بات غلط نہ تھی یعنی اسی سٹھ
مجھے مرنا چاہئے تھا؛ مگر میں نے دیا سے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا؛ وہی اسمیں میری
کسر نشان تھی۔ بعد میں فساد ہوا کہ مجھ لیا جا دیگا“ اگرچہ عین ایک سنہ کی بات لگتی ہے؛ مگر
انکی طبیعت کا اقتضا اس سے صاف جھلکتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب جسکو خط لکھا ہے
وہ انکی اس خصلت سے خوب واقف ہے۔

بہر حال مرزا ایک مدت کے بعد اپنی میراہ روی سے خبردار ہوئے۔ اور استقامت طبع اور
سلامتی ذہن نے انکو راہِ راست پر ڈالے بغیر چھوڑا۔ گو ان کا ابتدائی کلام جسکو وہ حد سے
زیادہ جگر کاوی اور دماغ سوزی سے سراغ نام کرتے تھے مقبول نہوا؛ مگر چونکہ قوتِ تخیل سے

بہت زیادہ کام لیا گیا تھا اور اس لئے اسمیں ایک غیر معمولی بلند پروازی پیدا ہو گئی تھی۔
جب قوتِ تمیز نے اسکی باگ اپنے قبضے میں لی تو اتنے وہ جو ہر نگاہے جو کسی کے دہم و گمان
میں نہ تھے۔

یہاں یہ امر حقا دینا ضرور ہے کہ مرزا نے ریختہ گوئی کو اپنا فن قرار نہیں دیا تھا؛ بلکہ محض
تشنہ طبع کے طور پر کبھی اپنے دل کی آج سے، کبھی دوستوں کی فرمائش سے، اور کبھی ہوشیار
یا ولی عہد کے حکم کی تعمیل کے لئے ایک آدھ غزل لکھ لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انکے اردو دیوان
میں غزل کے سوا کوئی صنف بقدر متدبر نہیں پائی جاتی۔ وہ منشی بنی بخش مرحوم کو ایک خط میں
لکھتے ہیں ”بھائی صاحب تم غزل کی تعریف کرتے ہو؛ اور میں شرماتا ہوں۔ یہ غزلیں گاہیک
ہیں؛ پیٹ پالنے کی باتیں ہیں۔ میرے فارسی کے وہ قصیدے جن پر جگہ ناہ ہے کوئی انکا
لطف نہیں اٹھاتا۔ اب قدر دانی اس بات پر منحصر ہے کہ گاہ گاہ حضرت غل سبانی فرمائیے کیا
کہ بھی تم بہت دن سے کوئی سوغات نہیں لائے۔ یعنی نیا ریختہ بنا چار کبھی کبھی یہ اتفاق ہوتا ہے
کہ کوئی غزل لکھ کر بجاتا ہوں“

قطع نظر اسکے وہ اس زمانے کے خیالات کے موافق اردو شاعری کو داخل کمالات نہیں
سمجھتے تھے؛ بلکہ اس میں اپنی کسر نشان جانتے تھے۔ چنانچہ ایک فارسی قطعہ میں جسکی نسبت
مشہور ہے کہ اسمیں شیخ ابراہیم ذوق کی طرف خطاب ہے۔ کہتے ہیں

”فارسی میں تا بہ بنی نقشبائے گنگ“ بگذرا ز مجموعہ اردو کہ بے رنگ بہت
”راہت میگویی من از راست تر تر کاشید“ ہر چہ در گفتار فخر تست آن رنگ بہت

مگر چونکہ مرزا کے معاصرین اکثر کتبہ پنج اور کتبہ شناس تھے اس لئے وہ ریختہ کے سر انجام کرنے میں بھی اپنی پوری توجہ اور بہت مہنت کرتے تھے اور دونوں زبانوں میں اپنی فوقیت اور برتری قائم رکھنے کی برابر فکر رکھتے تھے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شاعر اور اسکے کلام کے رتبہ کا اندازہ اسکے کلام کی قلت اور کثرت سے نہیں ہوتا؛ بلکہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اسکے منتخب اور برگزیدہ اشعار کس درجے کے ہیں۔ میر کی قدر لوگ اس لئے نہیں کرتے کہ اسنے متعدد ضخیم دیوان چھوڑے ہیں؛ بلکہ صرف اسکے منتخب اشعار نے جو تعداد میں نہایت قلیل ہیں۔ اسکو تمام ریختہ گو شاعروں کا سرسبز بنا دیا ہے۔

لطف علیاں آذرا تشگدہ میں نوری صفائی کی نسبت لکھا ہے کہ اسکے دیوان کا مختصر ہونا یہی اسکے کلام کی خوبی اور حسن طبع کی کافی دلیل ہے۔ یہ بھی معلوم رہے کہ تمام شعرا کا کلام یکساں معیار سے نہیں جانچا جاتا؛ ورنہ فردوسی و نظامی و دہلوی میں، اور انوری و خاقانی و درویش قصبیدے میں، مسلم الشہوت نہیں ٹھہر سکتے۔ کیونکہ انوری کا قصیدہ اور فردوسی کی مثنوی باعتبار سادگی اور صفائی و عام فہم ہونے کے خاقانی کے قصیدے اور نظامی کی مثنوی سے کچھ ممتاز نہیں رکھتے؛ حالانکہ چاروں شخص فارسی شاعری کے رکن رکین مانے جاتے ہیں۔ پس فردوس ہے کہ جدا جدا کلام جدا جدا معیاروں سے جانچے جائیں۔ مرزا کے اردو کلام میں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا غزل کے سوا کوئی صنف شمار کے قابل نہیں ہے۔ مرزا کی موجودہ غزلیات گو بقابل بعض شعرا کے تعداد میں کیسی ہی قلیل ہیں۔ لیکن جس قدر منتخب اور برگزیدہ اشعار مرزا کی غزلیات میں موجود ہیں وہ تعداد میں کسی بڑے سے بڑے دیوان کے انتخابی اشعار سے کم نہیں ہیں۔ اور

جس قدر بلند اور عالی خیالات مرزا کے ریختہ میں نکلیں گے اس قدر کسی ریختہ گو کے کلام میں نکلیں گی توقع نہیں ہے۔ البتہ حکمران کے عمدہ اشعار کے جانچنے کے لئے ایک جدا گانہ معیار مقرر کرنا پڑیگا۔ جسکو امید ہے کہ اہل انصاف تسلیم کریں گے۔

میر و سودا اور ان کے مقلدین نے اپنی غزل کی بنیاد اس بات پر رکھی ہے کہ جو عاشقانہ مضامین صدیوں اور قرون سے اولاً فارسی اور اسکے بعد اردو غزل میں بندھتے چلے آئے ہیں وہی مضامین بہ تبدیل الفاظ اور تغیر اسالیب بیان عائد اہل زبان کی معمولی بول چال اور روزمرہ میں ادا کئے جائیں۔ چنانچہ میر سے لیکر ذوق تک جتنے مشہور غزل گو مرزا کے سوا اہل زبان میں گذرے ہیں انکی غزل میں ایسے مضامین بہت ہی کم نکلیں گے جو اس محدود دائرے سے خارج ہوں۔ انکی بڑی کوشش یہ ہوتی تھی کہ جو مضمون پہلے متعدد طور پر بندھ چکا ہے وہی مضمون ایسے بلیغ اسلوب میں ادا کیا جائے کہ تمام اگلی بندشوں سے سبقت لی جائے۔ برخلاف اسکے مرزا نے اپنی غزل کی عمارت دوسری بنیاد پر قائم کی ہے۔ انکی غزل میں زیادہ تر ایسے اچھوتے مضامین پائے جاتے ہیں جنکو اور شعرا کی فکر نے بالکل مس نہیں کیا۔ اور معمولی مضامین ایسے طریقے میں ادا کئے گئے ہیں جو سب سے زالا ہے؛ اور ان میں ایسی نزاکتیں رکھی گئی ہیں جن سے اکثر اساتذہ کا کلام خالی معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اور لوگوں نے اول سے آخر تک قوم کی شاہراہ سے سرسوا انحراف نہیں کیا؛ اور جس چال سے کہ انھوں نے راہ طے کی تھی اسی چال سے تمام رستہ طے کیا ہے۔ مرزا نے اول شاہراہ کا رخ چھوڑ کر دوسرے رخ چلنا اختیار کیا؛ اور جب راہ کی مشکلات نے

مجموع کیا تو ان کو بھی آخر اسی سنج چلنا پڑا۔ مگر جس ایک پر قافلہ جارہا تھا اسکے سوا ایک اور ایک اسی کے متوازی اپنے لئے سنگالی اور جس چال پر اور لوگ چل رہے تھے اُس چال کو چھوڑ کر دوسری چال اختیار کی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب میر و سودا اور ان کے متعلقین کے کلام میں ایک ہی قسم کے خیالات اور مضامین دیکھتے دیکھتے جی اکتا جاتا ہے اور اسکے بعد مرزا کے دیوان پر نظر ڈالتے ہیں تو اسیں ہر کو ایک دوسرا عالم دکھائی دیتا ہے؛ اور جس طرح کہ ایک خشکی کا سیاح سمندر کے سفر میں، یا ایک میدان کا رہنے والا پہاڑ پر جا کر، ایک نکل نئی اور زراعی کیفیت مشاہدہ کرتا ہے؛ اسی طرح مرزا کے دیوان میں ایک اور ہی سماں نظر آتا ہے۔ یہاں اول ہم چند شعر مرزا کے دیوان سے ایسے نقل کرتے ہیں جن سے انکے خیالات کا اچھوتا پن ثابت ہوتا ہے

”بیکہ شکل ہے ہر کام کا آسان ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا“

باوی النظر میں یہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے؛ مگر غور سے دیکھا جائے تو بالکل اچھوتا خیال ہے۔ دعوتے یہ ہے کہ دنیا میں آسان سے آسان کام بھی دشوار ہے، اور دلیل یہ ہے کہ آدمی جو عین انسان ہے اسکا بھی انسان بننا مشکل ہے۔ یہ منطقی استدلال نہیں ہے؛ بلکہ شاعرانہ استدلال ہے۔ جس سے بہتر ایک شاعر استدلال نہیں کر سکتا۔

”ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو بیٹنے کا مرا کیا“

نشاط کے معنی اُتنگ کے ہیں۔ نشاط کار یعنی کام کرنے کی اُتنگ۔ یہ بھی جہاں تک کہ معلوم ہے ایک نیا خیال ہے؛ اور زرا خیال ہی نہیں بلکہ فیکٹ ہے؛ کیونکہ دنیا میں جو کچھ چل پھل ہے وہ

اخلاق

فنون
انسانی

مرن اس یقین کی بدولت ہے کہ یہاں رہنے کا زمانہ بہت تھوڑا ہے۔ یہ انسان کی ایک طبیعت صلت معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر فرصت طویل ہوتی ہے اُسی قدر زیادہ سرگرمی سے کام کو سرانجام کرتا ہے۔ اور جس قدر زیادہ ہمت ملتی ہے اُسی قدر کام میں تاخیر اور سہل انکاری زیادہ کرتا ہے۔
نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ تھا تو خدا ہوتا
تو بویا مجھ کو ہونے نے موتا میں تو کیا ہوتا

بالکل نئی طرح سے فنی کو ہستی پر ترجیح دی ہے؛ اور ایک عجیب ترغ پر مدد و محض ہونے کی ترغیب ہے۔ پہلے مصرع کے معنی ظاہر ہیں۔ دوسرے مصرع سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو کیا برائی ہوتی؛ مگر قائل کا مقصود یہ ہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو دیکھنا چاہیے کہ میں کیا چیز ہوتا؛ مطلب یہ کہ خدا ہوتا؛ کیونکہ پہلے مصرع میں بیان ہو چکا ہے کہ اگر کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا۔
توفیق با خدائے بہت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گہر نہ ہوتا تھا

بالکل نیا اور اچھوتا اور باریک خیال ہے۔ اور نہایت صفائی اور عمدگی سے اسکو ادا کیا گیا ہے۔ اگر کسی کی بھڑکیں نہ اُٹے تو اسکی خم کا تصور ہے۔ دعوتے یہ ہے کہ جس قدر ہمت عالی ہوتی ہے اُسی کے موافق اسکی تائید غیب سے ہوتی ہے۔ اور ثبوت یہ ہے کہ قطرہ اشک جیسو آنکھوں میں جگہ ملی ہے۔ اگر اسکی ہمت جیکو وہ دریائیں تھا موتی بننے پر قانع ہو جاتی تو اسکو جیسا کہ ظاہر ہے یہ درجہ معنی آنکھوں میں جگہ ملنے کا حاصل نہ ہوتا۔
لاگ ہو تو اُس کو رسم سمجھیں گا تو
جب نہ کو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

لاگ دشمنی اور لاگ و محبت۔ یہ مضمون عجب نہیں کہ کسی اور نے بھی باندھا ہو؛ مگر ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔ اگر کسی نے باندھا بھی ہو گا تو اس خوبی اور لطافت سے ہرگز نہ بندھا ہو گا۔ مطلب

تجربہ

تجربہ

علاقہ

حاشیہ

یہ ہے کہ مشرق کو نہ ہمارے ساتھ دشمنی ہے نہ دوستی؛ اگر دشمنی بھی ہوتی تو اس لئے کہ اس میں بھی ایک نوع کا تعلق ہوتا ہے ہم اسی کو دوستی سمجھتے۔ لیکن جب نہ دوستی ہو اور نہ دشمنی تو پھر کس بات پر دھوکا کھائیں۔ قطع نظر خیال کی عمدگی اور قدرت کے لاگ اور لگاوا ایسے دو نقطہ ہم پر چکے ہیں جن کا ماخذ متحد اور معنی متضاد ہیں۔ اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے جس نے خیال کی خوبی کو چار چاند کر دیا ہے۔

گرنی مٹی ہم پر برق تجلی نہ طور پر دیتے ہیں بادہ ظن قبح خوار چکر
اس شعر میں اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے امانت کو زمین و آسمان اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا؛ مگر وہ اس کے تحمل نہ کئے، اور ڈگنے اور انسان نے اس کو اٹھایا، شاعر کہتا ہے کہ برق تجلی کے گرنے کے ہم سخت تھے نہ طور پر؛ کیونکہ شراب خوار کا ظرف دیکھ کر اس کے موافق اس کو شراب دی جاتی ہے؛ پس کوہ طور جو بھلہ جادات کے ہے۔ وہ کیونکر تجلی الہی کا تحمل ہو سکتا ہے۔ یہ خیال بھی مع اس تشبیل کے جو آسمان بیان ہوئی ہے بالکل اچھوتا خیال معلوم ہوتا ہے۔

حریف مطلب مشکل نہیں فسون نیاز دعا قبول ہو یا رب کہ عمر خضر دراز
چونکہ خیال وسیع تھا، اور مضمون مطلع میں بندھنے کا متقاضی تھا، اس لئے پہلا مصرع اردو روزمرہ سے کسی قدر بعید ہو گیا ہے؛ مگر بالکل ایک نئی شوخی ہے جو شاید کسی کو نہ سوجھی ہوگی کہتا ہے کہ کسی مشکل مقصد کے حاصل ہونے میں تو عجز و نیاز کا مستخرج کام نہیں میتا؛ لاجاراب یہی دعا مانگیں گے کہ اتنی خضر کی عمر دراز ہو مینی ایسی چیز طلب کرینگے جو پہلے ہی دیا جا چکی ہو۔

فیض
بے انتہائی

کوئی

آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد مجھے مرے گناہ کا حساب بخدا مالک

اس میں بھی حتی طرح کی شوخی ہے۔ جو بالکل اچھوتی ہے۔ بظاہر درخواست کرتا ہے کہ اسے خدا مجھے میرے گناہوں کا حساب نہ مالک؛ اور درپردہ الزام دیتا ہے؛ گویا یہ کہتا ہے کہ گناہوں کا حساب کیونکر دوں؟ وہ شمار میں اس قدر زیادہ ہیں کہ جب انکو شمار کرتا ہوں تو وہ داغ و خور تو دنیا میں دیے ہیں، اور جو شمار میں اسی کثرت سے ہیں جس کثرت سے میرے گناہ ہیں، انکی گنتی یاد آتی ہے۔ گناہوں اور داغوں کے شمار میں برابر ہونے سے یہ مراد کہتی ہے کہ جب کسی گناہ کا مرتکب ہو تو بسبب عدم استطاعت کے اس کو خاطر خواہ نہ کر سکا؛ کوئی نہ کوئی حسرت ضرور باقی رہ گئی۔ مثلاً شراب پی تو وصل نصیب نہوا؛ اور وصل نصیب آیا تو شراب نہ ملی۔ پس بتنے گناہ کئے ہیں اتنے ہی داغ دل پر کھائے ہیں۔

محبکہ دیار غیر میں مارا وطن سے دو رکھلی مرے خدا نے رری یکسی کی شرم
پرو میں میں مرنا۔ جو شخص کو مارا گوار ہوتا ہے۔ اس پر خدا کا اس لئے شکر کرتا ہے کہ اگر وہاں بے گور و کفن پڑے رہے تو کچھ مضائقہ نہیں؛ کیونکہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ یہ کون تھا اور کس تہ کے کا آدمی تھا؛ لیکن وطن میں مرنا جہاں ایک زمانہ واقع حال ہو، مگر خریدار و فروختا ایک بھی نہوا؛ وہاں مردے کی اس طرح مٹی خراب ہوتی سخت رسوائی اور ذلت کی بات تھی؛ پس خدا کا شکر ہے کہ شرم پر دین میں مار کر میری یکسی کی شرم رکھ لی۔ اس میں گویا خدا کا شکر ہے کہ مرنے کی حقیقت سراسر اہل وطن کی شکایت ہے۔ جبکہ ایک عجیب پیرائے میں ظاہر کیا ہے۔
ہے غیب غیب جسکو سمجھتے ہیں شہرہ میں اب میں ہنوز جو جاگے ہنری اب میں

نہی

میں

تھیں

سالک کو تمام موجودات عالم میں حق ہی حق نظر آئے اسکو شہود کہتے ہیں۔ اور غیب انبیا سے مراد مرتبہ اعدیت ذات ہے جو عقل و ادراک و بصیر و بصیرت سے ورما و رار ہے۔ کہنا کہ جسکو ہم شہود سمجھے ہوئے ہیں وہ درحقیقت غیب انبیا ہے۔ اور اسکو غلطی سے شہود سمجھنے میں ہماری ایسی مثال ہے جیسے کوئی خواب میں کچھ دیکھے کہ میں جاگتا ہوں۔ پس گویا وہ اپنے تئیں بیدار سمجھتا ہے مگر فی الحقیقت وہ ابھی خواب ہی میں ہے۔ یہ مثال بالکل نئی ہے، اور اس سے بہتر اس مضمون کے لئے مثال نہیں ہو سکتی۔

نظر لگے دیکھیں اس کے دست و بازو کو یہ لوگ کیوں مرے زخم کو دیکھتے ہیں عشق حقیقی ہوا یا مجاہدی اس کے زخم کی گہرائی اس سے بہتر کسی اسلوب میں بیان نہیں ہو سکتی۔ رنج سے خورگ ہوا انسان تھک جاتا اور رنج خشکی اتنی پڑیں مجھے کہ آساں ہو گئیں یہ خیال بالکل اچھوتا ہے، اور بڑا خیال ہی نہیں بلکہ فیکٹ ہے؛ اور ایسی خوبی سے بیان ہوا ہے کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آ سکتا۔ مشکلات کی کثرت کا اندازہ ضد حقیقی یعنی آنکے آساں ہو جانے سے کرنا درحقیقت حسن مبالغہ کی معراج ہے۔ جس کی نظیر آج تک نہیں دیکھی گئی۔

منابر اگر نہیں آساں تو سہل ہے دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں ایک فیکٹ کے بیان میں ایسے مناسب محاورات کا دستیاب ہو جانا عجیب اتفاق ہے۔ اس مضمون کو چاہر حقیقت کی طرف لجاؤ، اور چاہر مجاز پر محمول کرو، دونو صورتوں میں مطلب یہ ہے کہ اگر تیرا لہنا آساں نہ تو تیرا دشوار ہوتا تو کچھ وقت نہ تھی، کیونکہ ہم مابوئی کہ

بمید رہتے، اور شوق و آرزو کی غلش سے چھوٹ جاتے؛ مگر مشکل یہ ہے کہ وہ جس طرح آساں نہیں اسی طرح دشوار بھی نہیں؛ اور اس لئے شوق و آرزو کی غلش سے کسی طرح نجات نہیں ہوتی۔

وفا داری بشرط استواری اصل ایمان ہے جسے تجانے میں تو کہے میں گاڑو پرہیز کو یعنی جب برہن اپنی ساری عمر تجانے میں کاٹ دے، اور وہیں مرے، تو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسکو کہے میں دفن کیا جائے؛ کیونکہ اُسے وفا داری کا حق پورا پورا ادا کر دیا؛ اور یہی ایمان کی اصل ہے۔

طاعت میں تار ہے نہ دنگیں کی لاگ دونوں میں ڈال دو کوئی لیکر بہشت کو یعنی جب تک بہشت قائم ہے لوگ عبادت اس امید پر کرتے ہیں کہ وہاں شہد اور شہر طبع وغیرہ ملے گی؛ پس بہشت کو دوزخ میں جھونک دینا چاہئے تاکہ یہ لالچ باقی نہ رہے اور لوگ خالصاً اور جہاد اللہ عبادت کریں۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُسے کما میں نے یہ جانا کہ گویا یہ میری پس کسی کے حسن بیان کی اس سے بہتر تعریف نہیں ہو سکتی کہ جرات فائل کے منہ سے نکلے وہ سامع کے دل میں اس طرح اتر جائے کہ اسکو یہ شہد ہو کہ یہ بات پہلے ہی سے میرے دل میں تھی۔ اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا جام جم سے یہ مرزا جام سفال تھا ہے۔ جام جم پر جام سفال کو کس خوبی سے ترجیح دی ہے کہ اسکی کچھ تعریف نہیں ہو سکتی اور بالکل نیا خیال ہے جو کہیں نظر سے نہیں گذرا۔

رہا آباد عالم اہل بیت کے لئے ہے بھر میں مقبوضہ عالم و سبوتاہ غالی ہے
 یہ خیال شاید کسی اور کے دل میں بھی گذرا ہو مگر تمثیل نے اسکو بالکل ایک اچھوتا مضمون بنا دیا
 اور شکر کو نہایت بلند کر دیا ہے کہتے ہیں کہ دنیا میں اگر اہل بیت کا وجود ہو تو دنیا کو محض ناچیز جھکڑ کی
 طرہ التفات کرتے تو دنیا ویران ہو جاتی پس یہ جانتا چاہئے کہ عالم اسی سبب آباد نظر آتا ہے کہ
 اہل بیت موقوف ہیں یعنی سطح مینانے میں علم و سبوتاہ شرب بھر رہا اس بات کی دلیل ہے کہ مینانے میں کوئی
 مینا نہیں ہے اسی طرح عالم کا آباد و مہمور ہونا دلالت کرتا ہے کہ انیس اہل بیت معدوم ہیں۔
 منہصر مرنے پر ہو جسکی امید ناامیدی اسکی دیکھا چاہئے
 ناامیدی کی غایت اس سے بڑھ کر اور ایسی خوبی سے شاید ہی کسی نے بیان کی ہو۔
 ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی طے وا یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے
 یعنی جو گناہ ہم نے کئے ہیں اگر انکی سزا ملنی ضرور ہے تو جو گناہ بسبب عدم قدرت کے ہم نہیں کر سکے
 اور انکی حسرت دل میں رہ گئی انکی داؤ بھی ملنی چاہئے۔
 علاوہ جدت مضامین اور طرہ فکری خیالات کے اور بھی چند خصوصیتیں مرزا صاحب کے
 کلام میں ایسی ہیں جو اور ریختہ گوئیوں کے کلام میں شاذ و نادر پائی جاتی ہیں۔ اولاً عام اور متداول ہیں
 جو عموماً ریختہ گوئیوں کے کلام میں متداول ہیں مرزا جہاں تک ہو سکتا ہے ان تشبیہوں کو استعمال
 نہیں کرتے بلکہ تقریباً ہمیشہ نئی نئی تشبیہیں ابداع کرتے ہیں۔ وہ خود ایسا نہیں کرتے بلکہ خیالات
 کی جدت ان کو جدید تشبیہیں پیدا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ ان کے ابتدائی ریختہ میں
 جو تشبیہیں دیکھی جاتی ہیں وہ اکثر غراہت سے خالی نہیں ہیں۔ مثلاً سانس کو سوج سے،

لیجودی کو دریا سے، گرداب کو شعلہ جوالہ سے، مغرور کو پیہ بالمش سے، دانہ انگو کو عقدہ صبا
 سے، استخوان کو خشت اور بدن کو قالب خشت سے، اور ایسی قسم کی اور بہت سی عجیب و
 غریب تشبیہیں ان کے ابتدائی ریختہ میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن جس قدر خیالات کی اصلاح ہوتی
 اسی قدر تشبیہوں میں۔ باوجود ندرت اور طرہ فکری کے۔ سنجیدگی اور لطافت بڑھتی گئی۔
 مثلاً وہ کہتے ہیں۔

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام مہر گردوں ہے چراغ رہگذار باد بیاں
 یہاں سوچ کو۔ اس لحاظ سے کہ وہ بھی اجزائے عالم میں سے ہے اور تمام اجزائے عالم آمادہ
 زوال و فنا ہیں۔ چراغ رہگذار باد سے تشبیہ دی ہے جو بالکل نئی تشبیہ ہے۔
 دوسری جگہ سورج کو۔ اس لحاظ سے کہ حسن مشوق کے مقابلے میں اسکو ناقص الخلقہ قرار
 دیا ہے۔ ماخوشب کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔
 چھڑا ہنوشب کی طرح دست فغانے خورشید ہنوز اس کے برابر ہوا تھا
 ایک جگہ انسان کی زندگی کو اس لحاظ سے کہ جب تک موت نہیں آتی اسکو عمر سے
 نجات نہیں ہوتی۔ شمع سے تشبیہ دی ہے کہ جب تک صبح نہیں ہوتی وہ برا جلتی رہتی
 ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔

غم ہستی کا آسہ کس ہو جز مرگ علاج شمع ہر رنگ میں ملتی ہے سحر سوز رنگ
 اس قسم کی بیحد و نادر تشبیہات سے مرزا کے دونوں دیوان اردو اور فارسی بھرے ہوئے ہیں
 قطع نظر تشبیہات کے مرزا ہر ایک بات میں جیسا کہ پہلے حصے میں بیان ہو چکا ہے ابتلا سے

بہت بچتے تھے مبتذل مضامین مبتذل محاورے مبتذل ترکیبیں جس قدر
انکے کلام میں کم لینگلی ظاہر کسی ریختہ گو شاعر کے کلام میں نہیں مل سکتیں مثلاً صلی علی کا
لفظ جو بجائے سبحان اللہ وغیرہ کے استعمال ہوتا ہے اسکو وہ کہیں جائز نہیں رکھتے تھے یہاں
تک کہ شاکر دوس کی غزل میں بھی ہمیشہ اس لفظ کو کاٹ کر نام خدا یا کوئی اور لفظ بنا دیتے تھے
اسی طرح جو محاورے یا الفاظ صرف عوام الناس کی زبان پر جاری ہیں۔ اور خواص انکو
کبھی نہیں بولتے تاہم قدور وہ انکو استعمال نہیں کرتے تھے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک ایسا التزام
کرنے سے زبان کا دائرہ نہایت تنگ ہو جاتا ہے اور لہجہ کو وسعت دینا جو شاعری کا اصل مقصد ہونا چاہئے وہ
قوت ہو جاتا ہے مگر مرزا کے کلام میں جو خصوصیتیں انکو معلوم ہوتی ہیں ان کا بیان کرنا ضرور ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مرزا نے استعارہ و کنایہ و تشبیل کو جو کہ لہجہ کی جان اور
شاعری کا ایمان ہے، اور جسکی طرف ریختہ گو شعرا نے بہت کم توجہ کی ہے۔ ریختہ میں بھی لہجہ
فارسی کلام سے کم استعمال نہیں کیا۔ اور شعر نے استعارے کو صرف محاورات اردو میں بلاشبہ
استعمال کیا ہے؛ لیکن استعارے کے قصد سے نہیں بلکہ محاورہ بندی کے شوق میں استعارے
بلا قصد انکے قلم سے ٹپک پڑے ہیں۔ یہاں چند مثالیں مرزا کے کلام سے نقل کجائی ہیں۔

بجلی اک کو نہ گئی آنکھوں کے آگے تو کیا بات کرتے کہیں لب تشنہ تقریر بھی تھا
یہاں اس مطلب کو کہ معشوق نے آن کی آن اپنی صورت دکھا دی تو اس سے کیا تسلی ملتی
ہے۔ اس طرح ادا کیا ہے ”بجلی اک کو نہ گئی آنکھوں کے آگے تو کیا“

مرزا کہتے تھے کہ حرف جار مجرور کے بولنا ایک عاصی اور سر قیاد بول جال ہے۔

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز پھر ترا وقت سمنسریا دیا“
دوست کو رخصت کرتے وقت جو درناک کیفیت گزری تھی اور جو اس کے چلے جانے کے بعد
رہ رہ کر یاد آتی ہے ایسے جو کبھی کبھی کچھ وقفہ ہو جاتا ہے اسکو قیامت کے دم لینے سے تعبیر
کیا ہے۔ ایسے بلینج شعراء دو زبان میں کم دیکھے گئے ہیں جو حالت فی الواقع ایسے موقع پر
گزرتی ہے ان دو مصرعوں میں اسکی تصویر کھینچی ہے جس سے بہتر کسی اسلوب بیان میں
یہ مضمون ادا نہیں ہو سکتا۔

دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام رنگ دو کہیں کیا گذرے ہے قطرے پگھر تو رنگ
جو مطلب اس شعر میں ادا کیا گیا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ انسان کو درجہ کمال تک پہنچنے
میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پہناں تھا دام سخت قریب آشیان کے اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
جو مطلب اس طریقے سے ادا کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہلکو ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی مصائب
و شدائد نے گھیر لیا تھا۔

درماندگی میں غالب کچھ ہیں بچے تو جانوں جب رشتہ بے گروہ تھا ناخن گرہ کشا تھا
دوسرے مصرعے میں یہ مضمون ادا کیا گیا ہے کہ جب مشکلات نے نہیں گھیرا تھا اسوقت
انکے وضع کرنے کی طاقت تھی۔

ان اشعار میں جیسا کہ ظاہر ہے اصل خیالات سیدھے سادے ہیں؛ مگر استعارے اور تشبیل
نے ان میں ندرت اور طرکی پیدا کر دی ہے۔

تیسری خصوصیت کیا ریختہ میں، اور کیا فارسی میں، کیا نظم میں، اور کیا نثر میں۔ باوجود
سنجیدگی و متانت کے۔ شوخی و طرافت ہے؛ جیسا کہ مرزا کے انتظامی اشعار سے ظاہر ہو گا۔
مرزا سے پہلے ریختہ گو شعرا میں دو شخص شوخی و طرافت میں بہت مشہور گذرے ہیں؛ ایک
سودا، دوسرے انشا؛ مگر دونوں کی تمام شوخی و خوش طبعی بھجو گوئی یا فحش و ہزل میں صرف
ہوتی؛ لہذا ان مرزا غالب کے کہ انہوں نے بھجو یا فحش و ہزل سے کبھی زبانِ محکم کو اُٹھ نہیں کیا۔
جو معنی خصوصیت مرزا کی طرزِ ادا میں ایک خاص چیز ہے جو اوروں کے ہاں بہت کم
دیکھی گئی ہے؛ اور جبکہ مرزا اور دیگر ریختہ گو یوں کے کلام میں مابہ الامتیاز نکما جاسکتا ہے۔ بگے
اکثر اشعار کا بیان ایسا پہلو دار واقع ہوا ہے کہ بادی النظر میں اُس سے کچھ اور معنی مفہوم ہوتے
ہیں؛ مگر غور کرنے کے بعد اُمیں ایک دوسرے معنی نہایت لطیف پیدا ہوتے ہیں؛ جن سے
وہ لوگ جو ظاہری معنوں پر فطانت کر لیتے ہیں۔ لطف نہیں اُٹھا سکتے۔ یہاں ایسے اشعار
کی چند مثالیں لکھی جاتی ہیں۔

کوئی دیرانی سی دیرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

اس شعر سے جو معنی فوراً متبادر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ جس دشت میں ہم ہیں وہ اس قدر
دیران ہے کہ اُسکو دیکھ کر گھر یاد آتا ہے؛ یعنی خونِ معلوم ہوتا ہے۔ مگر ذرا غور کرنے کے بعد
اس سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ ہم تو اپنے گھری کو جھگتے تھے کہ ایسی دیرانی کیسں نہوگی؛ مگر دشت
بھی اس قدر دیران ہے کہ اُسکو دیکھ کر گھر کی دیرانی یاد آتی ہے۔

کون ہوتا ہے حریف نے مردانگنِ عشق ہے مگر لبِ ساقی میں صلا میرے بعد

اس شعر کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جب سے میں مر گیا ہوں نے مردانگنِ عشق کا ساقی۔ یعنی
معتوق۔ بار بار صلا دیتا ہے؛ یعنی لوگوں کو شرابِ عشق کی طرف بلاتا ہے۔ مطلب یہ کہ میرے
بعد شرابِ عشق کا کوئی خریدار نہیں رہا؛ اس لئے اُسکو بار بار صلا دینے کی ضرورت ہوئی ہے۔
مگر زیادہ غور کرنے کے بعد۔ جیسا کہ مرزا خود بیان کر تے تھے۔ اُمیں ایک نہایت لطیف معنی پیدا
ہوئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ پہلا مصرع یہی ساقی کی صلا کے الفاظ ہیں؛ اور اس مصرع کو
وہ مکرر پڑھ رہا ہے۔ ایک دفعہ بگٹانے کے لہجہ میں پڑھتا ہے ”کون ہوتا ہے حریف نے مردانگنِ
عشق“ یعنی کوئی ہے جو مجھے مردانگنِ عشق کا حریف ہو؟ پھر جب اس آواز پر کوئی نہیں آتا
تو اسی مصرع کو مایوسی کے لہجہ میں مکرر پڑھتا ہے ”کون ہوتا ہے حریف نے مردانگنِ عشق“
یعنی کوئی نہیں ہوتا۔ اُمیں لہجہ اور طرزِ ادا کو بہت دخل ہے۔ کسی کو بگٹانے کا لہجہ اودھے؛ اور
مایوسی سے چپکے چپکے کہنے کا اور انداز ہے۔ جب اس طرح مصرع مذکور کی تکرار کرو گے فوراً
یہ معنی ذہن نشین ہو جائینگے۔

کیونکہ اُس بُت سے رکھوں جانِ غریز کیا نہیں ہے مجھے ایمانِ عشرِ زین
اسکے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ اگر اُس سے جانِ غریز رکھوں گا تو وہ ایمان لے لے گا؛ ایسے
جان کو غریز نہیں رکھتا۔ اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اُس بُت پر جانِ قرمان کرنا تو میں
ایمان ہے؛ پھر اُس سے جان کیونکر غریز رکھی جاسکتی ہے۔

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک تھی پسند گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں
اسکے ایک معنی تو یہ ہیں کہ معتوق کو با تو ہماری خاطر ایسی غریز تھی کہ اگر بالفرض فرشتہ بھی ہماری

نسبت کوئی گستاخی کرتا تو اسکو گوارا نہ تھی؛ اور یا اب ہلکوا بالکل نظر سے گرا دیا گیا ہے۔ اور دوسرے
 عمرہ منیٰ یہ ہیں کہ اس شعر میں آدم اور فرشتوں کے اُس فقے کی طرف اشارہ ہے جو قرآن مجید
 میں مذکور ہے؛ کہ جب خدا تعالیٰ نے آدم کو پیدا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو فرشتوں نے کہا "کیا
 تو دنیا میں اُس شخص یعنی اُس نوع کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو اسیں فساد اور خونریزی کرے؟
 وہاں سے ارشاد ہوا کہ "تم نہیں جانتے جو کچھ میں جانتا ہوں"، اور پھر آدم سے انکوڑی ہوئی؛
 اور حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ کتا ہے کہ ہم آج دنیا میں کیوں اس قدر ذلیل ہیں کل تک تو
 ہماری ایسی عزت تھی۔

ترے سرو قیامت سے اک قہر آدم قیامت کے فقے کو کم دست کھتے ہیں
 اسکے ایک منیٰ تو یہی ہیں کہ ترے سرو قیامت سے فقہ قیامت کتر ہے۔ اور دوسرے یہ منیٰ بھی
 ہیں کہ تیرا قداسی میں سے بنا لیا گیا ہے؛ ایسے وہ ایک قہر آدم کم ہو گیا ہے۔

سر اڑانے کے جو عددے کو مکر چا ہا ہنس کے بولے کترے سر کی قسم ہے ہلکو
 اس شعر میں "ترے سر کی قسم ہے ہلکو" اس جملے کے دو منیٰ ہیں؛ ایک یہ کہ ترے سر کی قسم
 ہے ہم ضرور سر اڑائیں گے۔ اور دوسرے یہ کہ ہلکو ترے سر کی قسم ہے۔ یعنی کبھی ہم تیرا سر نہ اڑائیں گے
 جیسے کہتے ہیں کہ آپ کو تو ہمارے ہاں کھانے کی قسم ہے۔ یعنی کبھی ہمارے ہاں کھانا نہیں کھاتے۔
 اُچھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ جو تم سے شہر میں ہوں ایک تو کیر نہ کر ہو

اسکا مطلب ایک تو یہ ہے کہ تم جیسے نازک مزاج شہر میں ایک دو اور ہوں تو شہر کا کیا حال ہو؟
 اور دوسرے منیٰ یہ ہیں کہ جب تمکو اپنے عکس کا بھی اپنی مانند ہونا گوارا نہیں تو شہر میں اگر

فی الواقع تم جیسے ایک دو حسین موجود ہوں تو تم کیا قیامت برپا کرو۔

کیا خوب بقم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے
 ہمارے بھی منہ میں زبان ہے "اس میں دو منیٰ رکھے ہیں؛ ایک یہ کہ ہمارے پاس ایسے ثبوت
 ہیں کہ اگر بولنے پر آئے تو تمکو قائل کر دیں گے؛ اور دوسرے شوخ منیٰ یہ ہیں کہ ہم زبان سے
 چلکھ کر بتا سکتے ہیں کہ غیر نے بوسہ لیا ہے یا نہیں۔

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے
 "کون اٹھاتا ہے مجھے" اسکے دو منیٰ ہیں۔ ایک تو یہ کہ زندگی میں تو مجھے محفل سے اٹھا دیتے
 تھے اب مرنے کے بعد دیکھوں مجھے وہاں سے کون اٹھاتا ہے؟ اور دوسرے منیٰ یہ ہیں
 کہ محفل سے تو اٹھا دیتے تھے دیکھوں اب میرا جنازہ کون اٹھاتا ہے۔

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر بادہ نوشی ہے بادہ پیمانی
 یہ شعر بہار کی تعریف میں ہے۔ (اس میں بادہ پیمانی کے لفظ نے دو منیٰ پیدا کر دیے ہیں؛
 بادہ پیمانی بحث کام کرنے کو کہتے ہیں؛ پس ایک منیٰ تو اسکے یہ ہیں کہ فضل بہار کی ہوا ایسی طراوت
 ہے کہ گویا اسیں شراب کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے۔ اور جب کہ یہ حال ہے تو بادہ نوشی محض پیمانی
 یعنی فضول کام ہے۔ اس صورت میں بادہ نوشی مبتدا ہو گا؛ اور بادہ پیمانی خبر دوسرے
 منیٰ یہ ہیں کہ بادہ پیمانی کو مبتدا اور بادہ نوشی کو خبر قرار دیا جائے؛ اور جس طرح بادہ پیمانی
 کے منیٰ بادہ خواری کے ہیں اسی طرح بادہ پیمانی کے منیٰ ہوا کھانے کے لئے جائیں۔ اس
 صورت میں یہ مطلب ملے گا کہ آج کل ہوا کھانا بھی شراب پینا ہے۔

مذکورہ بالا خصوصیتوں کے علاوہ ایک اور بات قابل ذکر ہے جو مرزا اور ان کے بعض معاصرین و متبعین کی غزل میں عموماً پائی جاتی ہے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ ریختہ کی بنیاد فارسی غزل پر رکھی گئی ہے۔ جو جذبات اور خیالات اہل ایران نے غزل کے پیرائے میں ظاہر کئے ہیں ریختہ گوئیوں نے زیادہ تر بلکہ بالکل انھیں کو اپنی زبان کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ پس جو انقلاب ایک مدت کے بعد فارسی غزل میں پیدا ہوا۔ ضرور تھا کہ وہی انقلاب اردو غزل میں ایک عرصے کے بعد پیدا ہو۔

قدمائے اہل ایران جن کا دورہ مولانا جامی پر ختم ہوتا ہے انکی غزل میں جو جذبات و خیالات بیان ہوئے ہیں وہ اپنی نچرل حالت سے متجاوز نہیں ہوئے؛ اور گویا سلیب بیان میں قاصر رہے۔ سبب رفتہ رفتہ بہت وسعت اور لطافت پیدا ہو گئی لیکن بیان کا طریقہ نچرل سادگی کی حد سے آگے نہیں بڑھا۔ مگر چونکہ خیالات نہایت محدود تھے ایک مدت کے بعد جتنے سیدھے سادے عمدہ اور لطیف اسلوب تھے وہ سب نہر گئے اور متاخرین کے لئے ایک چھوٹی ہوئی ہڈی کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا۔ اگر متاخرین غزل کو ہر قسم کے خیالات ظاہر کرنے کا آلہ بناتے تو انکے لئے میدان غیر تنہا ہی موجود تھا مگر انھوں نے اس محدود دائرے سے باہر نکلنا نہ چاہا؛ اب جو لوگ تقلید کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے انھوں نے تو اسی چھوٹی ہوئی ہڈی پر قناعت کی؛ مگر جنگی فطرت میں ارجیلیٹی اور پچ کا مادہ تھوڑا انھیں قدیم خیالات و جذبات میں اپنے اپنے مسلح فکر کے موافق نزاکتیں اور لطافتیں پیدا کرنے لگے۔ چنانچہ نظیری، ظہوری، عربی، طالب، اسیر اور انکے اقران و امثال کی

غزل میں بقایا سہی، حافظ، خسرو و غیرہم کی غزل کے ہم اسی قسم کا تفاوت پاتے ہیں۔ مثلاً خواجہ حافظ کہتے ہیں۔

گناہ اگرچہ بنود اختیار ماحافظ تو در طریق ادب باش و گناہ ہست
نظیری نے اسی معنوں کو حقیقت سے مجاز میں لاکر انھیں ایک نئی طرح کی نزاکت پیدا کی ہے وہ کتاب ہے۔

ماستعل ز رخسار بے جاہ و منیش سے آرم اعتراف گنا و بنودہ را
یا مثلاً دوسری جگہ خواجہ حافظ کہتے ہیں۔

از عدالت بنود دور گرش پر سد حال پادشاہ سے کہ ہمایہ گداہنے دارد
ظہوری کے ہاں یہ سیدھا سادہ خیال ابراہیم عادل شاہ کے حق میں۔ جو کہ اسکا مروج بھی ہے اور محبوب بھی۔ ایک نئے انداز سے بندھا ہے۔ وہ کتاب ہے۔

مرقت کردہ شہسار تو سیر بام و دلازم نے باشد چراغی۔ خانہ بے تنگاہاں را

یعنی چونکہ بے مقدور لوگوں کے گھر میں چراغ نہیں ہوتا اس لئے مرقت اور کرم نے تعمیر لازم کر دیا ہے کہ راتوں کو کوٹھے پر چڑھ کر ٹٹا کر نہ تیرے چہرے کی روشنی سے آنکھ گھر میں چاندنا ہو جائے۔ مطلب یہ کہ آنکھ کے حال سے واقف ہو کر انکی مدد کرے۔

مگر یہ انقلاب فارسی غزل میں کم و بیش چار سو برس بعد ظہور میں آیا تھا کیونکہ نئی طرز قنوت ایک ایجاد نہیں ہوتی جب تک ضرورتیں اہل فن کو سخت مجبور نہیں کرتیں۔ لیکن ریختہ میں یہ انقلاب ڈیڑھ سو برس کے اندر اندر پیدا ہو گیا؛ کیونکہ متاخرین اہل ایران کا نمونہ موجود تھا

اس لئے نئی طرح کے ایجاد کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ جو طرز فاعلی میں متاخرین نکال چکے تھے اسی کو ریختہ میں دھانا تھا۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ مرزا غالب نے سب سے پہلے یہ طرز اختیار کی تھی بلکہ دیگر پہلے کیبشٹری کے مدون ہونے اور علم کے درجے پر پہنچنے سے پہلے اسکے متفرق اصول مشرقی ملکوں میں بھی پائے جاتے تھے اسی طرح مرزا سے پہلے بھی بعض شعرا کے کلام میں اس نئی طرز کی کہیں کہیں جھلکی سی نظر آجاتی ہے مگر ہمیں شک نہیں کہ اقل مرزانے اور انہیں کی تقلید سے مومن، شیعہ، تسلیں، سالک، بارت، دلغ وغیرہم نے اس طرز کو بہت زیادہ رواج دیا۔ خصوصاً مومن خاں مرحوم اس خصوصیت میں مرزا سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔ یہاں ایسی ایک دو مثال لکھنی مناسب معلوم ہوتی ہے جس سے تاخرین بخوبی سمجھ جائیں کہ متاخرین کے اس خاص کردہ نے قلم کے سید سے سادے خیالات اور معمولی اسلوبوں میں کس قسم کی تراکتیں اور فطری و منوی تعزفات کر کے ان میں ندرت اور طرنگی پیدا کی ہے۔ مثلاً میر تقی کا شعر ہے۔

میری تفسیر رنگ پرست جا اتفاقات ہیں زمانے کے

ایسی تفسیر رنگ کے معنوں کو مومن خاں نے اس طرح باز دیا ہے۔

میری تفسیر رنگ کو مست دیکھ تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

یا مثلاً خواجہ میر درد نے معشوق کے رخ روشن کو شمع پر اس طرح ترجیح دی ہے۔

زات مجلس میں جڑے حسن کر شعلے کو خضو شمع کے منہ پر جو دیکھ تو کہیں نور نہ تھا

نواب مرزا خاں دلغ نے اسی معنوں میں نئی طرح کی تراکت پیدا کی ہے۔ دہکتے ہیں
رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر دیکھتے ہیں اوھر جاتا ہے دیکھیں یا اوھر پر دانا آتا ہے
الغرض اس قسم کی معنی آفرینیاں، غالب، مومن اور ان کے متبعین کے کلام میں بہت پائی
جاتی ہیں۔ چونکہ اس موقع پر صرف مرزا کے کلام پر بحث کرنی مقصود ہے اس لئے چند شعر مرزا کی
عزلیات میں سے اسی قبیل کے یہاں نقل کئے جاتے ہیں

ضعف سے اسے گریہ کچھ باقی مروتن ہیں رنگ ہو کر آگیا جو خوں کو دامن میں نہیں
غلا ہے جذب دل کا شکر۔ دیکھو جرم کب کا ہے نہ کھینچو گرم اپنے کو کشا کش دیاں کیں ہو
کرنے لگا ہے باغ میں توبے جابیاں آنے لگی ہے نکمت گل سے جیاں مجھے
ضد کی ہے اور بات۔ مگر خبری نہیں بھولے سے آنے سیکر دوں مدد وفا کئے
دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر رشک جاتے ہے میں آسے دیکھوں بھلا کب مجھے دکھا جائے
اشکی بزم آریاں شکر دل بخور بیاں مثل نقش مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے
نقش کو اسکے۔ مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں کھینچتا ہے جس قدر آنا ہی کھینچا جائے ہے
ہستی ہماری اپنی فضا پر دلیل ہے یہاں تک بٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوے
سیدہ و نقدہ دو عالم کی حقیقت معلوم لے لیا مجھے مری ہمت عالی نے مجھے
مڑتے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی

پہلے شعر میں خون کا رنگ ہو کر آنا، دوسرے میں عاشق کے جذبہ اور معشوق کی کشیدگی
سے کشاکش کا لازم آنا، تیسرے میں نکمت گل سے جیا آتی، چوتھے میں بھولے سے سیکر

وعدے وفا کرنے۔ پانچویں میں آپ اپنے پر رشک آنا، چھٹے میں دل ربخوڑ کا نقش مرتا ہے
کی طرح بیٹھا جانا، ساتویں میں کھینچنے سے نقش کا مصور سے کھینچنا، آٹھویں میں مٹتے مٹتے آپ
اپنی مٹم ہو جانا، نویں میں آپ اپنی ہمت عالی کے ہاتھ تک جانا، دسویں میں باوجود موت
آنے کے موت نہ آنی، یہ سب ساخراں ذرا کہیں ہیں جو ولی سے لیکر میر، سودا اور درد
تک کے کلام میں دیکھیں؛ اور اگر تھیں تو صرف اس قدر جیسے آٹے میں نمک۔

اگرچہ ایران میں زمانہ حال کے شعرا غوری و عرفی و طالب و امیر وغیرہ کی طرز کو پسند
کرتے ہیں اور ہندوستان میں بھی روز بروز طبیعتیں نچرل شاعری کی طرف مائل ہوتی جاتی ہیں۔
جب کا نتیجہ ہونا چاہئے کہ رفتہ رفتہ اس قسم کے تحلفات و نزاکتیں نظروں سے گرجائیں۔
لیکن یہ سب زمانے کے مقتضیات ہیں جو ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں ایسی باتوں سے ان
لوگوں کی استادی اور گرانمایگی میں کچھ فرق نہیں آتا جنکو نئی طرز کے موجد ہونا فخر حاصل تھا۔
بہر حال جو نسبت غوری، نظیری، عرفی، طالب، امیر وغیرہم کے کلام کو سعدی،
خسرو، حافظ، اور جامی کے کلام سے ہے تقریباً وہی ہی نسبت مرزا کے ریختہ کو میر، سودا
و درد کے ریختہ سے سمجھنی چاہئے۔ قدامت و روزمرہ اور صفائی بیان کو سب باتوں سے
زیادہ اہم اور مقصود بالذات جانتے تھے؛ برخلاف متاخرین کے کہ وہ ہر شعر میں ایک نئی بات
پیدا کرنے اور اسالیب بیان میں نئے نئے تعجب انگیز اور لطیف و پاکیزہ اختراعات کرنے ہی کو
کمال شاعری سمجھتے تھے اور زبان کی صفائی اور روزمرہ کی نشست کو محض خیالات کے
ظاہر کرنے کا ایک آلہ نہ کہ مقصود شاعری تصور کرتے تھے۔ چنانچہ مرزا ایک دوست کو

خط میں لکھتے ہیں کہ ”بھائی! شاعری معنی آفرینی ہے قافیہ بھائی نہیں ہے“
اگرچہ مرزا کی اردو شاعری پر بحث کرنے کے لئے ابھی بہت کچھ لکھنے کی گنجائش ہے لیکن چونکہ
لوگوں کو ایسی باتوں سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے اس لئے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں اور صرف
اس بات پر اکتفا کرتے ہیں کہ مرزا کے دیوان ریختہ میں جس قدر اشعار سرسری نظر میں ملتے ہیں
معلوم ہوں وہ بطور انتخاب کے یہاں نقل کر دئے جائیں۔ جو اشعار اس سے پہلے مثالوں میں
لکھے جا چکے ہیں ان کو اب مکرر نہ لکھیں گے اور جہاں ضرورت ہوگی شعر کے معنی بھی بتائیں گے۔
کہیں کہیں محاسن شعری کی طرف بھی اشارہ کیا جائیگا۔

سائیکلر ہے زہاد است قد جس باغ رضواں کا وہ اک گلہ ستہ ہے ہم بخودوں کے طاق نیاں کا
طاق نیاں وہ طاق جس میں کچھ رکھ کر بھول جائیں۔ طاق نیاں کا گلہ ستہ وہ گلہ ستہ جس کو
طاق میں رکھ کر بھول جائیں۔ بخودوں کے بہشت کو گلہ ستہ طاق نیاں سے تشبیہ دینا بالکل
ایک ترائی تشبیہ ہے جو کہیں نہیں دیکھی گئی۔

محرم نہیں ہے تو ہی خواہ سے راز کا یہاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
یعنی راز کے فنون سے تو خود ہی نا آشنا ہے؛ حد نہ دنیا میں جو بظاہر حجاب نظر آتے ہیں وہ
بھی پردہ ساز کی طرح بول رہے اور ج رہے ہیں، اور اسرار الہی ظاہر کر رہے ہیں۔

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب خون جگر و دیست مرگان یار تھا
یعنی آنکھوں سے اس قدر خون جاری رہتا ہے کہ گویا جاگیں جتنا خون تھا وہ مرگان یار کی آنت
مٹی؛ اور اس لئے اسکے ایک ایک قطرہ کا حساب اسی طرح دینا پڑیگا جس طرح امانت کا

حساب دنیا پڑتا ہے۔

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دست ناصح کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگار ہوتا
اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا جو دوستی کی بوجی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا
یہ مسائل تصوف یہ ترابیان غالب تجھے ہم دلی سبجھے جو زیادہ خوار ہوتا
سننا ہے کہ جس وقت یہ غول مرانے باد شاہ کو شنائی تو بادشاہ نے قطع سنکر کہا ابھی ہم توجیب بھی
ایسا نہ سمجھتے "مرزا نے کہا" حضور تو اب بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں مگر یہ اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ
میں اپنی ولایت پر مغرور نہ ہو جاؤں۔

نہ مارا جان کہ بے جرم قاتل تیری گردن پر رہا مانند خون بے گنہ حق آشنائی کا
کتاب ہے کہ تو نے ایک شتاق قتل کو بے جرم سمجھا اس لئے قتل نہیں کیا کہ خون بیگناہ اپنی گردن
پر نہ لے کر اب تیری گردن پر بچاے خون بیگنہ کے حق آشنائی کا رہیگا۔

سب کے دلیں ہے جگہ تیری جو تورا مانی ہوا مجھ پر گویا ایک زمانہ مہرباں ہو جاے گا
کیا وہ غرود کی خدائی تھی؟ - بندگی میں مرا بھلا ہوا

کتاب ہے کہ میری بندگی کیا غرود کی خدائی تھی کہ اس سے مجھ کو سوا نقصان کے کچھ فائدہ نہ پہنچا
میاں بندگی سے مراد عبادت نہیں ہے بلکہ عبودیت ہے۔ بندگی پر غرود کی خدائی کا اطلاق کرنا
بالکل نئی بات ہے۔

جان دی۔ دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
غم فراق میں تکلیف میر گل مست دو مجھے دماغ نہیں خندہ ہاے عجب کا

خندہ گل کو خندہ بے جا اس لئے کہا ہے کہ وہ کچھ سمجھ کر یا زراہ تعجب نہیں ہنستا پس گویا اسکا
خندہ بے محل ہے۔

فلک کو دیکھ کے کرنا ہوں اسکو یاد آند جفا میں اسکی ہے انداز کار و شرم کا
یعنی فلک کو دیکھ کے خدا یاد آتا ہے؛ کیونکہ فلک سے جو جاسر زد ہوتی ہے اُسکے حکم سے ہوتی ہے۔
میں اور بزم سے سے یوں تشنہ کام آؤں گریں نے کی تھی تو بہ ساقی کو کیا ہوا تھا
یعنی آنے دیر دستی کیوں نہ پلا دی؟

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو دیراں ہوتا جگر اگر جگر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا
تنگے دل کا گلا کیا یہ وہ کا فردل ہے کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے گھر پر ناحق آدمی کوئی ہمارا دم تھری بھی تھا
یعنی ہمارے جرم کے ثبوت کے لئے کسی کی شہادت ہونی ضرور ہے؛ صرف فرشتوں کا لکھنا
کافی نہیں۔

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدر بار کا عالم میں معقبت فتنہ محشر نہوا تھا
دیراے معاصی تنگ آئی سے ہوا خشک میرا سر دامن بھی ابھی تر نہوا تھا

کتاب ہے کہ گناہ کرنے میں ہمارا حوصلہ اس قدر فراخ ہے کہ باوجودیکہ دیراے معاصی خشک ہو گیا
مگر ابھی ہمارے دامن کا پتہ تک نہیں بھٹکا۔ تذکرہ آبجیات میں لکھا ہے کہ ذوق اس شعر کو نہایت
پسند کرتے تھے؛ اور کہتے تھے کہ مرزا کو اپنے آپ سے شعروں کی خود غرضی نہیں ہوتی۔ یہ بعینہ ویسی ہی بات
ہے جیسے مولانا آزاد نے مرزا کا ایک عمدہ شعر سنکر اسکی تعریف کرتے وقت کہا تھا کہ "اس مرزا کا"

کیا کمال ہے یہ تو ہمارے انداز کا شر ہے، غرض کہ ایک بمعمر دوسرے بمعمر کی تعریف بھی کرتا ہے
تو اس میں ایک نہ ایک بات ضروری شامل کر دیتا ہے جس سے یا اسکی نقیص لازم آئے یا اپنی نوبت
اس سے بھی زیادہ نکلتے۔

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے صاحب کو دل نہ سینے پر کتنا غور تھا
مرنے کی اسے دل اور ہی تدبیر کر کہیں شایان دست و بازو سے قاتل نہیں رہا
ریشک کہتا ہے کہ اسکا غیر سے اخلاص عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا
ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا
کہتا ہے کہیں نے جو مستحق کے حسن کی تعریف کی تو جوش میرا محرم راز و پیشین تھا وہی سنگ
میرا رقیب بن گیا؛ کیونکہ اول تو ایسے پری وش کی تعریف تھی اور وہ بھی مجھ جیسے جادو بیان
کی زبان سے پہلے مصرع کا دوسرا رکن یعنی "اور پھر بیاں اپنا" یہ مرزا کی خصوصیات
میں سے ہے۔

دوسے وہ جس قدر ذلت ہم نہیں میں ٹالینگے بارے آشنا نکلا اُن کا پاسبان اجپا
یعنی غریب ہی ہوا کہ معشوق کے در کا پاسبان ہمارا جان بچان نکلا؛ اب ہمارے لئے اس بات کا
موقع حاصل ہے کہ وہ جس قدر چاہے ہو کہ ذلت دے ہم اسکو ہنسی میں ڈالتے رہیں گے؛ اور یہ
ظاہر کرینگے کہ ہمارا قدیم آشنا ہے؛ ہمارا اسکا قدیم سے ہی بڑا دوست ہے۔

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنرمیں کیا تھے بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا
آسمان کی دشمنی کے کیا خوب اسباب بتائے ہیں اور اپنی دانائی اور ہنرمندی کس خوبصورتی سے

عاشقانہ
عاشقانہ
عاشقانہ
عاشقانہ

ظرافت

نکاح
نکاح

ثابت کی ہے۔

رخصت نالہ مجھے دے کہ سبدا ظالم تیرے چہرے سے ہونٹا ہر غم پنہاں میرا
یعنی اگر نالہ کی اجازت نہ ہو تو ہم اسکو ضبط کرینگے اور اسکا آخر تک ہم پر چنگا۔

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبراہٹیں کیا
عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ مر گئے پر دیکھنے دکھلائیں کیا
دکھلائیں کا مرجع خدا کو ٹھہرایا ہے کہتا ہے کہ عمر بھر موت کا منتظر رہا کہ وہ حالت زندگی سے فردا
بستر ہوگی اب دیکھنے مرنے کے بعد کیا حالت دکھلاتے ہیں جبکہ تمام عمر منتظر تھا کہ ہے۔

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا
حریف جوشش دریا نہیں خود داری صل جہاں ساقی ہر تود عوی ہے بل ہوشیاری کا

یعنی ساحل لاکھ اپنے تئیں بجائے مگر جب دریا طغیانی پر آتا ہے تو ساحل محفوظ نہیں رہ سکتا ایسی طرح
جہاں تو ساقی ہر دہاں ہوشیاری کا دعویٰ چل نہیں سکتا پھر حقیقت و مجاز دونوں پر محمول ہر سکتا ہے۔

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا
یعنی جب درد سے گزر جائیگا تو مر جائینگے یعنی فنا ہو جائینگے گویا قطرہ دریا میں کھپ جائیگا اور یہی
اسکا مقصد ہے پس درد کا حد سے گزر جانا یہی اسکا دوا ہو جانا ہے۔

مجھے قسمت میں مری صورتِ قفلِ مجید تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا
صنعت سے گریہ مبدلِ بدم سرد ہوا باد آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا
دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

ہے مجھے ابر بہاری کا برس کر کھلنا روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا
یعنی غمِ فرقت میں روتے روتے تمام ہو جانا میرے نزدیک ایک ایسی معمولی بات ہے جیسے ابر بہاری
کا برس کر کھلنا یہ باطلِ زالی تشبیہ ہے۔

منہ گتیس کھولتے ہی کھولتے آکھیں غالب یار لائے جسے بالیں پیاسے پر کس وقت
کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن جانوں کیسے دل کی میں کیونکر کے بغیر
بہرا ہوں میں تو چاہیے دونا ملاقات سنتا نہیں ہوں بات مکر کے بغیر
دا حشر تاکہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ ہم کو حسیں لذت آزاد دیکھ کر
بک جاتے ہیں ہم آپ ستارِ سخن کے ساتھ لیکن عیارِ طبعِ حشر دیدار دیکھ کر
ان آبلوں سے پانوں کے گہرا لگتا تھا جی خوش ہوا ہے راہ کو پرخار دیکھ کر
سر پہوڑنا وہ غالبِ شوریہ حال یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر
یار ب نہ وہ سمجھے ہیں نہ بھینکے گری بات دے او دل آگوجہ نہ دے بھکو زباں او
یہ شعر بظاہر مشوق کے حق میں معلوم ہوتا ہے مگر ہمیں درپردہ ان لوگوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو
مرزا کے کلام کو بے معنی یا بعیدِ انفعالی کہتے تھے۔

ہر چند سبکدست ہوئے بت شکنی میں ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگِ گراں اور
اس شعر میں سارا زور ہم کے لفظ پر ہے یعنی جب تک کہ ہماری ہستی باقی ہے اس وقت تک راہِ معرفت
اتنی میں ایک اور سنگِ گراں سدا راہ ہے پس اگر ہم نے بت توڑنے میں سبکدستی حاصل کی ہے
تو کیا فائدہ؟ یہ بڑا بیماریا بت یعنی ہماری ہستی تو ابھی موجود ہے۔

باتے نہیں جیسا کہ تو چڑھ جاتے ہیں نہ رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اُرد
نالے مینی ندی نالے زآہ و نالے۔ مثال کس قدر متشابه کے مطابق ہے اور مضمون کتنا مطابق
واقع کے ہے فی الحقیقت مصیبت اور رنج و تکلیف کے سبب جوں جوں شاعر کی طبیعت رکتی ہے
اُسی قدر زیادہ راہ دیتی ہے خصوصاً جو مضمون وہ اس وقت اپنے حسبِ حال لکھتا ہے وہ نہایت
مؤثر اور درو انگیز ہوتا ہے۔

فلک سے ہلکے پیش رفتہ کا کیا کیا تھا متاعِ بزدل کو مجھے ہوئے ہیں قرضِ نین پ
متاعِ بزدل یعنی نوئی ہوئی متاعِ یہ مضمون بھی بالکل وقوعیات میں سے ہے جو لوگ اس وقت کی
بدفلس ہو جاتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے تئیں مظلوم و ستم رسیدہ و فلک زدہ سمجھا کرتے ہیں اور خیرِ
ہمک اس بات کے متوقع رہتے ہیں کہ ضرور کبھی نہ کبھی ہمارا انصاف ہوگا اور ہمارا اقبال ضرور نکلا
روحِ ہستی ہے عشقِ خاند ویراں ساز انجمنِ شمع ہے گر برقِ خرمین میں شیں
یعنی تمام دنیا میں جو روح اور چل پہل ہے وہ عشق و محبت کی بدولت ہے، خواہ زن و فرزند کی محبت ہو
خواہ مال و دولت کی، خواہ ملک و ملت کی، خواہ اور کسی چیز کی۔ پس اگر خرمین میں برقِ مینی دلوں
میں محبت نہیں تو اسکی مثال اُس انجمن کی ہے جیسے شمع کی روشنی نہیں۔

زخمِ سلوانے سے مجھ پر چارہ جونی کاٹھن خیر سمجھا ہے کہ لذتِ خرم سوزن میں نہیں
مٹی و ن میں شان کیا نالہ کہ ہو غربت میں قدر بے تکلف ہوئے شتِ خس کہ گلشن میں شیں
اپنے تئیں حسِ مینی پریش و غیرہ سے، اور وطن کو گلشن سے، تشبیہ دی ہے، مینی جس طرح بیونس گن میں
ہوتا ہے تو ملتا ہے، اور گلشن میں نہیں ہوتا تو اسکی کچھ قدر نہیں ہوتی، یہی حال میرا ہے، کہ وطن میں غنا

تو جلتا تھا اور اب پرویس میں ہوں تو بے قدر ہوں۔

مہرباں ہو کے بلا لوجھے چاہوں قوت میں گیا وقت نہیں ہوئی کچھ بچہ نہیں سکوں
زہر مٹا ہی نہیں مجھ کو سمگر۔ ورنہ کیا تم ہے ترے ملنے کی کھا بھی سکوں
جب کہتے ہیں کہ اسکو فلاں کام کرنے کی قسم ہے تو اسکی یہی ہوتے ہیں کہ اسکو اس کام کے کرنے سے
انکار ہے پس عاشق معشوق کے ملنے کی قسم کو نہ کھا سکتا ہے کہتا ہے کہ زہر کچھ ترے ملنے کی قسم
نہیں ہے کہ اسکو کھا نہ سکوں مگر چونکہ وہ ملتا نہیں اسلئے نہیں کھا سکتا۔

قومن کی پتے تھے ملین سمجھتے تھے کہ ہا رنگ دیگی ہماری فادہ مستی ایک دن
کس منہ سے شکر کیجیے اس لطف خاص کا پرستش ہے اور پای سخن دریاں نہیں
بوسہ نہیں نزدیک دشتام ہی سہی آخر زباں تو رکھتے ہو تم گرد بان نہیں
پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی روح القدس اگرچہ مرا ہما زبانیں
یہاں ہما زبان کے لفظ میں ایسا ہے ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ انسان اور فرشتے کی زبان ایک
نہیں ہو سکتی اور دہرہ وہ اسمیں یہ اشارہ ہے کہ جیسی فصیح میری زبان ہے ویسی روح القدس کی نہیں
ملنے دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں ایک چار ہے ہرے پاؤں نہیں بخی نہیں
اسی مطلب کو جو پہلے مصرع میں بیان ہو چکا ہے دوسرے مصرع میں نئے رنگ سے کس خوبی کے ساتھ
بیان کیا ہے دشت نوردی کی مانع کوئی تدبیر نہ ہونی اسکو اس طرح ادا کرنا کہ باؤں میں چک رہے
مگر تدبیر نہیں کمال بلاغت ہے۔

حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے جادہ راہ دعا جز دم شمشیر نہیں

جادہ یعنی بیٹا کو دم شمشیر سے تشبیہ دی ہے۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ عشق کے آزار اور تکلیف میں جو
لذت ہے جی تو یہی چاہتا ہے کہ اس لذت سے خوب دل کھول کر منتفع ہوں مگر چونکہ وفا کی راہ
سراسر تلوار کی دھار پر ہے اس لئے پہلے ہی قدم پر موت نظر آتی ہے۔ پس افسوس ہے کہ لذت
کی حسرت دل کی دل ہی میں رہی جاتی ہے۔

الفبت گل سے غلط ہے دعویٰ دار شکی سر دہے باد صفت آزادی گرفتار چمن
مطلب یہ ہے کہ کوئی کیسا ہی آزاد و وارستہ مزاج ہو دنیا میں عشق و محبت کے پھندے سے نہیں
بچوٹ سکتا۔

ہے پرے سرحد دراک سے اپنا بکود قبلہ کو اہل نطفہ قبلہ ناکتے ہیں
قبلہ پر قبلہ ناکا اطلاق ظاہر امرزاکے سوا کسی نے نہیں کیا۔
راؤ معشوق نہ رسوا ہو جائے ورنہ مر جانے میں کچھ بھی نہیں
بھید کے معنی پوشیدہ بات کے ہیں، خواہ پوشیدہ مصلحت ہو، اور خواہ پوشیدہ قباحت ہو۔ یہاں پوشیدہ
قباحت مراد ہے اگر مر جانے کی جگہ نہ مرنے کا لفظ ہوتا تو بھید کے معنی پوشیدہ مصلحت کے ہو جاتے۔
کہتے ہیں جیتے ہیں امید بے لوگ ہمکو مینے کی بھی امید نہیں
یہ شعر صعل و منتع ہے اس زمین میں اس سے بہتر شعر نانا شکل ہے۔
کل کے لئے کراچ نہ خست شرابیں یہ سوزن ہے ساقی کوثر کے بابیں
یعنی آج اس خوف سے شراب دینی کہ کل نہ ٹپکی ساقی کوثر کی قیامتی پر سوزن کرنا ہے۔
نا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر آئے کا دھندہ کر گئے آئے جو خواب میں

قاصد کے آتے آتے خطا اکر لکھوں میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
دوسرے مصرع میں بطور طعنے لکھا ہے کہ جو کچھ وہ جواب میں لکھیں گے مجھے معلوم ہے، یعنی وہ کچھ نہیں
لکھنے کے۔ اسلئے قاصد کے واپس آنے سے پہلے ایک اور خط لکھ رکھوں۔

تحت تک کب آنکے بزم میں آتا تھا دو بزم ساتی نے کچھ ملا زویا ہو شراب میں
اس شعر میں پہلے مصرع کے بعد اتنا جملہ مذکور ہے: ”پھر آج جو عکالت عادت جام کی نوبت پھر تک
پہنچی ہے“ اس مضمون نے شعر کا رتبہ بہت بلند کر دیا ہے ایسا صحت۔ جس پر تریہ دلالت کرتا ہو
اور جو الفاظ صحت کئے گئے ہیں وہ بغیر ذکر کئے دونوں مصرعوں میں بول رہے ہوں مختصات شعر
میں شمار کیا جاتا ہے۔

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
یہاں لگاؤ سے مراد لگاؤ ہے یعنی عشق کا عاشق کے ساتھ ایسا بڑاؤ کرنا جس سے اسکا
انفقات اور میلان طبع پایا جائے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ دوست کی لاکھوں لگاؤ میں ایک طرف
اور ایک نگاہ کا چرانا ایک طرف۔ اور اس کے لاکھوں بناؤ سنگار ایک طرف، اور ایک عتاب میں
بگڑنا ایک طرف۔ یہ شعر بھی سہل و متنس ہے۔ اگر الفاظ کی طرف دیکھئے تو تعجب ہوتا ہے کہ کیونکر ایسے
دو ہم پے مصرع ہم پہنچ گئے جن میں حسن ترصیح کا پورا پورا حق ادا کیا گیا ہے۔ اور اگر سنی پر نظر کیجئے
تو ہر ایک مصرع میں ایک ایسا معاملہ بانڈھا گیا ہے جو فی الواقع عاشق و معشوق کے درمیان ہمیشہ
گزرتا رہتا ہے معشوق کی لگاؤ عاشق کے لئے بہت بڑی چیز ہے، مگر اسکا آنکھ چرانا جو لگاؤ
کی ضد ہے وہ عاشق کی نظر میں لگاؤ سے بہت زیادہ دلفریب و دلادیز ہوتا ہے۔ اس طرح

بناؤ سنگار سے معشوق کا حسن بے شک دو بالا ہو جاتا ہے، مگر اسکا قصہ میں بگڑنا اس کے بناؤ
سے بہت زیادہ خوشنما اور دلربا معلوم ہوتا ہے۔ اس شعر کے متعلق یہ سب ظاہری اور ادبی باتیں
ہیں جو ہم لکھ رہے ہیں؛ اسکی اصل خوبی و عذرائی ہے جسکو صاحب ذوق کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔
ایک روز مولانا آزاد مرحوم کے روزہ کسی نے یہ شعر پڑھا چونکہ مولانا نہایت صاف اور سیرج انھیں
اشعار کو پسند کرتے تھے، اس لئے مرزا کا کلام سنکر اکثر بھٹکتے تھے اور انکی طرز کو ہمیشہ نام رکھتے تھے۔ مگر اس
روز اس شعر کو سنکر عذر کرنے لگے اور تعجب بڑھ کر پوچھا کہ یہ کب کا شعر ہے؟ کہا گیا کہ مرزا غالب کا۔ چونکہ
وہ مرزا کے شعر کی کبھی تعریف نہیں کرتے تھے، اور اس روز لا علمی میں بے ساختہ انکے منہ سے
تعریف نکل گئی تھی، غالب کا نام سنکر بطور مزاح کے جیسی کرائی عادت تھی فرمایا: ”ہیں مرزا کی کیا
تعریف ہے یہ تو خاص ہماری طرز کا شعر ہے“، مگر فی الحقیقہ یہ شعر بھی معنی و لفظاً دسیاسی اچھا اور
نرالا ہے جیسا کہ مرزا کا تمام کلام کسی کے کلام سے میل نہیں کھاتا۔ جہاں تک کہ ہر کو معلوم ہے اسلئے
بیان آج تک اس عمدگی کے ساتھ کسی کے کلام میں نہیں دیکھا گیا۔

نہیں ہے رخسار عکاس دیکھئے تھے نے ہاتھ بال پر ہے نہ پا ہے رکاب میں
سوار کی بے اختیاری اور گھوڑے کا اس کے قابو سے باہر ہونا چابک سواروں کی زبان میں اس سے
بستریاں نہیں ہو سکتا اور عکرا ایسے بے قابو گھوڑے سے تشبیہ دینا حسن تشبیہ کا حق ادا کر دیتا ہے
آتنا ہی جھکوا اپنی حقیقت سے بعد ہے جتنا کہ وہم غیر سے ہوں پیچ و تاب میں
غیر سے یہاں ماسوی اللہ مراد ہے۔ جو صوفیہ کے نزدیک بالکل معدوم ہے۔ کیونکہ وہ وجود واحد کے
سوا سب کو معدوم سمجھتے ہیں۔ لکھا ہے کہ حسن قدر وجود ماسوی کے وہم سے رات دن پیچ و تاب میں

رہتا ہوں اتنا ہی مجھے اپنی حقیقت یعنی وجود واجب سے بعد ہے۔

ہے مشعل نمود صور پر وجود مجسمہ یہاں کیا طرح قطرہ و موج و جاب میں
وعدت وجود و کثرت مہم کی تشیل ہے قطرہ و موج و جاب کچھ و تاجیز ہونے کو ایک عام
محاورے میں اسطرح ادا کرنا کہ "یہاں کیا و چرا ہے" مناسبت بلاغت ہے۔

غالب نیرم دوست سے آتی ہو پوی دوست
مشعل حق ہوں بند گئی بوترا ب میں
چھوڑاؤ رشک کے گڑے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہاؤں کہہ کر کوئن
چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے تگ
پہچاتا نہیں ہوں ابھی راہبر کوئن

طالب راہ خدا کو جو حالت ابتدا میں پیش آتی ہے اسکو اس تشیل میں بیان کیا ہے۔ طالب اول اہل
جس شخص میں کوئی کرشمہ یا وجہ و سلع و جوش و فروش دیکھتا ہے اسی کے ہاتھ پر بیت کرنے کا
ارادہ کرتا ہے؛ اور اس کے ساتھ ساتھ پھر تا ہے پھر جب کوئی اس سے بڑھ کر نظر آتا ہے تو اسکا تعجب
کرتا ہے؛ و نگہم جزا۔ اور جو اس تہذیب اور نزول کی ہی ہوتی ہے کہ وہ کا ملین کو پہچان نہیں سکتا۔

قطرہ اپنا ہی حقیقت میں ہے اور پائین
ہم کو تفسیر تنگ فرماتے شعریں
کوئے کس شہ سے ہو غرت کی شکایت کا
ختم کو بے مری یا ران وطن پائین
دو دو جان دیکے وہ سجھے یہ غرض را
یہاں آچھی یہ شرم نہ کر لیا کر لیا

اپنی خزانہ و ملکی اور اس کے ساتھ شرافت نفس کا اظہار ہے؛ یعنی میں جو دو دو جان لیکر خاموش ہو رہا
اسکا سبب یہ نہیں تھا کہ میں ان پر غلغلا ہو گیا؛ بلکہ مجھ کو زیادہ مانگنے اور نہ کر کرنے سے شرم آئی اس لئے
خاموشی اختیار کی۔

تھک تھک کے ہر مقام پر دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچا رکھا کریں
میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تھی
تھکے ستم طریق نے مجھ کو اٹھا دیا کریں
ستم طریق وہ طریق جسکی غرافت کے ساتھ ظلم بھی ملا ہوا ہو۔ مطلب شکر کا یہ ہے کہ میں نے توجہ کی غیر
مجھ کو کھاتا تھا کہ اپنی محض غیر سے خالی ہونی چاہیے؛ اسے یہ سن کر مجھے بزم سے اٹھا دیا؛ یعنی یہاں ایک
نوی غیر نظر آتا ہے۔

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بانی کا گر
عشق کا اسکو گماں ہم بیرون نہیں
قیامت ہے کہ سن لیلے کا دست نہیں
نعب سے وہ دہلایوں بھی ہوتا ہوا نہیں
وہ آئیں گھر میں ہمارے خالی ہوتا ہے
کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اپنے گھر میں مشرق کے کٹے سے جو عجب و عبرت ہوتی ہے دوسرے صرح میں اسکی کیا عمرہ تصور کھینچی
ہے۔ یعنی کبھی مشرق کو دیکھتا ہے؛ اور کبھی اپنے گھر کو دیکھتا ہے؛ کہ اس گھر میں اور ایسا شخص نہ ہوا

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں
کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں
جہاں میں ہو غم و شادی ہم ہیں کیا کام
دیبا ہے ہمو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں
یارب زمانہ مجھ کو مٹا ہے کس لئے
یوح جہاں پر حرف مکر نہیں ہونیں
صد چاہتے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گناہگار ہوں کا فرینس ہونیں
سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ نہایت نہیں
تیر میں بیعت نے لی گوئی و شف کی خبر
لیکن آنکھیں دنوں ہوا زناں نہیں

بیعت کی آنکھوں کو روزن دیوار زناں قرار دیا ہے کیونکہ جس طرح روزن زناں ہر وقت پر غفلت پر

کشاہ رہتا تھا اسی طرح یعقوب کی آنکھیں شب در ذیوسف کی طرف نگراں رہتی تھیں۔
 نیند اسکی ہے داغ اسکا ہے اتنی اسکی ہیں جیسے بازو پر تری زمین میں آنکھیں
 وہ نگاہیں کیوں ہوتی جاتی ہیں ایسے لکے بازو جوری کو باہی سخت سے ترگاں ہوتیں
 ترگاں ہوں گے ترگاں ہونے سے یہ مراد ہے کہ شرم و حیا کے سبب اور پریشانی میں، بلکہ ہلکوں کی طرح
 ہر وقت نیچے کو جھکی رہتی ہیں۔

وہاں گیا بھی میں آنکی گالیوں کا کیا جڑا یاد نہیں تہنی دعائیں مٹ دیاں گئیں

یعنی اب نئی دعا تو کوئی ذہن میں باقی نہیں رہی اور وہی مستعمل دعائیں جو زبان کو دے چکا ہوں
 دوست کے حق میں صرف کرنے کو بھی نہیں چاہتا۔ اس شعر میں جو اصل خوبی اور لطافت ہے
 وہ یہ ہے کہ گالیوں کے جواب میں دعائیں دینے کو ایک ایسی معمولی اور ضروری بات ہونا چاہیے
 کہ نہ کہے کہ گویا اسکو ہر شخص ضروری جانتا ہے؛ کیونکہ سب سے حیراں ہو کر پوچھتا ہے کہ تباہ آنکی
 گالیوں کا کیا جواب دو گا جبکہ دعائیں سب بڑے چلیں۔

ہم مودت میں ہمارا کیش ہے ترک رسوم تہیں جب بے گنیں ابراہیم یاں گئیں
 تمام ملتوں اور مذہبوں کو بھلے دیگر رسوم کے قرار دیتا ہے۔ جن کا ترک کرنا اور بٹانا مودت کا اصل
 مذہب ہے؛ اور کہتا ہے کہ یہی ملتیں جب بٹ جاتی ہیں تو ابراہیم ایمان بجاتی ہیں۔

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں ابراہیم دیوانہ گزشتیں ہے تو ہیشا رہی نہیں
 جب جہاں دل فردز صورت مہر نمودز آپ ہی ہنظارہ نمودز میں ہنچا پڑی گوں
 حقیقت و مجاز دونوں پر محمول ہو سکتا ہے۔

قدحیات و بنغم اصل میں تو ایک ہیں موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پا کر کیوں
 حسد سے دل اگر خسروہ ہے گرم تاشا کہ چشم تنگ شاید کثرت نقارہ سے داہ

یہ محض خیالی مضمون نہیں ہے؛ بلکہ حقیقت واقعی کو ایک نیا عین عہد پر اسے میں بیان کیا ہے۔ فی الواقع
 جب انسان گھر کی چار دیواری میں محصور دنیا کے حالات سے ناواقف، اور لوگوں کی ترقی و
 منزل کے اسباب سے بے خبر ہوتا ہے تو اپنی محدود جماعت میں سے کسی کو عہدہ حالت میں
 دیکھ سکتا؛ لیکن جس قدر اسکا دائرہ تعارف زیادہ وسیع ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس پر یہ بات
 اٹھتی جاتی ہے کہ لوگوں کی خوشحالی محض اتفاقی نہیں ہے۔ جس پر حسد و رشک کیا جائے۔ بلکہ
 انکی محنت و تدبیر کا نتیجہ ہے؛ اور اس لئے انصاف اور فیاضی اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے؛
 اور وہ خود بھی کوشش و تدبیر کی طرف مائل ہوتا ہے اور بجائے حسد و رشک کے اوروں کی
 زمین اور سرزمین کرنے پر متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس منقول بات کو ایک محسوس تغیل میں بیان
 کرتا ہے کہ "چشم تنگ شاید کثرت نقارہ سے داہو" جس طرح شعرا نے بخل کے دل کو
 تنگ باندھا ہے اسی طرح حاسد کی آنکھ کو تنگی کے ساتھ موموت کیا ہے۔

کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں بھولا ہوں حق صحبت اہل کشت کو
 ہوں منحرف نہ کیوں رہ دہم صواب سے بیڑھا لگا ہے قلم سر نوشت کو
 آئی اگر بلا تو جگہ سے ملے نہیں ابراہیم دیکھ ہنسنے بچا یا ہے کشت کو
 خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشا کش میں کبھی میرے گریباں کو کبھی جانان کے دامن کو
 نہ گشتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر توتا رہا کھٹکانہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہن کو

جب میکہ چٹا تو پھر کیا جگہ کی قید مسجد ہو در سہ ہو کوئی خانقاہ ہو
 اس شعر میں ازراہ تہذیب اس کام کا ذکر نہیں کیا جسکے کرنے کے لئے مسجد و در سہ و خانقاہ
 کو مساوی قرار دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میکہ۔ جہاں حریفوں کے ساتھ شراب پینے کا علف تھا۔
 سب وہی چھٹ گیا اب مسجد میں مل جائے تو اور در سہ و خانقاہ میں اٹھ آجائے تو سب جگہ یعنی
 برابر ہے۔ مسجد وغیرہ کی تفسیر ازراہ شوخی کے کی گئی ہے؛ یعنی یہ مقامات جو اس شغل کے بالکل
 لائق نہیں ہیں وہاں بھی میکہ چھٹنے کے بعد پی لینے سے انکار نہیں ہے۔ اور شراب پینے
 کی تصریح نہ کرنا عین مقتضایہ بلاغت ہے۔
 سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب دیتے لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو
 اس شعر کو حقیقت و مجاز دونوں پر محمول کر سکتے ہیں۔
 جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو
 اس دن کی سیاہی کسی ہرگی جسکے آگے رات بھی دن معلوم ہوتی ہے۔
 یہ کہہ سکتے ہو؟ ہم دل میں نہیں ہیں۔ پر یہ بتلاؤ کہ جب دل میں نہیں تم ہو تو آنکھوں کے نال کھینچو
 اس شعر میں مخاطب معشوق حقیقی ہے۔
 مے سے غرض نشا ہے کس و سیاہ کو اک گونہ بخود ہی مجھے دن رات چاہئے
 رہے اس شرف سے آزرہ ہم چند محکف سے تعلق بطرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی
 مرے دلیں ہے غالب شوق وصل نہ تکرہ ہر جا خدا دا دن کرے جو اس سے یقین بھی کہوں بھی
 غم دنیا سے گریانی بھی فرصت آٹھانے کی فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

یعنی جب غم دنیا سے سر اٹھانے کی فرصت ملتی ہے تو سر اٹھاتے ہی آسمان پر نظر پڑتی ہے
 اور چونکہ وہ جفا پیشہ ہے اسکے دیکھتے ہی تو یاد آ جاتا ہے۔ اب در سہ غم شروع ہو جاتا ہے۔ غم
 کسی حالت میں غم سے نجات نہیں۔

ایک جا حرف وفا لکھا تھا سبھی بٹ گیا ظاہر کا غد ترے خط کا غلط بردار ہے
 غلط بردار اس کا غد کو کہتے ہیں جس پر سے حرف باسانی لزلک وغیرہ سے اڑ سکے، اور کا غد پر اسکا
 نشان باقی نہ رہے۔ مگر بیاں اندازہ ظرافت غلط بردار کے یہی لئے ہیں جس پر سے حرف غلط
 خود بخود اڑ جائے۔ کتاب ہے کہ تو نے اپنے خط میں مرث ایک جگہ حرف وفا لکھا تھا سودہ بھی بٹ گیا
 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکے خط کا کا غد غلط بردار ہے۔ کہ جو بات سچے دل سے اُس پر نہیں لکھی جاتی
 وہ خود بخود بٹ جاتی ہے۔

ہے وہی بدبستی ہرزہ کا خود عذر خواہ جسکے جلوے سے زمین آسمان کا راز
 ہرزہ یعنی ہر مخلوق۔ عذر خواہ معافی چاہنے والا، یا معذور رکھنے والا۔ اس شعر میں دعویٰ اسے
 طریقے سے کیا گیا ہے کہ خود دعوے متعین دلیل واقع ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذرات عالم یعنی ممکنات
 جو فی الحقیقت معدوم محض ہیں۔ ان کی بدستی و غفلت کا عذر خواہ وہی ہے جسکے پر تو وجود سے یہ
 تمام معذرات وجود کا دم بھرتے ہیں۔

پہن میں گزرتے ہیں جو کوچر سے وہ سیر کندھا بھی کہا روں کو بدینے نہیں دیتے
 قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
 کچھ تو دے اے فلک نا انصاف آہ و منہ راہ کی رخصت ہی سہی

بادہ دوشینہ یعنی رات کی پی ہوئی شراب جو مرے سے پہلے پی تھی مجھ سے اذراہ شوخی کے کتاب ہے کہ
گمیرین کے سوال و جواب سے بچنے کی کوئی تدبیر اسکے سوا نہیں کہ شراب پی کر مرے تاکہ گمیرین اُٹکی
بوکی کراہت سے بغیر سوال جواب کئے چلے جائیں۔

جلاوے دڑتے ہیں نہ دعا عطا سے جھگڑتے ہم بچے ہوئے ہیں انجو جس بھیس پہنچے
گو یا خدا کے سوا کسی کو نہیں جانتے۔

بے عقد ایوں سے سبک سب میں ہم ہے جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے
پہناں تھا و ام حنت قریب آشیان کے اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
چھوڑی آسندہ بھنے گدائی میں دل لگی سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے
سایے کی طرح ساتھ پھریں سرو صوبہ تو اس قدر لکھن سے جو گلزار میں آوے
دے مجھ کو نکایت کی اجازت کہ ستمگر کچھ بھکو مزا بھی مرے آزار میں آوے
حسن مہر گرچہ بنگام کمال آچھا ہے اس سے میرا مہر خوردشید جال آچھا ہے
دوسرے مصرع میں دعویٰ متفنن دلیل ہے مستحق کو بہر خوردشید جال اس لئے کہا ہے تاکہ اسکو کا دل
پر ترجیح دینے کی وجہ پیدا ہو جائے۔

برسہ تیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ جی میں کہتے ہیں کہ گفت آئے تو مال آچھا ہے
بے طلب دیں تو مزا امیں سوا ملتا ہے وہ گدا جسکو منو خوے سوال آچھا ہے
انکے دیکھے سے جو آجاتی ہے رونق نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال آچھا ہے
اسی کے قریب قریب سعدی کا بھی ایک شعر ہے وہ کہتے ہیں ”گفتہ بودم جو بیانی غم دل آتو گویم“

چہ گویم کہ غم از دل برد و چون تو بیانی، دونو کا حاصل یہ ہے کہ کسی طرح اپنی تکلیف یا رخ مشرق پر
ظاہر نہیں کر سکتے مگر سعدی کے بیان میں یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ شاید مشرق عاشق کی ظاہری
بد حالی دیکھ کر سمجھ جائے کہ اسکا دل منوم ہے کیونکہ سعدی کے بیان سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے
کہ مشرق کے آنے سے غم جاتا رہتا ہے نہ یہ کہ ظاہری حالت بھی بدل جاتی ہے مگر مرزا کے بیان میں
یہ احتمال باقی نہیں رہتا بلکہ سعدی کے شعر کو بھال مرزا کے شعر پر ترجیح دینی چاہئے کیونکہ
افضل للتقدم۔

دیکھئے پاتے ہیں شاق توں کیا فیض اک برہن نے کہا ہے کہ یہ سال چھا ہے
گویا مشرق کی تمنا میں ایسا مستغرق ہے کہ دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں یہاں تک کہ پنڈت نے جال
کو آچھا بتایا ہے تو اسکے آچھا ہونے کے یہی معنی سمجھا ہے کہ شاید اس سال مشرق عاشقوں پر مہربان
ہو جائیں نہ یہ کہ اس سال قحط نہیں پڑے گا یا وہ انیس آنے کی یا لڑائیاں نہیں ہوگی وغیرہ وغیرہ۔
ہمکو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن دل کے بھلانے کو غالب یہ خیال آچھا ہے
پڑ ہو نہیں شکوے یوں راگ سے جیسے بابا اک ذرا چھیر بیٹے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے
کیوں نہ تھیریں ہون تاوک بیدا دکھم آپ اٹھا لاتے ہیں گرتیر خطا ہوتا ہے
رکھو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں مٹا آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے
دگوں میں دڑتے پھر نے کے ہم نقل جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر ہو گیا ہے
وہ چیز جس کے لئے ہمکو بہشت عزیز سوا سے بادہ گلغام مشک ہو گیا ہے
میری قسمت میں عشم گزانا تھا دل بھی یارب کنی دیے ہوتے

اے وحال بھی شورِ محشر نے زوم لینے دیا
لے گیا تھا گو میں ذوقِ تن آسانی مجھے
دعدہ آنے کا وفا کجھے یہ کیا انداز ہے
تنے کیوں سوچی ہے میری گھر کی زبانی مجھے
دفا سے وعدہ کے انتظاریں گھر سے کہیں نہ جانے کو اس طرح بیان کرنا کہ تنے میرے گھر کی در بانی مجھے
سوچ دی ہے بالکل نیا پر ایہ بیان ہے۔

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے
عشق سے آتے تھے نافع میرا صاحب مجھے
کبھی نیکی بھی اسکے جی میں گرا جاوے مجھے
جفا میں کس کے اپنی یاد شرم جائے ہو مجھے
یعنی اس خیال سے کہ تمام عمر اس پر ظلم کئے ہیں اب تھوڑی سی نیکی کرنے سے اسکی کیا تلافی ہو سکتی ہے نیکی
نہیں کر سکتا۔

بہنہ دے مجھے انو امیدی کیا تھی
کہ دامنِ خیالِ بار چھوٹا جائے ہے مجھے
ہوئے ہیں بانوی پہلے نہ در عشق میں رنجی
نہ بھاگا جائے ہو مجھے نہ ٹھیکر جاوے مجھے
اوسیں جبرانی کیفیات کی تیش محسوسات کے ساتھ دی گئی ہے مطلب یہ کہ وہ عوسے جن سے عشق
کے ترک کرنے یا اسکے شدائد پر تحمل کرنے کی قدرت تھی ابتداء سے عشق میں انھیں کو صد پرہیز ہے کہ
اب عشق ترک ہو سکتا ہے نہ اسپر صبر و تحمل کیا جاسکتا ہے۔

باز بچہ اطفال ہے دنیا بے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا ہے آگے
اک کھیل ہے اور نگِ سلیمان سے نزدیک
اک بات ہے اعجازِ سیما ہے آگے
وہ بیشتر سی پر دل میں جب تر جائے
نگاؤ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کئے
سفینہ جبکہ کنا رے پر آگاہ غالب
خدا سے کیا ستم و جوہرِ خدا کئے

رونے سے اور عشق میں مہیاک ہو گئے
دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے
دھویا جانا۔ بے شرم و مہیاک ہونا۔ پاک۔ آزاد یا شہداء۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک کلمہ سے آنسو نہیں
نکلے تھے تو اس بات کا پاس و لحاظ تھا کہ عشق کا راز کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے مگر جب روزِ اضواء ہو گیا
اور ہر وقت آنسو جاری رہنے لگے تو خفا سے رازِ عشق کا خیال جاتا رہا اور ایسے بے شرم و بے حجاب
ہو گئے کہ آزادوں اور شہداء کی طرح کھل کھیلے اس مطلب کو ان لفظوں میں ادا کرنا کہ درونے سے آگے
دھوئے گئے کہ بالکل پاک ہو گئے، بلاغت اور حسن بیان کی انتہا ہے۔

کرنے لگے تھے اس تعافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے
شاہِ حقیقی کا جو معاملہ غیر عشاق کے ساتھ ہے اسکو تعافل کے ساتھ اور عشاق کے معاملے کو نگاہ
کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ سحابی بھی کہتا ہے
رباعی

اے زائد و عاشق از تو درنا را رواہ
دور تو و نزدیک ترا حال تباہ
کس نسبت کہ جان از تو سلاست ببرد
اں را بہ تعافل کشی این را بہ نگاہ
پس شعرا کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اسکے تعافل سے تنگ کر شکایت کی تھی اور اسکی توجہ کے خواہگار
ہوئے تھے جب آئے توجہ کی تو ایک ہی نگاہ میں ہم کو فنا کر دیا۔

جب تنگ بانِ خم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھے راہِ سخن واکرے کوئی
مورثہ کی اصطلاح میں محاورت اور مسامت (یعنی عباد اور عبود کے درمیان گفتگو ہونا) اور مرتبے ہیں جو
کاملین اور عرفا کو حاصل ہوتے ہیں کہتا ہے کشاہرِ حقیقی کے ساتھ اس معمولی لب و دہن سے آج

نہیں ہو سکتی بلکہ اسکے لئے وہاں زخم پیدا کرنا چاہئے یعنی جب تک دل تجھ عشق سے بھری ہو تو یہ شہ
حاصل نہیں ہو سکتا۔

مسر ہوئی نہ وعدہ صبر آنا سے عمر فرصت کہاں کہ تیری تناکرے کوئی
یعنی ساری عمر تو صبر کی آزمائش ہی میں گذر گئی پھر تیرے لئے کی تناکرے کی بجائی۔

بات پر دھاں زبان کھتی ہے وہ کہیں اور تناکرے کوئی

نہ سنو گزرا کے کوئی نہ کو گزرا کرے کوئی

روک دو گر غلط چلے کوئی ڈھانک لو گر خطا کرے کوئی

کیا کیا خطر نے سکندر سے اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب کیوں کیا گلا کرے کوئی

ہزاروں خواہشیں الٹی ہیں خوشی و غم کے بہت کچھ ہر زمانہ لیکن پھر بھی کم نکلے

خواہش پر دم نکلتا اسکے پورے ہونیکے لئے جلدی کرنا چاہئے کہتے ہیں کیوں دم نکلا جاتا ہے یا کیوں سرے

جاتے ہو یعنی کیوں جلدی کرتے ہو پہلے مصرع میں بقصائے مقام یہ الفاظ کہ در ذل میں باقی ہیں

مقدربانے چاہئیں باقی شعر کے معنی صاف ہیں۔

نکلتا غلبہ آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن بہت کچھ ہو کر رہے کوپے سے ہم نکلے

دوسرے مصرع میں بہت کے لفظ پر زور دینا چاہئے تاکہ آدم کی نسبت زیادہ بے پردگی کے

ساتھ نکلتا ثابت ہو۔

بھوم کھلبائے ظالم تیری قامت کی رازی اگر افسانہ پیرچہ زخم کا بیج و خم نکلے

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا اسی کو دکھلکھاتے ہیں جب کا فریاد نہ نکلے
کہاں بچانے کا دروازہ غالب کہاں غلط پراتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ نکلے

تج آہری ہے وعدہ دلدار کی مجھے وہ آئے یا نہ آئے یہ بھال انتظار ہے

اسے پر تو خورشید جانا تک ہر صبح سائے کی طرح ہم پر محبت وقت پر ہے

یہ خطاب ہے آفتاب حقیقت کی طرف، کتا ہے کہ جیسا سایہ ششم پر چڑھے اور فی الواقع اسکی کچھ

ہستی نہیں ہے اسی طرح ہم بھی اس دھوکے میں پڑے ہیں اگر آفتاب حقیقت کی کوئی بجلی ہم پر

لگے تو نکلے ہو جائے تو یہ دھوکا جاتا رہے اور ہم فنا فی اللہ ہو جاویں، کیونکہ جہاں آفتاب چمکا اور

سایہ کا فور ہوا۔

اگر خوشچکان کفن میں کروں بناؤ ہیں پڑتی ہے آگ تیرے شہیدوں پر جو کی

یہ شعر حقیقت و مجاز دونوں پہلو رکھتا ہے، مگر نسبت مجاہد کے حقیقت پر زیادہ چسپان ہے،

واعظانہ نمبر یونہی کہ سیکو پاسکو کیا بات ہے تمہاری شراب طہو کی

ایسا فرض ہے کہ سب کو کٹا گیا جو بہ آؤ نہ ہنسہم بھی سیر کریں کہہ طور کی

گرمی سہی کلام میں لیکن اس قدر کی جس سے بات اُنہی شکایت ضروری

غالب اگر اس سفر میں مجھے ساتھ چلیں حج کا ثواب نذر کرو گنا حضور کی

اس شعر سے مراد کی کمال شوخی طبع ظاہر ہوتی ہے۔ یہ غزل اس زمانے میں لکھی تھی جبکہ

بہادر شاہ مرحوم کا ارادہ حج کو جانے کا تھا۔ مرزا اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ جانے کا کمال

اشتیاق ظاہر کرتے ہیں، یہاں تک کہ اسکے لئے منت ماننے ہیں، مگر منت یہاں سے نہیں کر چکا

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

نواب حضور کی نذر کرونگا۔ اُدھر سفر جگادہ اشتیاق اور ادھر حج کے ثواب کی یہ بقدری۔

غم کھانے میں بودا دل کا مہم ہے
یہ رنج کہ کم ہے ہے گلفام بہت ہے
کتے ہوئے ساتی سے جی آتی ہے جھکو
ہے یوں کہ مجھے دردِ ہجام بہت ہے

یعنی قناعت کا تو یہ حال ہے کہ شراب کی تلچٹ بھی میرے لئے کافی ہے مگر اس خیال سے کہ ساتی
مجھے ذلیل و کم ہمت اور قلع بھج نہ سمجھے اُسپر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دیتا۔

نئے تیرکام میں ہے نہضیا و کیں میں
گوشتے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

یعنی جو شخص گمنامی اور کس پرسی کی حالت میں ہوتا ہے اُسکا کوئی دشمن اور بدخواہ نہیں ہوتا ساری
خرابیاں شہرت اور اقتدار اور نام و نمود کے ساتھ وابستہ ہیں۔

بلا سے گرفتار قشرہ رتوں ہے
رکھوں کچھ اپنی بھی مرگانِ خفتن کھلے

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں قتلِ خلقِ خضر
نہ تم کہ چورینے عمر جاوداں کے لئے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کوئے قفس میں فراہمِ حشرِ انشیاں کے لئے

اس سے زیادہ کوشش کی سختی کسی پیرائے میں بیان نہیں ہو سکتی۔

گدا سمجھے وہ چپچٹا مری جو شہادت ہے
اٹھا اور اٹھکے قدم بیٹے پاسبان کیلئے

اور وہ غزل میں ایسے بلیغ اشعار شاید دوسری جگہ اور نکلیں گے۔ مولانا آرزو جو مرزا کی طرز کو نام

رکھتے تھے وہ بھی اس شعر کے انداز بیان پر پروا نہ تھے۔ ہنر مقدس میں بھی اس شعر پر کچھ بیک

کیا ہے یہاں اُسکی ایک اور خوبی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جو واقعہ مرزا نے اس شعر میں

بیان کیا ہے اُس میں دو باتوں کی تصحیح کرنی ضروری تھی ایک یہ کہ پاسبان نے قافل کے ساتھ کیا سلوک

کیا دوسرے یہ کہ قافل پاسبان سے چاہتا کیا تھا سو یہ دونو باتیں بھراحت بیان نہیں کی گئیں صرف
کنا یہ میں ادا کی گئی ہیں مگر بھراحت سے زیادہ وضوح کے ساتھ فوراً سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ پہلی
بات پر لفظ شامت اور دوسری پر قدم لینا صاف دلالت کرتا ہے۔ اس کے سوا روزمرہ کی نشست
اور الفاظ کی بندش اور ایک وسیع خیال کو دو مصرعوں میں ایسی خوبی سے ادا کرنا کہ غز میں بھی اُس
طرح ادا کرنا مشکل ہے یہ سب باتیں نہایت تعریف کے قابل ہیں۔

اس غزل کے اخیر میں چند شعر نواب فرخ آباد کی مع میں لکھے ہیں جنہوں نے مرزا کو نہایت
اشتیاق کے ساتھ فرخ آباد میں بلایا تھا مگر غالباً مرزا کا دماغ جانا نہیں ہوا اُن مدحیہ اشعار میں
صرف دو شعر اس مقام پر لکھے جاتے ہیں۔

دیا ہے اور کبھی تباؤ سے نظر نہ لگے
بنا ہے عیشِ تجملِ حسینِ خاں کے لئے

زمانہ عہد میں ہے اُسکے محوِ آتش
نہیں گے اور ستارے اب ہماں کے لئے

قطعات

قطعه ۱

یہ وہ قطعہ ہے جو مرزا نے بادشاہ کی حضور میں اس درخواست سے گزرا تا تھا کہ اُمّی تنخواہ چو
شہابی گزرنے پر اکھٹی چھ مہینے کی ملازمت تھی وہ ماہ بہ ماہ ملا کرے چنانچہ اس درخواست کے موافق
تنخواہ ماہ بہ ماہ ملتے لگی تھی۔

اے شہنشاہِ آسمان اورنگ
اے جہاندارِ آفتابِ انار

تھامیں اک مینواسے گوشہ نشین
تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
کہ ہوا مجھ سا ذرہ ناچسینہ
گرچہ از دوے تنگ بے ہنری
کہ اگر اپنے کو میں کموں حب کی
شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہہوں
حسانہ زاد اور مرید اور مداح
بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر
نہ کموں آپ سے تو کس سے کموں
پیر و مرشد! اگرچہ مجھ کو نہیں
کچھ تو چارٹے میں چاہیے آخر
کچھ خریدا نہیں ہے ابکے سال
رات کو آگ اور دن کو دھوپ
آگ تاپے کہاں تلک انسان
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی
تھامیں اک درد مند سینہ نگار
ہوئی میری وہ گرے بازار
روشناسی ثوابت و ستار
ہوں خود اپنی نظریں اتنا خوار
جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
بادشاہ کا عہد نام کار گزار
تھا ہمیشہ سے یہ عینہ نگار
نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
مدعاے ضروری الاظهار
ذوق آرائش سر و ستار
جسم رکھتا ہوں۔ ہے اگرچہ تزار
کچھ جایا نہیں ہے ابکی بار
بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نهار
دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار
دقتا رہتا عذاب النار

۴ بادشاہ کی ملازمت سے پہلے بھی مرزا کی آمد و رفت قلعوں میں جاری تھی اور مرتبہ قیصر کے برابر بادشاہ کے ہاں
گزارتے تھے اور ملت پاتے تھے ۱۲

میری تنخواہ جو معتد رہے
رسم ہے فردے کی چھ ماہی ایک
مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقید حیات
بلکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرص
میرے تنخواہ میں بٹائی کا
آج مجھ سانس زمانے میں
رزم کی داستان گریںے
بزم کا التزام گرتے کچے
ظلم ہے گردن و سخن کی داد
آپ کا بندہ اور پھروں تنگا
میرے تنخواہ سبجے ماہ بہ ماہ
ختم کرتا ہوں اب دعا پر کلام
تم سلامت رہو ہزار برس
اُس کے مٹنے کا ہے عجب بھار
خلق کا ہے اسی چلن پیدار
اور چھ ماہی ہو سال میں بار
اور رہتی ہے سود کی تکرار
ہو گیا ہے شریک ہو کار
شاعر فقر گسے خوش گفتار
ہے ندیاں میری تیج جو ہر دار
ہے قلم میری ابرو ہر بار
قلم گر کرو نہ مجھ کو پیار
آپ کا نوکر اور کھاؤں و حار
تا نہو مجھ کو زندگی دشوار
شاعری سے نہیں مجھے سروکار
ہر برس کے ہوں نچاس ہزار

قطعہ ۲

گو ایک پادشاہ کے سبب نہ زاد ہیں
در بار دار لوگ ہم آشنا نہیں

۴ شاعری سے مراد یہاں صفت شاعرانہ ہے جو کہ یہ قلم مرزا نے اپنے خاص طرز کے خلاف بہت سیدھا سادہ لکھا ہے تو دعا
بھی ایسی ہی سیدھی سادی ہے جس میں کسی طرح کی صفت شاعرانہ نہیں ہے ۱۲

کانوں پہ ہاتھ رکھتے ہیں کرتے ہوئے سلام ہے اس سے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں
پادشاہ کے دربار کا یہ داب تھا کہ آپس میں جو دواں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے تو ہاتھ پر ہاتھ
رکھنے کی جگہ دایاں ہاتھ وائیں کان پر رکھ لیتے تھے۔ چونکہ اردو محاورے میں کانوں پر ہاتھ دھرنے
کے یہ معنی ہیں کہ ہم آشنا نہیں اس لئے مرزا نے اسکو اس پر اسے یہ بیان کیا ہے۔

قطعہ ۳

نہ پوچھ اسکی حقیقت - حضور والا نے مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی رونمائی ہوئی
نہ کھاتے گیہوں - نکلے نہ خلد سے باہر جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسن ہوئی
جب پادشاہ کوئی عمدہ چیز لکھواتے تھے تو اکثر مصاحبین اور اہل دربار کے لئے بطور ادولوش کے
بھیجا کرتے تھے اس کے شکر یہ کہ کبھی کبھی مرزا کوئی قطعہ یا رباعی پادشاہ کے حضور میں گذرانتے
تھے یہ قطعہ بھی اسی قبیل کا ہے۔

جسوقت چو دربار بادشاہی یہ ادولوش لیکر آیا ایک باہر کارہنے والا طالب علم جو مرزا سے کچھ پڑھا کرنا تھا
موجود تھا۔ چو دربار کے چلے جانے کے بعد اسے مرزا سے تعجب ہو کر پوچھا کہ بیسن روٹی ایسی کیا نادر چیز ہے کہ
پادشاہ کی سرکار سے بطور ادولوش کے تقسیم ہوتی ہے؟ مرزا نے کہا "ارے حق! چناؤ چیز ہے کہ اسے
ایکے نہ جناب آئیں میں فرمادی تھی کہ دنیا میں مجھ پر سے ظلم ہوتے ہیں مجھے دلتے ہیں اپیتے ہیں بھوتے
ہیں، پکاتے ہیں، اور مجھے سیکڑوں کھانے کی چیزیں بنا کر کھاتے ہیں۔ جیسا مجھ پر ظلم ہوتا ہے ایسا
کسی پر نہیں ہوتا۔ وہاں سے حکم ہوا کہ اسے چنے تیری خیرابی میں لے کہ ہمارے سامنے سے چلا جاوے؛ ورنہ
ہمارا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ تجھ کو کھا جائیں"

قطعہ ۴

اظہار صوم کی کچھ اگر دست گاہ ہو اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کر
جس پاس روزہ کھانے کو کچھ نہ ہو روزہ اگر نہ کھاوے تو ناچار کیا کرے
مرزا ایک خط میں لکھتے ہیں کہ یہ قطعہ بھی رمضان کے مہینے میں پادشاہ کی حضور میں پڑھا گیا تھا جسکو
پادشاہ اور تمام مصاحبین جو دربار میں موجود تھے بے اختیار ہنس پڑے۔

قطعہ ۵

سہل تھا سہل دے سخت شکل آہری مجھے کیا گذریگی اتنے روز حاضرین ہوئے
تین دن سہل سے پہلے عین سہل کے بعد تین سہل تین تبریدیں سب کے دن ہوئے
ایک شعر میں سہل کے آن تمام دنوں کی تنسیل جنیں حکیم بٹنے پھرنے کو منع کرتے ہیں کس عمدگی سے
بیان کی ہے یہ قطعہ دربار کی غیر حاضری کے عذر میں لکھا ہے۔

قطعہ ۶

یہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام لکھئے جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
ہو انہ غلبہ مستر کبھی کسی پر مجھے کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

رباعیات

رباعی ۱

شکل ہے نہیں کلام میرا اے دل سن سکے اے سخنوران کامل

۱۔ شریک غلبہ میں لکھتے ہیں علامہ درویش شریک غلبہ ہو۔ شریک غلبہ کے لفظ میں جو ظن ہے روزگار ہے۔

اساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گویم مشکل دگر گویم مشکل
اس اخیر کے مضمر میں دوسنی پیدا ہو گئے ہیں ایک یہ کہ اگر انکی فرمائش پوری کروں اور اس شعر
مکمل تو یہ شکل ہے کہ اپنی طبیعت کے اتقنا کے خلاف ہے اور آسان نہ کہوں تو یہ شکل ہے کہ وہ بڑا
بانتے ہیں اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اس باب میں صاف صاف بات کہتا ہوں تو مختور کا مل
کی نافرمانی اور کثرت ذہنی ظاہر کرنی پڑتی ہے اور اگر صاف صاف نہ کہوں تو آپ لازم تھیرتا ہوں یہی طرح ہے

رباعی ۲

بھیجی ہے مجھے جوشاد و جم جاہ نے دال بے لطف عنایت شنشاد پہ دال
یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال
یاد شاہ کے ہاں رنگ کی دال پکا کرتی تھی جو یاد شاہ پسند کھلاتی تھی یہ رباعی اسے شکر میں لکھی گئی ہے

رباعی ۳

حق شر کی بقا سے خلق کو شاد کرے تاشاہ شیوع و دانش و داد کرے
یہ وی جو گئی ہے رشتہ عسیر گانہ ہے صفر کہ افرائش اعداد کرے

رباعی ۴

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے کرتے ہیں دنگ کام کرنے والے
کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ !!! وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے
اس رباعی میں مرزا نے غایت درجہ کی شوخی کی ہے جو بالکل اچھوتی اور نئی طرح کی ہے کہتا ہے
کہ ہم ہر چند دربار کے با اختیار لوگوں کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں مگر وہ ہماری کامروائی میں دنگ

اور لیت و لعل کرتے ہیں ہم اپنے دل میں کہتے ہیں کہ آؤ خدا ہی سے کہیں پھر یہ خیال
آتا ہے کہ اللہ اللہ کرو وہ تو آپ ہی صبح و شام کرنے والے ہیں صبح و شام کرنا لیت و لعل کرنے کو
کہتے ہیں چکر صبح کو شام کرنا اور شام کو صبح کرنا خدا کا کام ہے تو خدا کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ صبح و شام
کرنے والے ہیں گرشاد کا اصل مقصود یہی ہے کہ کامروائی غن میں مسیبت و لعل و ہاں ہوتی ہے ایسی
کہیں نہیں ہوتی کہ اکثر ساری عمر سیدی میں گزر جاتی ہے اور مطلب حاصل نہیں ہوتا۔

رباعی ۵

سامان خرد و خواب کہاں سے لاؤں آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
روزہ مرا ایمان ہے غالب لیکن خس خاند و بر خاب کہاں سے لاؤں
یہ رباعی بھی اسی قطعہ کے ساتھ جس میں روزے کا مضمون بات چاہا ہے دربار میں پیش کی گئی تھی۔

رباعی ۶

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آرائیں عشاق کی پیش سے اُسے ناپیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا کیونکر بانوں کو اس میں تلوائیں
یہ رباعی عاشقانہ ہے اور بالکل نیا مضمون ہے ظلم سے ہاتھ اٹھانا اس سے دست بردار ہونا اور
اسکو ترک کرنا باقی الفاظ کے معنی ظاہر ہیں۔

رباعی ۷

ان بزم کے بیچوں کو کوئی کیا جانے بھیجے ہیں جو ارمنان شیر و لالانے
گن کر دیویں گے ہم دعائیں تلوائے فیروزے کی قبیح کے ہیں یہ دلانے

بادشاہ نے سیم کے بچوں کا سالن بھیجا ہے ؛ انکے شکریے میں یہ رباعی لکھی ہے۔ بڑا نیرودہ جو بیوی
شکل کا ہوتا ہے وہ سیم کے بچ سے بہت شاپہ ہوتا ہے۔

نثر اردو

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا سید ابھتک ہمیشہ فارسی میں خطا کرتے تھے ؛ مگر سند کو زمین کو تباہ ہوئی
کی خدمت پر سامو کے گئے ، اور بہترین مہر نیرودہ کے لکھنے میں مصروف ہو گئے ؛ اسوقت بغیر نیرودہ
میں خطا بت کرنی پڑی ہوگی ۔ وہ فارسی نثر میں اور اکثر فارسی خطوط جن میں قوت تھیں کا عمل اور
شاعری کا عنصر نظم سے بھی کسی قدر غالب معلوم ہوتا ہے نہایت کاوش سے لکھتے تھے ۔ پس جب انکی
ہمت مہر نیرودہ کی ترتیب انشاء میں مصروف تھی مرزا نے کہ اسوقت انکو فارسی زبان میں خطا بت
کرنی ۔ اور وہ بھی اپنی طرز خاص میں ۔ شاق معلوم ہوئی ہوگی ۔ اسلئے قیاس چاہتا ہے کہ انھوں نے
غالباً سید کے بعد سے اردو زبان میں خط لکھنے شروع کئے ہیں ۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ
اردو زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے ۔ پیرانہ سری اور ضعف ۔ کے مددوں سے
محنت نیرودہ اور جگر کا دی کی قوت مجھ میں نہیں رہی حارث غریبی کو زوال ہے اور یہ حال ہے
معطل ہو گئے توے غالب اب عناصر میں اعتدال کہاں

غالباً اردو زبان میں تحریر اختیار کرنے کو مرزا نے اول اول اپنی شان کے خلاف سمجھا ہوگا ۔
مگر بعض اوقات انسان اپنے جس کام کو حقیر اور کم وزن خیال کرتا ہے وہی انکی شہرت اور قبولیت
کا باعث ہو جاتا ہے ۔ جہاں تک دیکھا جاتا ہے مرزا کی عام شہرت ہندوستان میں جس قدر انکی

اردو شری اشاعت سے ہوئی ہے ویسی نظم اردو اور نظم فارسی اور نثر فارسی سے نہیں ہوئی ۔
اگرچہ لوگ عموماً مرزا کو فارسی کا بہت بڑا شاعر جانتے تھے ؛ اور انکے اردو دیوان کو بھی ایسا ہی تہ
کلام عام افہام سے بالاتر سمجھتے تھے ؛ مگر لوگوں کا ایسا خیال کرنا محض تقلید اتھا نہ تحقیقاً ۔ وہ خود
اپنے ایک مرتبہ دان اور پاپہ شناس دوست کو خط میں لکھتے ہیں ” میرے فارسی قصیدے کو بہتر
بجھکوتا رہے کوئی انکا لطف نہیں اٹھاتا مگر بطریق اذعان کہ یہ شخص فارسی خوب کتاب ہے دان
کہاں اور ادراک پایہ معنی کہاں ؛ تاریخ قزوین (یعنی مہر نیرودہ) کے پانچ سو پانچے پاس بھیجے
ہیں میری خاطر دیکھیے ؛ انصاف سے کہنے کہ یہ نثر کیسے اور ہے ؛ اور پھر اس نثر کا کوئی شاق نہوا
اگرچہ مرزا کی اردو شری قدر بھی جیسی کہ چاہئے ویسی نہیں ہوئی ۔ چنانچہ بعض افشل قریوں
میں دیکھا گیا کہ اردو سے معلیٰ اور بدستان خیال کی جملات کو ایک مرتبہ میں رکھا گیا ہے ؛ لیکن پھر بھی
مرزا کی اردو شری کے قدر دان بہ نسبت ناقدر دانوں کے ملک میں بہت زیادہ نکلیں گے ۔

مرزا کی اردو نثر میں زیادہ تر خطوط درقات ہیں ؛ چند تقریباتیں اور دیباچے ہیں ؛ اور تین مختصر
رسالے ہیں ۔ جو بہانہ قاطع کے طرفداروں کے جواب میں لکھے ہیں ؛ لطافت غیبی ، تیغ تیز اور
نائنہ غالب ۔ اسکے سوا چند اجزا ایک ناتمام قصے کے بھی ہیں ۔ جو مرزا نے مرنے سے چند روز پہلے
لکھنا شروع کیا تھا ۔ ان میں سب سے زیادہ دلچسپ اور لطف انگیز انکے خطوط ہیں جن میں سے زیادہ
اردو سے معلیٰ میں اور اس سے کم عود ہندی میں جمع کر کے چھپوائے گئے ہیں ۔ اور بہت سے خطوط
ان دو دو کتابوں کی اشاعت کے بعد دستیاب ہوئے ہیں ۔ جو اب تک شائع نہیں ہوئے ۔ مگر
غریب بعض احباب کا ارادہ انکے چھپوانے کا ہے ۔

مرزا کی اردو خط و کتابت کا طریقہ فی الواقع سب سے نرالا ہے۔ نہ مرزا سے پہلے کسی نے خط کتابت میں یہ رنگ اختیار کیا؛ اور نہ اُنکے بعد کسی سے اُسکی پوری پوری تقلید ہو سکی۔ اُنھوں نے القاب و آداب کا پڑانا اور فرسودہ طریقہ اور اوربت سی باتیں جنکو سترتلیں نے لازم نامہ نگاری میں سے قرار دے رکھا تھا مگر حقیقت فضول اور دور از کار تھیں سب اُڑا دیں۔ وہ خط کو کبھی میاں، کبھی بر خوردار، کبھی بھائی صاحب، کبھی ہماراج، کبھی کسی اور مناسب لفظ سے آغاز کرتے ہیں؛ اُنکے بعد مطلب لکھتے ہیں۔ اور اکثر بغیر اس قسم کے الفاظ کے سرے ہی سے مدعا لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اواسے مطالب کا طریقہ بالکل ایسا ہے جیسے دو آدمی بالمشافہ بات چیت یا سوال و جواب کرتے ہیں۔ مثلاً آنکھو یہ لکھنا تھا کہ ”محمد علی بیگ میرے کوٹھے کے نیچے سے گزرا۔ میں نے پوچھا کہ لوہار کی سواریاں روانہ ہو گئیں؟“ اُسنے کہا ابھی نہیں ہوئیں۔ میں نے پوچھا کیا آج نہ جائینگی؟ اُسنے کہا آج ضرور جائینگی۔ تیاری ہو رہی ہے۔“ اس مطلب کو اُنھوں نے اسطرح ادا کیا ہے ”محمد علی بیگ ادھر سے نکلا۔ بجی محمد علی بیگ۔ لوہار کی سواریاں روانہ ہو گئیں؟ حضرت ابھی نہیں۔ کیا آج نہ جائینگی؟ آج ضرور جائینگی۔ تیاری ہو رہی ہے۔“

میر ممدی مروج کو خط لکھا ہے؛ اُنہیں لکھنا یہ ہے کہ میر نصاحب آئے اور اُنسے یہ باتیں ہوئیں۔ مگر وہ اس طرح نہیں لکھتے بلکہ اُسکو اسطرح شروع کرتے ہیں ”اے میر نصاحب السلام علیکم۔ حضرت آداب۔ کہو صاحب آج اجازت ہے میر ممدی کے خط کا جواب لکھنے کی؟ حضور میں کیا منع کرتا ہوں؟ مگر میں اپنے ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں؛ لہذا آپ کیوں تکلیف کریں۔ نہیں نصاحب اُنکے خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں وہ خطا ہوا ہوگا؛ جواب لکھنا ضرور ہے۔ حضرت وہ آپ کا

قرض نہیں آپ سے خطا کیا ہو گئے۔ بھائی آخر کوئی وجہ تو بتلاؤ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیوں باز رکھتے ہو؟ سبحان اللہ! اسے تو حضرت آپ تو خط نہیں لکھتے اور مجھے فرماتے ہیں کہ تو باز رکھتا ہے۔ اچھا تم باز نہیں رکھتے مگر کیونکہ تم کیوں نہیں چاہتے کہ میں میر ممدی کو خط لکھوں۔ کیا عرض کروں؟ سچ تو یہ ہے کہ جب آپ کا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا تو میں ستنا اور خط اٹھاتا۔ اب جو میں وہاں نہیں ہوں تو نہیں چاہتا کہ آپ کا خط جاوے۔ میں اب غشبنہ کو روانہ ہوتا ہوں؛ میری روانگی کے تین دن پہلے آپ خط شوق سے لکھنے لگا۔ میاں میٹھو، ہوش کی خبر لو؛ ہمارے جانے نہ جانے سے مجھے کیا علاؤ؟ میں پڑھا آدمی میرا آدمی تمہاری باتوں میں آگیا اور کچھ اُسے خط نہیں لکھا۔ لا حول ولا قوۃ۔“ اس کے بعد میر ممدی سے مخاطب ہو کر اصل مطلب لکھتے ہیں۔

بعضی جگہ مکتوب الیہ کو خطاب کرتے کرتے اُسکو غائب فرض کر لیتے ہیں؛ میاں تک کہ جو لوگ مرزا کے اندر زبان سے واقع نہیں وہ اُسکو مکتوب الیہ کا غیر سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً میر ممدی کو لکھتے ہیں ”میر ممدی! جیتے رہو۔ آؤ میں صد نہرا آؤں۔ اردو عبارت لکھنے کا کیا اچھا ڈھنگ پڑا کیا ہے کہ مجھ کو رشک آنے لگا ہے۔ سنو دلی کی تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی ہے یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی؛ سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے محلے کا رہنے والا ہو گیا۔ مگر میں نے اُسکو مکمل کیا؛ اللہ برکت دے۔“

ظاہر ہے کہ اس عبارت میں ایک ظالم سے مراد خود میر ممدی مروج ہیں؛ کیونکہ غدر کے بعد وہ پانی پت کے محلہ مذکور میں کئی سال قیوم رہے تھے۔ مگر جو لوگ مرزا کی انجیلی جاہلوں سے ناواقف ہیں وہ غلطی سے اُنکے دوسرے سنی سمجھ جاتے ہیں۔ اکثر لوگوں کو اس خیال سے کہ راقم بھی پانی پت انصاری محلے کا رہنے والا ہے۔

ان الفاظ سے یہ دھوکا ہوا ہے کہ مرزا صاحب نے میری نسبت لکھا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ میں نے جس قدر ان کو سمجھایا کہ یہ خود میری ہی کی نسبت لکھا ہے، میری نسبت نہیں لکھا، اسی قدر انکو اس بات کا زیادہ خیال ہوا کہ میں ازراہ کس نفسی کے ایسا کہتا ہوں۔

مغربی طریقے پر جوتے لکھے جاتے ہیں انہیں اکثر اس قسم کے سوال و جواب ہوتے ہیں جیسے کہ مرزا کی تحریروں میں ہم اور پر لکھا چکے ہیں۔ مگر وہاں ہر سوال و جواب کے سر پر سائل اور مجیب کا نام یا انکے ناموں کی کوئی علامت لکھی جاتی ہے؛ ورنہ یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ سوال کہاں ختم ہوا؟ اور جواب کہاں سے شروع ہوا؟ مرزا ایسے موقع پر سائل و مجیب کا نام نہیں لیتے؛ اور نہ انکے نام کی علامت لگتے ہیں۔ مگر سوال یا جواب کے ضمن میں ایک ایسا لفظ لے آتے ہیں جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سوال کیا ہے؟ اور جواب کیا؟ شاید قصبے یا نودول میں یہ بات نہ چل سکے؛ مگر خط میں تو مرزا نے یہ راہ بالکل صاف کر دی ہے۔

مرزا کی طرز تحریر کی جو خصوصیتیں اوپر مذکور ہوئیں یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اور لوگ انکی پیروی نہ کر سکیں؛ مگر وہ چیز جسے ان کے مکاتبات کو نودول اور ڈراما سے زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے وہ شوخی تحریر ہے جو کتاب یا مشق و مہارت یا پیروی و تقلید سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے خط کتابت میں مرزا کی روش پر چلنے کا ارادہ کیا ہے؛ اور اپنے مکاتبات کی بنیاد بیکجی و طرافت پر رکھنی چاہی ہے۔ مگر انکی اور مرزا کی تحریر میں وہی فرق پایا جاتا ہے جو اصل اور نقل یا روپ اور ہر روپ میں ہوتا ہے۔ مرزا کی طبیعت میں شوخی ایسی بھری ہوئی تھی جیسے تار کے تار میں سر بھرے ہوئے ہوتے ہیں؛ اور قوت تخیل جو شعاعی اور طرافت کی خلاق ہے اسکو مرزا کے دماغ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو قوت پر داز کو طرافت کے ساتھ۔ اگرچہ مرزا کے بعد شراورد میں بے انتہا دسمت اور ترقی ہوئی ہے، علمی، اخلاقی، تجارتی

سوشل، اور بچس مضامین کے لوگوں نے دیا بیا دیے ہیں؛ بائوگرافی اور نودول میں بھی متعدد کتابیں نہایت ممتاز لکھی گئی ہیں؛ باوجود اسکے مرزا کی تحریر خط کتابت کے محدود دائرے میں بلحاظ دلچسپی اور لطف بیان کے اب بھی اپنا نظیر نہیں رکھتی۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا خط لکھتے وقت ہمیشہ اس بات کو نصب العین رکھتے تھے کہ خط میں کوئی ایسی بات لکھی جائے کہ کتب الیہ اسکو پڑھ کر محظوظ اور خوش ہو۔ پھر جس رتبے کا کتب الیہ ہوتا تھا اسکی سمجھ اور مذاق کے موافق خط میں شوخیاں کرتے تھے۔ مثلاً اپنے ایک دوست کو خط لکھا ہے؛ اسیں ان کی لڑکی کو۔ جو بچپن میں مرزا کے سامنے آتی تھی اور اب جوان ہو گئی ہے۔ بعد دعا کے لکھتے ہیں ”کیوں بھیجی اب ہم اگر کوئی آئے بھی تو تلو کو نہ مکر دیکھیں گے؛ کیا تمہارے ٹلک میں بھتیجیاں چھپاے پردہ کرتی ہیں؟ یا مثلاً نواب امیر الدین احمد خاں کو جواب میں لکھا ہے ”اے بچپن کے زمانے میں انکے رتے کا جواب جس میں مرزا کو دادا صاحب لکھا تھا۔ اس طرح لکھتے ہیں ”دو اسے مردم چشم جہاں بین غالب۔ ایسے اقباب کے سنی سمجھو؛ یعنی چشم جہاں میں غالب کی تپلی چشم جہاں میں تھا را باب مرزا علاؤ الدین خاں بہادر۔ اور تپلی تم۔ میاں تمہارے دادا تو نواب امین الدین خاں بہادر ہیں؛ میں تو صرف تمہارا دل دادہ ہوں۔“

ایک دست کو دسمبر ۱۸۵۷ء کی اخیر تاریخوں میں خط لکھا ہے انھوں نے اسکا جواب جنوری ۱۸۵۸ء کی پہلی یا دوسری کو لکھ بھیجا اسکے جواب میں انکو اس طرح لکھتے ہیں ”دیکھو صاحب یہ باتیں بکواسند نہیں؛ ششہ ۱۸۵۷ء کے خط کا جواب ششہ ۱۸۵۸ء میں بھیجتے ہو؛ اور مرزا یہ کہ جب تم سے کہا جائیگا تو یہ کہو گے کہ میں نے دوسرے ہی دن جواب لکھا ہے۔“

ایک دوست کو رمضان میں خط لکھا ہے؛ اس میں لکھتے ہیں ”دعوت بہت تیز ہے۔ روزہ رکھتا ہوں؛ مگر روزے کو بھلا تا رہتا ہوں۔ کبھی پانی پی لیا، کبھی حقہ پی لیا، کبھی کوئی ٹکڑا روٹی لگو لکھا لیا۔ یہاں کے لوگ عجب نرم رکھتے ہیں؛ میں تو روزہ بھلاتا ہوں اور یہ صاحب فرماتے ہیں کہ تو روزہ نہیں رکھتا۔ یہ نہیں سمجھتے کہ روزہ نہ رکھنا اور چیڑ ہے؛ اور روزہ بھلانا اور بات ہے۔“

جس زمانے میں یہ ان قاطع پراعتراف لکھے ہیں اور لوگوں نے مرزا کی محنت مخالفت اور توقف یہاں کی حمایت کی ہے ایک خط میں صاحب برہان کا ذکر کرنے کے بعد اسکی اور اسکے طرفداروں کی نسبت لکھتے ہیں ”ان فرہنگ لکھنے والوں کا مراقبہ اس پر ہے جو اپنے نزدیک صحیح سمجھا وہ لکھ دیا۔ نظامی و سعدی کی لکھی ہوئی کوئی فرہنگ ہو تو ہم اسکو مانیں؛ ہندیوں کو کیونکر مسلم الثبوت جانیں۔ ایک گائے کا بچہ بڑا سحر آدمی کی طرح کلام کرنے لگا؛ بنی اسرائیل اسکو خدا سمجھے۔“

ایک خط کے آخر میں جو نواب علاؤ الدین خاں کو لکھا ہے۔ لکھتے ہیں ”اُستاد میر جان کو اس آہ سے کہ میر تقی میر پچھلی آنکلی چچی تھیں اور میر مجھے عمر میں چھوٹے ہیں۔ دعا۔ اور اس رُوسے کہ دوست ہیں اور دوستی میں کی دینی بن و سال کی رعایت نہیں کرتے۔ سلام۔ اور اس سبب سے کہ اُستاد کلماتے ہیں۔ بندگی۔ اور اس نظر سے کہ یہ سید ہیں۔ درود۔ اور موافق معنوں اس مصرع کے ”سوسے اللہ والہ اللہ مافی الوجود“، سجدہ۔“

ایک خط میں برسات کی شدت کا ذکر کرتے کرتے لکھتے ہیں ”دیوان خانے کا حال مجلس اسے سے بدتر ہے میں مرنے سے نہیں ڈرتا؛ فقدان راحت سے گھبرا گیا ہوں۔ چھت چھلنی ہو گئی ہے؛ ابرو دگھٹنے

۱۸۰۔ اشارہ صاحب برہان قاطع کی طرف ہے۔“

بر سے توجہت چار کھٹے برستی ہے۔“

نواب علاؤ الدین خاں اور انکے والد نواب امین الدین خاں میں کچھ شکر بخنی ہے۔ باپ دلی آئے ہیں اور بیٹے کو لوہا رو چھڑ آئے ہیں۔ مرزا نواب علاؤ الدین خاں کو خط میں لکھتے ہیں ”سنا گیا کہ نواب امین الدین خاں صاحب نے اپنی کوٹھی میں تزلزل اجل کیا۔ پھر دن رہے ازراہ مہربانی ناگاہ سیر ہاں تشریف لائے۔۔۔ میں نے تمہیں پوچھا کہ وہ کیوں نہیں آئے؟ بجائی صاحب بوسے کہ جب میں یہاں آیا تو کوئی دہاں بھی تو ہے۔ اس سے علاوہ وہ اپنے بیٹے کو بیت چاہتے ہیں۔ میں نے کہا اتنا ہی جتنا تم اسکو چاہتے ہو۔ ہنسنے لگے۔ غرض کہ میں نے بظاہر انکو تم سے اچھا پایا۔ آگے تم لوگوں کے دشمنی احمد بخش خانیوں کے) دلوں کا اللہ مالک ہے۔“

ایک دفعہ کثرت افزا جات سے تنگ آکر معنی ضروری خچ بند کر دئے ہیں یہاں تک کہ شراب پینا بھی چھوڑ دیا ہے نواب علاؤ الدین خاں نے اپنے والد کے اشارے سے اسکا سبب دریافت کیا ہے اور مولوی قزہ خاں کی طرف سے بطور نصیحت کے مرزا صاحب کو یہ شعر لکھا ہے ”چوں پیر شدی حافظ از سیکدہ بیرون شوال آج اسکا جواب اس طرح لکھتے ہیں ”بجائی کو سلام کنا اور کنا کہ صاحب وہ زمانہ نہیں کہ ادھر بھرا داس سے قرض لیا، ادھر درباری مل کو جا مارا، ادھر غریب چند مین سکھ کی کوٹھی جا کوئی؛ ہر ایک پاس تنگ مہری موجود، شہد لگاؤ اور چاؤ زمول نہ سود۔ اس سے بڑھ کر یہ بات کہ روٹی کا خچ؛ بالکل چھٹی کے سر؛ یا تنہا کبھی خان نے کچھ دیدیا، کبھی اور سے کچھ دلوادیا، کبھی ماں نے کچھ اگر سے بے بیج دیا۔ اب میں اور باسٹھ روپے آٹھ آنے کلکٹری کے، سو روپے رام پور کے؛ قرض دینے والا ایک میر نجات کا وہ سود ماہ باہ لیا چاہے، مول میں قسط اسکو دینی چڑے؛ انکم کس جدا، چوکیدان جدا، سود جدا، مول جدا۔“

بنی بنی جدا بیچے جدا، شاگرد پیشہ جدا، آمد ہی ایک سو باسٹھ؛ تنگ آگیا، گذرا شکل ہو گیا؛ روزمرہ کا کام بند رہنے لگا، سوچا کہ کیا کروں؟ کہاں سے گنجائش نکالوں؟ تہذیب و پیشہ بچان درویش صبح کی تیرہ بیڑوں کی، چاشت کا گوشت اُدھار، رات کی شراب و گلاب موقوف۔ میں بائیس روپے مہینا بچا، روزمرہ کا خرچ چلا۔ یاروں نے پوچھا تیرہ بیڑوں کی شراب کب تک نہ پیرے گی؟ کہا گیا کہ جب تک وہ نہ پلا میں گے پوچھا کہ نہ پیرے گی تو کس طرح جبے؟ جواب دیا کہ جس طرح وہ جلا میں گے، بارے مہینا پورا نہیں گذرنا تھا کہ رامپور سے علاوہ وہ مقررہ کے اور روپیہ آگیا۔ قرض مقسط ادا ہو گیا۔ متفرق رہا؛ خیر ہو صبح کی تیرہ، رات کی شراب جاری ہو گئی۔ گوشت پرانے لگا۔ چونکہ بھائی نے وہ بیڑوں کی اور بجالی پوچھی تھی انکو یہ عبارت پڑھا دینا اور مزہ خال کو بعد سلام کہنا۔

اسے بخیر زندہ شرب تمام ما، دیکھا ہلکویں پلاتے ہیں۔ دریسے کے بیڑوں کے لوٹوں کو پھا کر مولوی خسرو ہونا اور مسائل ابو حنیفہ کو دیکھنا اور مسائل حنفی و فاس میں غوطہ مارنا اور ہے؛ اور عرفا کے کلام سے حقیقت حق وحدت وجود کو اپنے دل نشین کرنا اور ہے۔ مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب ممکن نہیں ترک جانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو سیکہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شرک کر دانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو رسول کو ابوالانتمہ کا ہمسرہ جانتے ہیں۔ ورنہ ان لوگوں کے واسطے ہے۔ میں موقعہ خالص اور مومن کامل پڑھنا ترائین سے لا اَکْبَارُ لا اَللّٰہُ کُتَابُہُں؛ اور دل میں لا موجود الا اللّٰہ، لا متورنی الوجود الا اللّٰہ سمجھا رہا ہوں۔ انبیا سب واجب التعلیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مقرر فی الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔ ختم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ مقطع نبوت کا مطلع امت اور امامت نہ اجتماعی بلکہ من اللّٰہ ہے اور امام من اللّٰہ علی علیہ السلام ہے ثم حسن ثم حسین اسی طرح تاحمدی موعود علیہ السلام۔

زیست ہم پریں گزرم، ان اتنی بات اور ہے کہ اباحت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عامی سمجھتا ہوں۔ اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جلا نام مقصود نہ ہوگا بلکہ میں دوزخ کا امین ہوگا اور دوزخ کی آغ کوزیر کر دگا؛ تاکہ مشرکین تہذیب و مصلحتی و امامت مصلحتی ہمیں جلیں۔ سنو! مولوی صاحب تنے کئی خاتون ہیں۔ ایک شعر حافظ کا حفظ کیا۔ ”چوں پیر شدی حافظ از یکہ پیرش آغ اور پیر پڑتے ہو اُسکے سامنے کہ اُنکی نظم کا دفتر حافظ کے دیوان سے دو چندہ چند ہے؛ مجبور نہ شرعاً گناہ؛ اور یہ بھی حافظ نہیں کرتے کہ ایک شعر حافظ کا یہ ہے اور ہزار شعر اسکے مخالف ہیں۔“

ایک خط میں تعلقات خانہ داری کی اس طرح شکایت کرتے ہیں ”سنو! عالم دوسرے؛ ایک عالم اولیٰ اور ایک عالم آب و گل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے۔ جو خود فرماتا ہے ”لمن الملک ایوم“ اور پھر آپ ہی جواب دیتا ہے ”لنہ الود احد القمات“ ہر چند قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم اولیٰ میں سزا پاتے ہیں؛ لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم اولیٰ کے گناہگار کو دنیا میں بھیجا کر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں آٹھویں رجب ۱۲۸۵ میں روپاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔ دس مہینہ یہاں رہا۔ تیرہ برس حوالات میں رہا۔ ساتویں رجب ۱۲۸۵ کو میرے واسطے حکم دوام حبس (یعنی نخلج) صادر ہوا۔ ایک ٹیری سیر کیا تو میں ڈال دی اور دلی شہر کو زندان تہذیب کیا؛ اور مجھے اُس زندان میں ڈال دیا۔ فکر نظم و شعر و گفت و شنید برباد۔ برسوں کے بعد میں جیل خانے سے بھاگا تین برس بلاد شرقیہ میں پھرتا رہا۔ پابان کار مجھے نکلتے سے پکڑ لائے؛ اور پھر اسی جیل میں بٹھا دیا۔ جب دیکھا کہ قیدی گریہ پاپے ڈونگڑیاں اور

۱۲ بیڑی سے ملو اہلیہ اور دو ہنگاموں سے مراد حسین علی خاں اور باقر علی خاں جنکو مرزا نے اپنے والدین علیہ بن خاں کی وفات کے بعد خود زندوں کی طرح پھرتا کیا تھا۔

بڑے جادویں۔ پانو بڑی سے نگار، ہاتھ تھکویں سے زخم دار، شقت تھری اور شکل ہو گئی۔ طاقت
 ایک تلم نائل ہو گئی۔ بے جیا ہوں۔ سال گذشتہ بڑی کوزاویہ زنداں میں چھوڑا جس دن وہ تھکویں کے بھاگا۔
 سیرتھ مراد آباد ہوتا ہوا رام پور پہنچا، کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر کرا آیا۔ اب عہد کیا کہ پھر بھاگا
 بھاگوں کیا۔ بھاگنے کی طاقت بھی تو زہری۔ حکمرانی دیکھیے کب صادر ہو؟ ایک ضیعت سا احتمال ہے کہ اس
 ماہ ذی الحجہ میں چھوٹ جاؤں۔ بہر تقدیر بعد ہائی کے تو آدمی سو اسے اپنے گھر کے ادکس نہیں جاتا۔ میں صد
 نجات سید عالم ارواح کو چلا جاؤنگا۔ فرخ آں روز کہ از خانہ زندان دم + سوی شہر خوارزمی ہی ہواں بروم +
 ایک خط مرزا حاتم علی بیگ کو اٹلی مجبور چٹا جان کی تعزیت میں لکھا ہے ایس لکھتے ہیں وہ آپ کا
 غم فرمانا پہنچا۔ یوسف علی خان عزیز کو پڑھوا دیا۔ انھوں نے جو میرے سامنے اس مرحوم کا اور اچکا معاملہ
 بیان کیا یعنی اسکی اطاعت اور تمھاری اس سے محبت سخت ملال ہوا۔ سنو صاحب شعرا میں
 فردوسی اور فقرتیس حسن بصری اور عشاق میں مجنوں یہ تین آدمی تین فن میں سرفراز و پیشوا ہیں۔ شاعر
 کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہر جگہ فقیر کی انتہا ہے کہ حسن بصری سے لکھائے عاشق کی نمود یہ ہے کہ
 مجنوں کی طعنی نصیب ہو۔ علی اسکے سامنے مری تھی تمھاری مجبور تمھارے سامنے مری بلکہ تم اس سے
 بڑھ کر ہوئے کہ لیلی اپنے گھر میں اور تمھاری مشورہ تمھارے گھر میں بڑی۔ مجبی نخل بچے بھی غضب ہوتے ہیں
 جیسے مرتے ہیں اسکو مار لکھتے ہیں۔ میں بھی نخل بچے ہوں۔ عمر میرے ایک ۱۰۰ کو میں نے بھی بڑھایا
 خدا ان دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کہ زخم مرگ دوست کھائے ہوئے ہیں مغفرت کو۔ چالیس
 سیالیس برس کا یہ واقعہ ہے۔ بالنگر یہ کوچہ چھٹ گیا، اس فن سے میں بیگانہ محض ہو گیا ہوں، لیکن کبھی
 کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں۔ اسکا مرنا زندگی بھر نہ بھولونگا۔ جانتا ہوں کہ تمھارے دل پر کیا گزرتی ہوگی

صبر کرو اور ہنگامہ عشق مجازی چھوڑو۔ سعدی اگر عاشقی کنی و جوانی چہ عشق محمد بس ست و آل محمد +
 اندلیس ماسوائے ہوں۔

ایک اور خط مرزا صاحب موصوف کو اسی چٹا جان کی تعزیت میں اس طرح لکھا ہے۔ مرزا صاحب!
 ہیکو یہ باتیں پسند نہیں جتنے برس کی عمر ہے۔ بچاں برس عالم رنگ و بو کی سیر کی۔ اجدادی شباب
 میں ایک مرتبہ کامل نے یہ نصیحت کی تھی کہ ہکو زہر دور معظور نہیں، ہم مانع شوق و فخر نہیں، بیو،
 کھانا، خرے، آٹا، دہ، مگر یہ یاد ہے کہ مصری کی کھٹی بڑ، شہد کی کھٹی زہنہ۔ سو میرا اس نصیحت پر عمل ہا ہے۔
 کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے کیسی اشک نشانی؟ کہاں کی مرثیہ خوانی؟ آزاد دی کا
 شکر بجا لاؤ، غم نہ کھاؤ۔ اور اگر ایسے ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو تو چٹا جان نہ سی متنا جان سہی۔
 میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر مغفرت ہو گئی اور ایک قہر طرا اور ایک خورمی،
 اتھاست جادوانی ہے، اور اسی ایک نکتہ کے ساتھ زندگانی ہے، اس تصور سے جی گھبرا رہا ہے، اور
 کلچا سمجھ کو آتا ہے۔ ہٹے ہٹے وہ خوراجین ہر جائیگی، طبیعت کیوں نہ گھبرا جائیگی۔ وہی زمردیں کاغ اور
 وہی طوبی کی ایک شاخ۔ چشم بد دور وہی ایک حور۔ بھائی ہوش میں آؤ کہیں اور دل لگاؤ۔
 زن نوکن اسے دوست نہ ہو سار۔ کہ تقویم پار سینہ نایہ بہ کار۔

مرزا حاتم علی بیگ مرنے اپنی تصویر مرزا کو بھیجی ہے اسکی رسید اس طرح لکھتے ہیں "علیہ مبارک
 نظر افروز ہوا۔۔۔ تمھارا علیہ دیکھ کر تمھارے کشیدہ قاصت ہونے پر مجھ کو رشک نہ آیا کہ واسطے کہ میرا قد بھی
 درازی میں انگشت نما ہے۔ تمھارے گندی رنگ پر رشک نہ آیا کہ واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو میرا
 رنگت چمکی تھا اور دیدہ رنگ اسکی ستایش کیا کرتے تھے۔ اب جو کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آتا ہے تو بھائی پر

سانپا پھر جاتا ہے۔ ہاں مجھ کو رشک آیا اور میں نے خون جگر کھایا تو اس بات پر کہ ڈاڑھی گئی ہوئی ہے۔ وہ فرے یاد آگئے۔ کیا کہوں جی پر کیا گزری؟ بقول شیخ علی حزیں

نما و شتر سم بود ز دم چاک گریاں شرمندگی از دست تو رشید ہزارم

”جب ڈاڑھی ہو چھریں ہاں سفید آگئے، تیسرے دن چوٹی کے اڑے گاؤں پر نظر آنے لگے، اسے بڑھکر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے، پانچاڑھی بھی چھوڑ دی اور ڈاڑھی بھی گمراہ کئے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک دردی ہے عام، مگر حافظ، بیاضی، نیچہ بند، دھوبی، استھا، بھٹیوار، مندر پر ڈاڑھی سر پر بال، فقیر نے جس دن ڈاڑھی رکھی اسی دن سر منڈایا۔“

انرض مرزا کے خطوط و رقعات میں ایسے خطوط بہت کم نکلیں گے جن میں اس قسم کی طرافت اور ہنسی کی باتیں مندرج نہ ہوں یہاں تک کہ ریخ و افسردگی کا بیان بھی اس قسم کی چھڑے خالی نہیں تھا۔ منشی نبی بخش مرحوم کو لکھتے ہیں ”بھائی صاحب! میں بھی تمہارا ہمدرد ہو گیا، یعنی شگل کے دن ۱۸۔ سبج الاول کو شام کے وقت میری وہ پٹھمی سکریں نے بچپن سے آج تک انگوٹیاں سمجھا تھا اور وہ بھی مجھ کو بتا سکتی تھی۔ مگر آپ کو معلوم رہے کہ پڑوں میرے گویا نوادی مرے، تین بیچیاں، اور تین بچا، اور ایک باپ، اور ایک داوی، اور ایک دادا، یعنی اس مرحوم کے ہونے سے پیش جاتا تھا کہ یہ نوادی زندہ ہیں اور ان کے مرنے سے پہلے جانا کہ یہ نوادی آج ایک بار مر گئے۔“

ایک ایسی ہی افسردہ تحریریں نواب امین الدین خاں کو لکھتے ہیں ”آج تم دونو بھائی اس خانہ میں

۱۸۶ میں اس شعر کے لکھنے سے یہ مراد تھی کہ جب تک مجھے موقع ملا یہ ڈاڑھی کا حق ادا کرتا رہا یعنی منڈا کر دیا نہیں ہے
نیش کسی طرح شرمندہ نہیں ہوں۔“

شرف الدولہ اور خیر الدولہ کی جگہ ہو، میں لم بلید ولم یولد ہوں۔

مرزا قزاق علی بیگ سالک کو خط میں لکھتے ہیں ”یہاں خدا سے بھی توقع نہیں، مخلوق کا کیا ذکر۔ کچھ بن نہیں آتی، اپنا آپ تاشائی بن گیا ہوں۔ بیخ دولت سے خوش ہوتا ہوں، یعنی میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کر لیا ہے۔ جو ذکر مجھے پہنچتا ہے کتاہوں کہ لو غالب کے ایک اور جتنی لگی۔ بہت اترتا تھا کہ اس بڑا شاعر اور فارسی داں ہوں۔ آج دور دور تک میرا جواب نہیں ملے اب تو قرضداروں کو جواب دے بیچ تو ہوں ہے کہ غالب کیا مرزا بڑا محمد مرزا بڑا کا فرما۔ ہم نے اندازہ تعظیم درج کیا بادشاہوں کو مبداء کے جنت آرام گاہ و عرش نشین خطاب دیتے ہیں، چونکہ یہ اپنے کو شاہ ظفر و سخن جانتا تھا۔ شرف مقرر اور باوینہ زاویہ خطاب جو تذکرہ لکھا ہے۔ آئے غم الدولہ بہادر! ایک قرضدار کا گرجان میں تھا ایک قرضدار بھوکا سنا رہا ہے۔ میں اُن سے پوچھ رہا ہوں ”اے جی حضرت نواب صاحب! نواب صاحب کیسے اور غلام صاحب! آپ سلجوقی اور افراسیابی ہیں، یہ کیا جرمی ہو رہی ہے؟ کچھ تو آگے، کچھ تو بولو، بولے کیا جیسا، بے عزت؟ کوئی سے شراب، گندمی سے گلاب، بزار سے کپڑا، بیوہ فروش سے آم، مرآت سے دام، قرض لئے جاتا ہے یہ بھی تو سوچا جاتا تھا کہ کماں سے دو لگا۔“

فتح دہلی کے بعد جو شہر میں سنا کر لیا ہے اسکی کیفیت ایک خط میں منشی ہر گوبال قنبرا کو ارسال لکھتے ہیں ”صاحب تم جانتے ہو کہ یہ معاملہ کیا ہے اور کیا واقعہ ہوا؟ وہ ایک جرم تھا کہ جس میں ہم تم باہم دو تھے اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت درمیش آئے۔ شعر کے، دیوان جمع کئے، یہی زمانے میں ایک اور بزرگ تھے کہ وہ ہمارے تمہارے دوست تھے اور منشی نبی بخش انکا نام اور حقیر تخلص تھا۔ انکا وہ زمانہ رہا، نہ وہ انکا خاص، نہ وہ معاملات، نہ وہ اختلاط، نہ وہ انبساط، بعد چھوڑ دیا۔“

پھر دوسرا جہم ہو گیا۔ اگرچہ صورت اس جہم کی عینہ مثل پہلے جہم کے ہے؛ مینی ایک خطائیں منشی
 بنی بخش صاحب کو بھیجا۔ اسکا جواب مجھ کو آیا۔ اور ایک خط تھا کہ تم بھی موسوم بن منشی ہو گویا تخلص
 بہ نقفہ ہو آج آیا۔ اور میں جس شہزادے سے نہیں پایا جاتا۔ وائے دھونڈھنے کو مسلمان اس شہر
 لیکن ایک دوست اس جہم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا۔ وائے دھونڈھنے کو مسلمان اس شہر
 میں نہیں ملتا۔ کیا امیر کیا غریب، کیا اہل حرفہ؛ اگر کچھ میں تو باہر کے ہیں۔ ہندو البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں
 ایک خط میں نواب علاؤ الدین خاں کو لکھتے ہیں ”کل تمھارے خط میں دوبارہ یہ کلام مرقوم دیکھا کہ دلی
 بڑا شہر ہے؛ ہر قسم کے آدمی وہاں بہت ہونگے۔ اسے میری جان یہ وہ دلی نہیں ہے جس میں تم یہاں
 ہو، وہ دلی نہیں ہے جس میں تم نے علم تفصیل کیا ہے، وہ دلی نہیں ہے جس میں تم شہزادے بیک کی جہلی
 میں مجھے پڑھنے آتے تھے، وہ دلی نہیں ہے جس میں نئی سات برس کی عمر سے آتا جاتا ہوں، وہ دلی نہیں
 ہے جس میں کیا دن برس سے مقیم ہوں؛ ایک کپ جس میں مسلمان اہل حرفہ یا حکام کے شاگرد پڑھتے
 باقی سراسر ہندو بادشاہ کے ذکر جو بقیہ اس وقت میں وہ پانچ پانچ روپے مینا پاتے ہیں۔۔۔۔
 امری اہل اسلام میں اموات گنو تو حسن علیخان بہت بڑے باپ کا بیٹا ستور پیر روز کا نیشن دار ستور پیر
 مینے کا روزینہ دار نکڑ نامرادانہ مر گیا۔ میر ناصر الدین باپ کی طرف سے پیر زادہ نانا اور نانی کی طرف
 سے امیر زادہ مظلوم مارا گیا۔ آغا سلطان بخشی محمد علی خاں کا بیٹا جو خود بھی بخشی ہو چکا ہے عیار بڑا
 نہ دوا نہ غذا؛ انجام کا مر گیا۔ تمھارے چچا کی سرکار سے تجھیز و تکفین ہوئی۔ اچھا کو پوچھو تو نانا جہم
 جسکا بڑا بھائی مقتولوں میں آیا اسکے پاس ایک پیسا نہیں، نہ کی آمدنی نہیں، مکان اگرچہ رہنے کو
 مل گیا ہے مگر دیکھئے چھٹا ہے یا ضبط ہو جائے۔ جیسے صاحب ساری املاک کیچ کر درویش جان کے

بیکت مینی دودو گوش بھرت پور چلے گئے۔ حیدر الدودو کی یا سوریہ پیر کرانے کی املاک کا گذشتہ ہو کر
 پھر فرق ہو گئی؛ تباہ و خراب لاہور گیا؛ وہاں پڑا ہوا ہے؛ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ قلعہ کوتاہ قلعہ اور
 مجھ اور بہادر گدھ اور پتھ گدھ اور قریح نگر کم و بیش تیس لاکھ کی ریاستیں مٹ گئیں۔ شہر کی آثاریں
 خاک میں مل گئیں، ہنرمند آدمی میاں کیوں پایا جاسے۔ جو علما کا حال کل لکھا ہے وہ بیان واقع
 ہے۔ صلیار اور زبائے باب میں جو حرف مخفی میں نے لکھا ہے اسکو بھی سچ جانو،
 بعض خطوں میں یاس و حسرت و اندر دلی اور دنیا کی بے ثباتی و بے اعتباری کا بیان کیا
 موثر طریقے میں کیا ہے جس سے انکے خیالات معلوم ہوتے ہیں مثلاً
 ایک خط میں لکھتے ہیں ”دنا تو انی نہور پر ہے۔ پڑھا پے نے کما کر دیا ہے۔ ضعیف، ہستی، اکاہلی، اگر انکا
 رکاب میں پاؤں ہے۔ باگ پرنا تھ ہے۔ بڑا سفر دور دراز دریش ہے۔ زاد راہ موجود نہیں۔ خالی
 ہاتھ جاتا ہوں۔ اگر نا پر سیدہ بخش دیا تو غیر؛ اور اگر باز پرس ہوئی تو سفر مقرر ہے اور باد یہ زاد ہے۔
 دوش جاو رہے اور ہم ہیں۔ ہاے کسی کا کیا اچھا شعر ہے
 اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ جانیگے مر کے بھی مین نہ پایا تو کہ مر جائینگے
 ایک دن خط میں منشی ہو گیا کہ لکھتے ہیں ”متم مشق سخن کر رہے ہو اور میں مشق فنایں متفرق
 ہوں۔ بو علی سینا کے علم اور فطری کے شعر کو ضائع اور بے فائدہ اور مہموم جانتا ہوں نسبت دیگر نے
 کو کچھ تھوڑی سی راحت دے رہا ہے اور باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری اور ساجی سب خرافات ہے۔
 ہندوؤں میں اگر کوئی اوتار ہوا تو کیا اور مسلمانوں میں نبی بنا تو کیا۔ دنیا میں نام اور ہوئے تو کیا اور
 گناہ متھے تو کیا۔ کچھ معاش ہو اور کچھ محبت جسمانی؛ باقی سب دھم ہے۔ اسے یا ربانی۔ ہر چیز دیکھو

وہم ہے مگر میں ابھی اسی پائے پر ہوں۔ شاید اس کے بڑھکر پردہ بھی اٹھ جائے! اور وہ پیشیت اور محنت و راحت سے بھی گزر جاؤں۔ عالم بیگنی میں گزراؤں۔ جس شائے میں میں ہوں وہ تمام عالم بلکہ دو نو عالم کا پتہ نہیں۔ ہر کسی کا جواب مطابق سوال کے دئے جاتا ہوں۔ یہ دریا نہیں ہے سرباب ہے۔ ہستی نہیں ہے پندار ہے۔ ہم تم دو تو اچھے خاصے شاعر ہیں۔ مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر مشہور ہوئے انکو شہرت سے کیا حال ہو اگر تھک کر ہو گا۔

مرزا نے بعض اردو خطوں میں اور خاص کر اردو تقریظوں میں مسجع عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے۔ اگرچہ اس زمانے میں ایسا التزام مختلفات بارود میں شمار کیا جاتا ہے خصوصاً اردو جو بمقابلہ عربی یا سنسکرت وغیرہ کے ایک نہایت محدود زبان ہے وہ اس قسم کے تصنع اور ساختگی کی تحمل نہیں معلوم ہوتی مگر مرنے جس قسم کی مسجع عبارت اردو خطوں یا تقریظوں وغیرہ میں لکھی ہے اس پر یہ گرفت مشکل سے ہو سکتی ہے۔ عربی اور سنسکرت زبان کے سوا اردو زبانوں کی مسجع فقرہوں میں عموماً عیب ہوتا ہے کہ دوسرے فقرے میں جو پہلے فقرے کی رعایت سے خواہ مخواہ قافیہ تلاش کرنا پڑتا ہے تو ان میں تصنع اور آوڑ کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور اس لئے پہلے فقرے کے مقابلے میں دوسرے فقرہ سبب لزوم مالا یزوم کے کم وزن ہو جاتا ہے مگر مرزا کی مسجع فقرہ میں یہ بات بہت کم دیکھی جاتی ہے دوسرے فقرے میں تقریباً ویسی ہی بے کلفی پائی جاتی ہے جیسی پہلے فقرہ میں اور یہ بات اسی شخص سے بنی پڑتی ہے جو باوجود خوش سلیقگی اور لطیف طبیعت کے شاعری میں غایت درجے کا کمال رکھتا ہوا اور وزن قافیہ کی جانچ اور تول میں ایک عمر بسر کر چکا ہو۔ یہاں اسکی مثالیں لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ مرزا کے اردو رقصات میں اسکی مثالیں بکثرت موجود ہیں مگر یہ معلوم ہے کہ تصنعی عبارت مرزا کا

ان خطوں میں لکھتے تھے۔ جن سے ہنسی باعظافت اور مخاطب کا خوش کرنا مقصود ہوتا تھا ورنہ واقعات کا بیان یا مصائب کا ذکر یا تعزیت یا ہمدردی کا اظہار ہمیشہ سیدھی سادی شریاری میں کرتے تھے مثلاً سید یوسف مرزا کو ان کے باپ کی تعزیت میں لکھتے ہیں

یوسف مرزا کو نہ تھکوں لکھوں کہ تیرا باپ مرگیا اور اگر لکھوں تو آگے کیا لکھوں کہ اب کیا کرو مگر صبر۔ یہ ایک شیوہ فرسودہ اپنا سے روزگار ہے۔ تعزیت یوں ہی کیا کرتے ہیں اور یہی کہا کرتے ہیں صبر کرو۔ اسے! ایک کا کلیجہ کاٹ گیا ہے اور لوگ اسے کہتے ہیں کہ تو نہ تڑپ بھلا کیونکر نہ تڑپے گا۔ صلاح اس امر میں نہیں بتائی جاتی۔ دعا کو دخل نہیں۔ دوا کا لگاؤ نہیں۔ پہلے بیٹا مرا۔ پھر باپ مرا۔ مجھے اگر کوئی پوچھے کہ بے سرو پا کس کو کہتے ہیں تو میں کہوں گا یوسف مرزا کو۔ تمھاری دادی لکھتی ہیں کہ رانی کا حکم ہو چکا تھا۔ اگر یہ بات سچ ہے تو جو امزد ایک بار دو نو قیدوں سے چھوٹ گیا! نہ قید حیات نہ ہی نہ قید فرنگ۔

انھیں کو بیٹے کی تعزیت اس طرح لکھتے ہیں ”اے میری جان! اے میری آنکھو!

نہ ہجران طفیلے کو در خاک رشتہ چہ نالی کو پاک آمد و پاک رشتہ

وہ خدا کا مقبول بندہ تھا۔ وہ اچھی روح اور اچھی قسمت لیکر آیا تھا۔ یہاں یہ کہہ کر کیا کرنا؟ ہرگز غم نہ کرو۔ اور اگر ایسی ہی اولاد کی خوشی ہے تو ابھی تم خود بچے ہو خدا تمکو جیتا رکھے! اولاد بہت۔ نانا، نانی کے مرنے کا ذکر کیوں کرتے ہو وہ اپنی اجل سے مرے ہیں۔ بزرگوں کا مرنے جی آدم کی میراث ہے۔ کیا تم یہ چاہتے تھے کہ وہ اس عہد میں ہوتے اور اپنی ابرو دکھاتے۔ ان مظفر آبادی کا غم بخلا و اخلا کر بلائے مٹے ہے۔ یہ داغ جیتے جی نہ بٹے گا۔

مرزا نے چند تقریظیں اور دیباچے بھی اردو زبان میں لکھے ہیں اور ان سب میں مسیح و مقلد عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے۔ جو بے تکلفی اور صفائی مرزا کے اردو خطوط میں پائی جاتی ہے وہ ان تقریظوں اور دیباچوں میں نہیں ہے؛ خصوصاً مسیح کی رعایت نے ان میں آورد اور تفسیر کارنگاں زیادہ پیدا کر دیا ہے۔ لیکن مرزا کو اس میں معذور سمجھنا چاہئے؛ جو لوگ تقریظوں اور دیباچوں کی فرائض کرتے تھے وہ بغیر ان تکلفات بارہ کے ہرگز خوش ہونے والے نہ تھے۔ جو طریقہ اس زمانے میں رائج ہو گیا تھا۔ اس کا حکم ہے اس کو اب بھی بہت کم لوگ پسند کرتے ہیں اور مرزا کے وقت میں تو اس کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا؛ البتہ انہیں سے بعض شریں مرزا کی روش خاص میں نہایت متاثر ہیں خصوصاً وہ دیباچہ جو انھوں نے مفتی میرال صاحب کی کتاب سراج الموعود پر لکھا ہے اس میں جس خوبی اور ثنات سے تعثوث کے اعلیٰ خیالات ظاہر کئے ہیں اس کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ اردو زبان میں تعثوث کے اعلیٰ خیالات نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد ایسی عمدہ شریف کسی نے نہیں لکھے۔

کتاب سراج الموعود جس پر مرزا نے دیباچہ لکھا ہے۔ اس مفتی میرال صاحب نے مرحوم بہادر شاہ کے ایمان سے تمام اشغال وادکار جو انھوں نے زمانے سے اس وقت تک سینہ بسینہ یا سفینہ بسفینہ چلے آتے تھے۔ ایک جگہ جمع کئے تھے۔ مرزا نے اپنے دیباچے میں دکھایا ہے کہ ان اشغال وادکار کو صرف الہی میں کیا فعل ہے؛ اور کینہ کرانگے ذریعے سے توحید وجودی تک سالک کی رسانی ہو سکتی ہے۔ دیباچہ مذکور کا اول و آخر کا حصہ چھوڑ کر صرف وہ مقام جس میں مرزا نے مذکورہ بالا مقصد کو بیان کیا ہے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

مرزا لکھتے ہیں کہ وہ حق میں ہے کہ حقیقت اندر سے مثال ایک نامہ درہم عجیبہ سرسبز ہر جگہ

عنوان پر لکھا ہے "لا تشرنی الوجود الا اللہ" اور خط میں مندرج ہے "لا وجود الا اللہ" اور اس خط کا لائے والا اور اس را کا کتابت نامے والا وہ نامہ آور نام آور ہے کہ جس پر اساتذہ حق و حقیت اور اس معنی غافل کی صورت یہ ہے کہ مراتب توحید چار ہیں؛ ثانی، اعلیٰ، مطلق، ذاتی، انبیاء شپس صلوات اللہ علیہ بنیاد و طہیم اعلان مروج سکندر پر مامور تھے۔ خاتم الانبیاء کو حکم ہوا کہ حجاب تمینات اعتباری اٹھا دیں؛ اور حقیقت بیہیگی ذات کو صورت الا ان کا کان میں دکھائیں اب گنجینہ معرفت خواص امت محمدی کا سینہ ہے؛ اور کلہ لا الا اللہ منقح باب گنجینہ ہے۔ نہ یہ عامہ مؤمنین کہ وہ اس کلام سے صرف نفی شرک فی العبادہ مراد لیتے ہیں اور نفی شرک فی الوجود جو اصل مقصود ہے ان کی نظر میں نہیں۔ مگر جب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہیں گے اسی توحید ذاتی کے مقتدا کی قدر گاہ پر پہنچیں گے۔ یعنی ہماری اس لکھی سے وہ مراد ہے جو خاتم الرسل کا مقصود تھا۔ یہی حقیقت ہے شفاعت محمدی کی؛ اور یہی معنی ہیں رحمہ اللہ العالین ہونے کے؛ اور اسی مقام سے ناشی ہے یہ

رج اقرے "من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة"

قلم اگرچہ دیکھنے میں "وزبان ہے" لیکن وحدت حقیقی کا راز داں ہے۔ گفتگوی توحید میں وہ وقت ہے کہ جی چاہتا ہے کوئی توبہ کرے اور توبہ کرے۔ بنی کی حقیقت ذہبیت ہے۔ ایک جہت خالق کو جس سے اختراع فیض کرتا ہے اور ایک جہت خلق کو جس سے فیض پہنچاتا ہے۔

بنی را دو وجہ است دلجوے خلق یکے سوی خالق یکے سوی خلق

بدان وجہ از حق بود مستفیض بدین وجہ بر خلق باشد مفیض

یہ جو صوفیہ کا قول ہے کہ اولایۃ افضل من النبوة، یعنی اسکے صاف اور اندر سے انصاف ہیں

کہ ولایت بنی کی وہ وجہ الٰہی الحق ہے افضل ہے نبوت سے کہ وہ وجہ الٰہی الخلق ہے۔ نیز کہ ولایت عالم
افضل ہے نبوت خاص سے۔ جس طرح بنی مستفیض ہے حضرت الوہیت سے اسی طرح ولی
مستفیر ہے انوار نبوت سے۔ مستفیر کی تفصیل منیر پر اور مستفیض کو ترجیح منیف پر ہرگز مقول اور
عقل کے نزدیک مقبول نہیں۔ اب وہ ولایت کہ خاصہ بنی تھا نبوت کے ساتھ منقطع ہو گئی مگر وہ
فروع کہ اخذ کیا گیا ہے شکوہ نبوت سے ہنوز باقی ہے نقل و تحمل ہوتی چلی آتی ہے اور چراغ
پر چراغ جلنا چلا جاتا ہے۔ اور یہ سراج ایزدی تاصیح طور قیامت روشن رہیگا۔ اور اب اسی کا نام
ولایت اور یہی مشعل طریق ہدایت ہے۔ ولایت و ہدایت وہی حقیقت توحید ذاتی ہے کہ جوار خدا
مکملہ لا الہ الا اللہ مشہور دعوین اعیان امت اور منظور نظر اکابر ملت ہوتی ہے۔ مگر وہ بات اب
کہاں کہ ایک بار لا الہ الا اللہ کہے اور دل نور معرفت سے منور ہو جاوے۔ اور وہ ضامن نبوت
کہاں کہ قائل لا الہ الا اللہ کو اگرچہ اس کے معنی اچھی طرح نہ سمجھا ہو قد مگاہ توحید پر قائم کر دے یعنی
رسول مقبول واجب التحظیم قائل انا احمد بلاسم علیہ الخیرہ و التسلیم۔ اب سعادت بقدر ارادت ہے
اور راحت بعد جرات۔ سچ بھی تو ہے؛ آدمی کیونکر سمجھ سکے اور بطلان برہنات کے جواز پر
اسکو کیونکر تسلی ہو؛ یعنی اس مجموعہ موجودات کو کہ افلاک و انجم و بحار و جبال اسی میں ہیں نہایت بود
محض جان سے اور تمام عالم کو ایک وجود مان لے۔

اے کردہ بہ آرائش گفتار بسیج در زلف سخن کشودہ راہم و بیج

عالم کہ توجیر دیگرش سے دانی ذاتیت بسیط منبسط دیگر بیج

جب اولیاء اللہ نے۔ کہ وہ اہلار روحانی ہیں۔ نہ کیا کہ نفوس بشری پر وہم غالب ہے اور سبب

استیلا و وہم کے شاہدہ وحدت ذات سے محروم رہے جاتے ہیں؛ ہر چند انکو سمجھائیں گے،
راہ پر نہ آئیں گے۔ ناچار اشتغال وادکار وضع کئے تا قوت تخیل انہیں اُلجھی رہے اور زور زور زور
ظاہری ہو جاوے۔ وحدت وجود اس طرح کی بات تو نہیں کہ نہ وہم اسکو بحیر یا بہر کلفت ثابت
کیا جاسکتا ہوں۔ دانی ہمہ اوست ورنہ دانی ہمہ اوست۔

وہم صورت گری اور پیکر تراشی کر رہا ہے اور معدومات کو موجود سمجھ رہا ہے پس جب وہ وہم مشغول و ذکر
کی طرف مشغول ہو گیا بے شبہ اپنے کام سے یعنی صورت گری اور پیکر تراشی سے معزول ہو گیا۔
یہ تجربی اور بخودی چھا گئی اور وہ کیفیت جو متحدین کو بحیرہ فہم حاصل ہوتی ہے اس شغل کے
نفس کو بخودی میں آگئی۔ ایک دریا میں جان کر کودا؛ ایک کو کسی نے غافل کر کے دھکیل دیا۔
انجام دینا کا ایک ہے وہ لوگ جو وحدت وجود کو سمجھ لیں یہ میں نہیں کتا کہ نہیں ہیں؛ مگر ہاں
کم ہیں، اور سختی ہیں، اور کیس کیس ہیں۔ اور ایسے نفوس کہ جو کسب حالت بخودی کے پہلے
محتاج اشتغال وادکار ہیں؛ بہت میں بلکہ بے شمار ہیں۔

نظم و شرفارسی

فارسی نظم و شرفارسی اشیا کی مذاق کے موافق جو دستگاه مرزا نے ہم پہنچائی تھی اور فارسی نظم اور فارسی نثر دونوں جو بلند پایہ انھوں نے حاصل کیا تھا۔ اسکو اس زمانے میں کما حقہ لوگوں کے ذہن نشین کرنا ہماری قدرت سے باہر ہے۔ جبکہ اُس زمانے میں جب بہت سے سخن سنج اور نکتہ پرور موجود تھے۔ مرزا ہمیشہ زمانے کی ناقدانہ کی شکایت کرتے تھے، تو اب کیا امید رکھتی ہے کہ لوگوں کو انکی قدر جانائی جاسکے۔ ہمے اگر کچھ ہر سکتا ہے تو صرف اس قدر ہر سکتا ہے کہ انکے ہر قسم کے کلام میں سے کچھ کچھ چھوڑنے کے پہلے کھانے پیش کر دیں، اور چونکہ فارسی زبان سے ملک میں عموماً اجنبیت ہو گئی ہے اسلئے جہاں جہاں ضرورت دیکھیں مرزا کے کلام کی شرح بھی کرتے جائیں۔ اس سے شاید یہ فائدہ ہو کہ مرزا کی قوت تخیل میں جو غیر معمولی اچانک اور پرواز قدرت کے دوامیت کی تھی کچھ دار آدمی اسکا کسی قدر اندازہ کر سکیں؛ لیکن زبان اور بیان کی خوبی جو ایک وجدانی چیز ہے اور جسکے نقاد اور جوہری ملک میں کم یا ب بلکہ نایاب ہیں۔ اسکی نسبت صرف مرزا کا ہی نصیب و بلیغ شعر لکھنا کافی معلوم ہوتا ہے۔

بیاد رہے کہ اس جا بود زبانی

غریب شہر سخن ہائے گفتنی داد

لہذا ایک مختصر مرزا کے متعلق یہاں بتا دینا ضرور ہے جو انکا کلام دیکھتے وقت یاد رکھنا چاہئے۔

اگرچہ مرزا کو فارسی زبان میں (خواہ نظم ہو خواہ نثر) ہر قسم کے مضامین بیان کرنے پر ایسی ہی قدرت حاصل تھی جیسی کہ ایران کے ایک بڑے سے بڑے شاعر و ماہر و مسلم الثبوت استاد کو ہونی چاہئے؛

لیکن جس طرح تمام ممتاز و نامور شعرا میں خاص خاص مضامین کے ساتھ زیادہ مناسبت دیکھی گئی ہے۔ اسی طرح مرزا بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے۔ تصوف، حب، اہل بیت، فخر، شوق، طرافت و رندی و بیباکی، بیان سنج و مصیبت و شکایت و زارنالی، اظہار محبت و ہمدردی، حسن طلب؛ یہ چند میدان ایسے تھے جہاں بیان مرزا کے تمام اصناف سخن میں اکثر نہایت لطیف و دلچ و مقصود واقع ہوا ہے۔ بیشک یہ بات انکے عشقیہ مضامین اور اخلاق و موعظت کے بیان میں عام طور پر نہیں پائی جاتی؛ کیونکہ عشق و محبت اور تمام تعلقات و معاملات عاشق و مثنوی کا بیان۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ محض تجرل سادگی اور بے گفتنی چاہتا ہے اور شاعر اہل صفت سے۔ جبکہ مرزا نے جایجا شاعری کے لحاظ سے تعبیر کیا ہے۔ اہل کراہے۔ برطان انکے مرزا اصناف کلام میں اپنی مصلح شاعری کا سرفراز نامہ سے چھوڑنا نہیں چاہتے تھے (الام اشارہ) اسی لئے انکے عاشقانہ اشعار میں باوجود کمال جزالت اور متانت کے وہ گرمی اور تاثیر جو شہر کی جان اور غزل کا ایمان ہے عام طور پر نہیں پائی جاتی۔ اخلاق و موعظت کا بیان بھی اسی لئے موثر اور دلانیز نہیں ہے کہ وہ جب تک نہایت سادہ اور صاف اور شاعرانہ تعلقات سے پاک نمود لوں میں گھر نہیں کر سکتا، مگر اس سے مرزا کی استادی میں کچھ فرق نہیں آتا جب سعدی کی رزم کی نسبت کہا جاتا تھا کہ اس شیعہ نظم ست بردگراں اور اسکا قصیدہ بھی بہت پست سمجھا جاتا تھا۔ اور باقیہ سعدی کی استادی کو سب نے تسلیم کیا۔ تو مرزا کے خاص قسم کے بیانات کی نسبت ایسا کہنے سے مرزا کی استادی میں کیونکر فرق آسکتا ہے۔ یہ نیزاں جو ہم نے مرزا کے کلام کی نسبت بتائی ہے اسکو انکے کلیات نظم و نثر میں جانچنا چاہئے؛ نہ اتنا جلی اشعار میں جو اس کتاب میں درج کئے گئے ہیں

مرزا کی فارسی شاعری اور فارسی انشا پر داری کے متعلق یہ بات قابل غور ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جنہوں نے پچاس برس تک مرزا کو ایک ایسے فن کی نگین اور انیس ترقی کرنے پر مستعد و سرگرم رکھا جسکا زمانے میں کوئی قدردان نہ تھا۔ انکے مدوح زیادہ تر مجلس گورنمنٹ کے ارکان و اعیان تھے۔ جو فارسی زبان اور خاص کر فارسی شاعری سے محض اجنبی تھے، یا بادشاہ اور سلاطین و امراء و روسا تھے۔ جنکو مرزا کے فارسی قصیدے پڑھنے اور سمجھنے کی نہ فرصت تھی نہ ضرورت۔ وہ شخص۔ جسکا قصیدہ انوری و خاقانی کے قصیدوں سے مکر کھائے، جسکی غزل عری و طالب کی غزل سے سبقت لیجائے، جو رباعی میں عمر خیام کی آوازیں آواز ملائے، اور جس کی شکر کے آگے ابو الفضل اور ظہوری کی شریں بھیلی اور بے مزہ معلوم ہوں۔ اسکو بہادر شاہ کی سرکار سے صرف پچاس روپیہ ماہوار ملتا تھا، اور وہ بھی چھ سات برس سے زیادہ نہیں ملا۔ گورنمنٹ کے ارکان و اعیان کی مدح کے جلد میں مرزا کو اس غفلت کے سوا کبھی کچھ نہیں رحمت ہوا جو فوراً فروخت ہو کر سرکاری چیرا میوں کے انعام میں صرف ہو جاتا تھا۔

مرزا کے ماننے والے اور انکے فارسی کلام پر ایمان بالغیب کھنے والے بلاشبہ ملک میں شہساز تھے، مگر ایسے خوش اعتقادوں کی کثرت اور انکی تحسین و آفرین سے شاعر کا دل ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔ پس جبکہ مدوحوں کی قدر دانی کا وہ حال ہو، اور مدحین کی مدح سرائی کا یہ رنگ، تو پھر وہ کیا چیز تھی جسکو مرزا کی مہلی اور حقیقی ترقی کا باعث قرار دیا جائے۔ بات یہ ہے کہ شاعر کے دل میں مہلی ترقی کا دلولہ نہ سلاطین و امراء کی داد و دوش سے پیدا ہو سکتا ہے اور نہ خوش اعتقادوں کا دلولہ ماننے والوں کی کثرت سے، بلکہ اس کا دل بڑھانے والی صرف دلچسپی ہے۔ جو خواہی تو خواہی اسکو ترقی کرنے پر

مجبور کرتی ہیں؛ اولاً سبق استعداد اور فطری قابلیت جسکا اقتضا یہ ہے کہ اگر تمام عالم میں ایک قدردان یا مخاطب صحیح نہ تو بھی وہ اپنے جو ہر ہار کے بغیر نہیں رہتی۔ جس طرح مورخہ ویرنے میں ہوا در خواہ آبادی میں اسکو سستی اور نشاط کے عالم میں ناچنے سے گزیر نہیں ایسی طرح وہ شاعر جو ماں کے پیٹ سے شاعری پیدا ہوا ہے بغیر اسکے کہ ملک میں کوئی اسکی قدر کرے یا اسکے کمال کی داد دے اپنے ہنر کی تکمیل میں ہاتھ پاؤں مارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دوسرے اس فطری ملک کا تحریک دینے والا اور اس آگ کا پتھر سے کھانے والا اس بات کا یقین ہے کہ سو سالی میں کچھ لوگ فی الحقیقت سخن فہم و سخن سنج موجود ہیں۔

اگرچہ ہندوستان میں فارسی زبان کا چراغ مدت سے ٹمٹما رہا تھا اور فارسی شاعری کی عمر طبعی انتقام کے قریب پہنچ چکی تھی، مگر حسن اتفاق سے اس اخیر دور میں چند صاحبان فضل و کمال خاص دار الخلافہ دہلی میں ایسے پیدا ہو گئے تھے جو علم و فضل کے علاوہ شعور و سخن کا طراق بھی اعلیٰ درجے کا رکھتے تھے۔ ان چند صاحبوں سے میری مراد مولانا فضل حق خیر آبادی ثم الدہلوی، مولانا مفتی محمد صدر الدین خاں تخلص بہادر، مولوی عبداللہ خاں علوی، مولوی امام بخش مصباحی، حکیم مومن خاں مومن، نواب مصطفیٰ خاں حسرتی، نواب ضیاء الدین احمد خاں نیز، سید غلام علی خاں وحشت وغیرہم ہیں۔ درحقیقت ان لوگوں کا مرزا کے عصر میں موجود ہونا انکی شاعری کے حق میں بعینہ ایسا تھا جیسا عذنی و نظیری کے حق میں خانخاناں، ابوالفتح، فیضی، اور ابو الفضل کا انکے زمانے میں ہونا۔

اگرچہ ان بزرگواروں میں بعض اصحاب ایسے بھی تھے جو ظاہر مرزا کی شاعری کو تسلیم نہیں کرتے تھے،

لیکن چونکہ یہ سب لوگ سخن فہم اور سخن شیخ تھے اس لئے جس طرح قدر دانوں کی تحسین و کفرین سے مرزا کا دل بڑھتا تھا جس طرح گتہ چینوں کے خیال سے انکو پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا اور انکے دل پر اپنا نقش بٹانے کے لئے انہار کمال میں زیادہ کوشش کرنی پڑتی تھی اور اس طرح قدر دان اور نکتہ چین دونوں اعلیٰ ترقی کے باعث تھے۔

مولانا فضل حق! ایسے علم و فضل مرزا کو جس سے تہیہ کا شاعرانہ تھے اسکا اندازہ حکایت فیل سے ہو سکتا ہے۔ مولانا کے شاگردوں میں سے ایک شخص نے ناصر علی سرہندی کے کسی شعر کے معنی مرزا صاحب سے جا کر پوچھے۔ انھوں نے کچھ معنی بیان کئے۔ اُسے وہاں سے اکرمولانا سے کہا ”تو مرزا صاحب کی سخن فہمی اور سخن شیخ کی اس قدر تعریف کیا کرتے ہیں، آج انھوں نے ایک شعر کے معنی بالکل غلط بیان کئے، اور پھر شعر پڑھا، اور جو کچھ مرزا نے اُسکے معنی کئے تھے یہاں کئے۔ مولانا نے فرمایا پھر ان معنوں میں کیا برائی ہے؟ اُسے کہا برائی تو کچھ ہو یا نہ ہو مگر ناصر علی کا یہ قصور نہیں ہے۔ مولانا نے کہا اگر ناصر علی نے وہ معنی مراد نہیں لئے جو مرزا نے سمجھے ہیں اسے سخت غلطی کی۔ مرزا نے ایک غزل کے مقطع میں اپنے تئیں کم از کم شیخ علی خیر کا مثل قرار دیا ہے اور وہ قطع یہ ہے۔

تو میں شیوہ گفتار کہ دار غی غالب گر ترقی نکسم شیخ عسلی رامانی
مومن خاں مرحوم نے جس وقت یہ قطع سنا اپنے دوستوں سے کہنے لگے کہ ہمیں بالکل مبالغہ نہیں ہے۔ مرزا کو کم کسی طرح علی خیر سے کم نہیں سمجھتے۔
ایک صاحب نے جو مومن خاں مرحوم کی تقلیدوں سے خوب واقف تھے یہ حکایت سن کر کہ انہوں نے

یہ اسلئے کہا کہ وہ اپنا رتبہ یقیناً شیخ علی خیر سے برتر و بلند تر سمجھتے تھے ورنہ وہ ہرگز مرزا کو شیخ کے برابر تسلیم نہ کرتے۔

نواب مصطفیٰ خاں مرحوم ہمیشہ مرزا کو ٹھوس دعویٰ کا ہمایہ کیا کرتے تھے اور صاحب کلیم وغیرہ سے ان کو مراتب برتر اور بالاتر سمجھتے تھے۔ نواب فیض الدین خاں کا مرزا کی نسبت یہ قول تھا کہ ہندوستان میں فارسی شعری ابتدا ایک ترک لاجپن (یعنی امیر خسرو) سے ہوئی اور ایک ترک ایک (یعنی مرزا غالب) پر اسکا خاتمہ ہو گیا۔ سید غلام علی خاں دشت مرزا کی نسبت کہتے تھے کہ اگر شخص عربیہ کی طرف متوجہ ہو جاتا تو عربی شعریں دوسرا متبانی یا ابو تمام ہوتا، اور اگر انگریزی زبان کی نگین کرتا تو انگلستان کے مشہور شاعروں کا مقابلہ کرتا۔

مولانا آئندہ بیشک مرزا کی طرز خاص کو جو انھوں نے ابتدا میں اختیار کی تھی ناپسند کرتے تھے، اور جو خیال کہ ابتدا میں مرزا کی نسبت مولانا کے خاطر نشین ہو گیا تھا وہ اخیر تک اُنکے دل میں کسی نہ کسی قدر باقی رہا۔ چنانچہ مرزا نے جو ایک فارسی قصیدہ مولانا مدوح کی شان میں لکھا ہے اُنہیں اس مضمون کی طرف نہایت لطیف اشارہ کیا ہے کہ مولانا اعلیٰ شاعری کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ قصیدے کی تمہید میں اپنے مصائب الام و شکایت روزگار وغیرہ کا بیان ہے، اُسکے بعد مدح کی طرف اس طرح گزیرا کرتے ہیں۔

خواجه گرانہ گسار من بودے۔ واسے من باچیں اندہ کہ پر گفتم و دل خالی نشد
متفق گردیدہ راسے بو علی باراسے من آنکہ دیکھائی دے در فن مشہر زانگی
بزرگارد عقل فحاش ”کہ مرزا نے سن

دل میں مصمم نیا سا یہ سخن کوثر کینہ
آنکھ ننگ دوست بودن سخن بہتہ سے سن
یعنی بوطی سینا کا ممدوح کی کینائی پر پیرے ساتھ اتفاق رہے کرنا اور عقل فعال کا اسکو دیکھنا
سن، لکھنا یہ سب باتیں اسکی مراد کے لئے کافی نہیں ہیں، مختصر یہ کہ وہ ایسا شخص ہے کہ شعر میں
تجربہ جیسے شخص کا ہر سر و ہمتا ہوتا بھی اسکے واسطے موجب ننگ و عار ہے، اسیں قطع نظر اسکے کہ
ممدوح کی اور اس سے بھی زیادہ اپنی تعریف ایک نہایت لطیف پیرائے میں بیان کی ہے اس
بات کا بھی اشارہ ہے کہ ممدوح میری شاعری کو پسند نہیں کرتا۔

مرزا کی وفات سے چھ سات برس پہلے کا ذکر ہے کہ ایک روز نواب حسرتی کے مکان پر
جبکہ راقم بھی وہاں موجود تھا۔ آزر دہ اور غالب اور بعض اور ممان جمع تھے، کھانے میں بیٹھی،
فارسی دیوان غالب کے کچھ اوراق پڑھے ہوئے مرزا کی نظر پڑ گئے۔ ان میں ایک غزل بھی جس کے
مقطع میں اپنے منکروں کی طرف خطاب کیا تھا۔ اور جسکا مطلع یہ ہے۔

نشاط منمناں از شرابخا در تست
شون با بلیاں فصلے از فدا در تست

مرزا نے وہ اوراق اٹھا لئے اور مولانا آزر دہ سے مزاج کے طور پر کہا، دیکھئے کسی ایرانی شاعر نے کیا
زبردست غزل لکھی ہے، یہ کلمہ غزل پڑھنی شروع کی۔ اول کے دو تین شعروں کی مولانا نے
توجہ کی، مگر بعد بعض قرائن سے سمجھ گئے کہ مرزا ہی کا کلام ہے۔ شکر اگر جیسی کہ انکی عادت تھی کہنے
لگے، "کلام مربوط ہے مگر تو انوکھا کلام معلوم ہوتا ہے،" سب حاضرین ہنس پڑے۔ جب مقطع کی نوبت
آئی۔ مرزا نے مولانا کی طرف خطاب کر کے درود ادا کر کے قطع پڑھا۔

تو ایک محسن گستران شیشینی
مباش شکر غالب کو در زار در تست

اسوقت سب لوگ بہت متاثر ہوئے اور مولانا آزر دہ شکر خاں خوش ہو رہے۔

صہبائی اور علوی بھی چونکہ مرزا بیدل کا متبع کہتے تھے اور مرزا غالب نے اس طریقے کو بالکل
چھوڑ دیا تھا اس لئے وہ مرزا کو اور مرزا انکو کم مانتے تھے، لیکن چونکہ یہ تمام گروہ سخن فہم اور سخن سنجوں کا
تھا اور شاعروں میں اکثر ایک دوسرے سے ٹٹ بھڑھوتی رہتی تھی۔ مرزا کو اپنے خیالات کی اصلاح
اور اپنے اشعار کی تہذیب و تنقیح میں زیادہ کوشش کرنی پڑتی تھی اور یہی ان کی اصلی
ترقی کی بنیاد تھی۔

غزل معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے فارسی غزل بھی دل مرزا بیدل میں طرزین کشی سے کی تھی چنانچہ قسم کی
بہت سی غزلیں آئیکے دیوان میں اب تک موجود ہیں مگر رفتہ رفتہ یہ طرز بدلتی گئی اور آخر کار عرفی، ظہوری، نظیری، اور
طالب آملی وغیرہ کی غزل کا رنگ مرزا کی غزل میں پیدا ہو گیا۔ وہ اپنے فارسی دیوان کے خاتم میں لکھتے
ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے، در اگر چہ طبیعت ابتدا سے نادار اور بزرگوار خیالات کی جو یا تھی لیکن آزادہ روی کے
سبب نے یادہ تران لوگوں کی پیروی کرنا را مجراہ صواب سے نابلد تھے۔ آخر جب ان لوگوں نے جو
اس راہ میں پیشہ دتے۔ دیکھا کہ میں باوجودیکہ انکے ہمراہ چلنے کی قابلیت رکھتا ہوں اور پھر بے راہ
بھٹکتا پھرتا ہوں، انکو میرے حال پر رحم آیا اور انھوں نے مجھے مرتباً نگاہ ڈالی، شیخ علی خری
نے مسکرا کر میری بے راہ روی مجھ کو جوابی، طالب آملی اور عرفی شیرازی کی غضبناک و نگاہ نے
آوارہ اور مطلق العنان پھرنے کا مادہ جو مجھ میں تھا اسکو قنا کر دیا۔ ظہوری نے اپنے کلام کی گیرائی
میرے بازو پر تو تیرا دیر میری مکر پر زار راہ بانہا اور نظیری نے اپنی خاص روش پر چلنا مجھ کو سکھایا۔
اب اس گروہ والا شکوہ کے فیض تربیت سے میرا کلام رقص چال میں لکھ ہے تو راگ میں ستیاری

جلوسے میں طاؤس ہے تو پرواز میں غما

مرزا کے اس بیان سے پایا جاتا ہے کہ وہ غزل میں خاص نظیری کی روش پر چلتے تھے، مگر انکی غزلیات کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکی غزل میں نہ صرف نظیری بلکہ عرفی، مہوری، طالب اہل جلال اسیر اور انکے دیگر متبعین کی غزل کا رنگ علی العموم پایا جاتا ہے۔ البتہ اس لحاظ سے کہ تصوف کا عنصر مرزا کے کلام میں نظیری سے کچھ کم نہیں ہے۔ انکی غزل بلاشبہ نظیری کی غزل سے زیادہ مناسب رکھتی ہے لیکن طرز بیان کے لحاظ سے نظیری کی کچھ خصوصیت نہیں معلوم ہوتی۔

ناظم ہروی کی چند بیتیں مشہور ہیں جن میں عنصری سے لیکر جامی تک ہر زمانے میں جو شاعر سر براۓ ہو اسے اسکا نام لیا ہے۔ انکے آخر میں مرزا نے ایک بیت اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ چونکہ اصل فتویٰ اور اس پر مرزا کا اضافہ فائدے اور لطافت سے خالی نہیں ہے اس لئے ہم اسکو یہاں نقل کرتے ہیں۔

ششیدم کرد دور گاہ کمن	شدہ عنصری شاہ صاحب سخن
چو اورنگ از عنصری شد تہی	بہ نر ووسی آمد کلاہ می
چو قمر دوسی آرد سر در کفن	بہ حنا قانی آمد با سخن
چو خاقانی از دار فانی گذشت	نظامی بہ ملک سخن شاہ گشت
نظامی چو جام اجل در کشید	سر چتر دانش سعدی رسید
چو اورنگ سعدی فروخت درکار	سخن گشت بر فرق خسرو شار
در خسرو چو نوبت بہ جامی رسید	ز جامی سخن را تمامی رسید

اسکے بعد جو کئی ناظم کے بیان میں رہ گئی تھی اسکو مرزا نے یوں پورا کیا ہے

”ز جامی بہ عرفی و طالب رسید ز عرفی و طالب بہ غالب رسید“

اگرچہ مرزا نے بیدل اور انکے متبعین کی زبان اور انکے انداز بیان میں شعر کنا بالکل ترک نہ کیا تھا اور اس خصوص میں وہ اہل زبان کے طریقے سے بہرہ تو تجاوز نہیں کرتے تھے۔ مگر خیالات میں بیداریت مدت تک باقی رہی۔ لیکن آخر کار تغزل میں بے انتہا گھلاوٹ اور صفائی پیدا ہو گئی تھی۔ ہم اس مقام پر انکی غزلیات میں سے زیادہ تر صاف صاف اور کسی قدر وہ اشعار بھی نقل کریں گے جنکے بغیر مرزا کی طرز تغزل اور انکے شعری خصوصیت ظاہر نہیں ہو سکتی۔

انتخاب غزلیات فارسی

شاہد حسن ترا در روش دلبری طرہ پر خم صفات موسیٰ میاں ماسو

یعنی اگر تیرے حسن کو مثل شاہد ان مجازی کے ایک شاہد قرار دیا جائے تو اسکا طرہ پر خم کیا ہوگا؟ صفات اکسی۔ اور اسکا موسیٰ میاں کیا قرار پائیگا؟ ماسو یعنی شہزادے متوقنین صفات اکسی کو اکثر زلف و گیسو اور طرہ دکا کل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اور چونکہ ماسوے اللہ کو صوفیہ معدوم محض مانتے ہیں اور مشرق کی لکڑ کو عشاق معدوم قرار دیتے ہیں۔ اس لئے شاہد حسن حقیقی کی کھڑک سے لکھ کر قرار دیا ہے۔

آب تہنجشی بزد خون کند ہذر جاں نہ پزیری ہیچ نقد خضر نارا۔

ہذر یعنی حلال مشہور ہے کہ سکندر آب جیواں کی تلاش میں گیا تھا مگر ناکام رہا۔ کہتا ہے کہ تو زخم

جلوسے میں طاؤس ہے تو پروانیں غنقا

مرزا کے اس بیان سے پایا جاتا ہے کہ وہ غزل میں خاص نظیری کی روش پر چلتے تھے بلکہ انکی غزلیات کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکی غزل میں نہ صرف نظیری بلکہ عرفی، طورسی، طالب علی، جلال اسیر اور انکے دیگر متبعین کی غزل کا رنگ علی اہوم پایا جاتا ہے۔ البتہ اس لحاظ سے کہ تصوف کا عنصر مرزا کے کلام میں نظیری سے کچھ کم نہیں ہے۔ انکی غزل بلاشبہ نظیری کی غزل سے زیادہ مناسب رکھتی ہے لیکن طرز بیان کے لحاظ سے نظیری کی کچھ خصوصیت میں معلوم ہوتی۔

ناظم ہروی کی چند بیہوشیوں میں جن میں عنصری سے لیکر جامی تک ہر زمانے میں جو شعرا سر راؤڑ ہوئے اسکا نام لیا ہے۔ انکے آخر میں مرزا نے ایک بیت اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ چونکہ اصل تنزی اور اس پر مرزا کا اضافہ فائدے اور اہمیت سے خالی نہیں ہے اس لئے ہم اسکو یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ کتاب ہے۔

نشیدم کہ در دورگا و کمن	شدہ عنصری شاہ صاحب سخن
چو اورنگ از عنصری شد تہی	بہ نر دوسی آمد کلاہ می
چو فردوسی آرد دسر دکن	بہ حنا قانی آدب سخن
چو خاقانی از دار فانی گذشت	نظامی بہ ملک سخن شاہ گشت
نظامی چو جام اجل در کشید	سہر چہر دانش سعدی رسید
چو اورنگ سعدی فردش درکار	سخن گشت بر فرق خسرو شمار
ز خسرو چو نوبت بہ جامی رسید	ز جامی سخن را تمامی رسید

اسکے بعد جو کئی ناظم کے بیان میں رہ گئی تھی اسکو مرزا نے یوں پورا کیا ہے

”ز جامی بہ عرفی و طالب رسید ز عرفی و طالب بہ غالب رسید“

اگرچہ مرزا نے بیدل اور انکے متبعین کی زبان اور انکے انداز بیان میں شعر کنا بالکل ترک کر دیا تھا اور اس خصوص میں وہ اہل زبان کے طریقے سے بہرہ و تجاؤز نہیں کرتے تھے۔ مگر خیالات میں بیداریت مدت تک باقی رہی۔ لیکن آخر کار تغزل میں بے انتہا گھلاوٹ اور صفائی پیدا ہو گئی تھی۔ ہم اس مقام پر انکی غزلیات میں سے زیادہ تر صاف صاف اور کسی قدر وہ اشعار بھی نقل کرینگے جنکے بغیر مرزا کی طرز تکمیل اور انکے شعر کی خصوصیت ظاہر نہیں ہو سکتی۔

انتخاب غزلیات فارسی

شاہد حسن ترا در روش دلیری طرہ پر خم صفات موسی میاں سوا

یعنی اگر تیرے حسن کو مثل شاہدان مجازی کے ایک شاہد قرار دیا جائے تو اسکا طرہ پر خم کیا ہوگا؟ صفات اکسی۔ اور اسکا موسی میاں کیا قرار پائے گا؟ موسی اللہ شعراے تصوف تین صفات اکسی کو اکثر زلف و گیسو اور طرہ و کاکل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اور چونکہ موسی اللہ کو صوفیہ معدوم محض مانتے ہیں اور مشوق کی فکر کو عشاق معدوم قرار دیتے ہیں۔ اس لئے شاہد حسن حقیقی کی فکر کو سونے کو قرار دیا ہے۔

آب نہ بخشی بزرغون کند ہزار جاں نہ پزیری ہیچ نقد خضر ارادہ

ہر یعنی حلال مشہور ہے کہ کند را آب حیواں کی تلاش میں گیا تھا مگر ناکام رہا۔ کتاب ہے کہ تو نہ دیکھ

کے کسی کو پانی نہیں دیتا؛ پس اگر سکندراب حیوان کے نہ ملنے کے سبب ہلاک ہو جائے تو ہو۔
دوسرے مصر میں خدا کی بے نیازی کا بیان ہے؛ یعنی خضر جان میسیٰ عزیز چیر مفت تدر کر رہا ہے
مگر تو اسکو قبول نہیں کرتا؛ اور اس لئے اسکو کسی طرح موت نہیں آتی۔

بزم تراشح و گل خشنکے بو تراب ساز ترا زیر و بم واقعہ کر بلا
یعنی تیرے ہاں وہی سب سے زیادہ مقرب اور برگزیدہ ہیں جو سب سے زیادہ متاثر خواہت
مصائب و آلام ہیں۔

سادہ ز علم و عمل مہر تو در زیدہ ام سستی ما پائدار بادہ مانا سستا
ناشتا نہ تھر رہنا اور کچھ نہ کھانا نہ پینا۔ دوسرے مصر کے یہ معنی ہیں کہ گویں نے شراب کا ایک قطرہ
نہیں پایا مگر نقشے میں ہر وقت چور رہتا ہوں؛ یعنی گو علم و عمل کچھ نہیں رکھتا مگر تیری محبت میں شام
قطع

۱۔ اے خاک درت قبلہ جان و دل غالب کو فیض تو پیرایہ ہستی ست جہاں
۲۔ تا نام تو شیرینی جان اودہ بگفتن در خویش فرد بردہ دل از مہر دیاں
یعنی آنحضرت کا نام ہمارا کہ لینے سے زبان میں ایسی شیرینی اور حلاوت پیدا ہوتی کہ دل نے پیلے
اسکو اپنے اندر آتا لیا۔

ماہا سہ گرم پروازیم فیض زما مجھے سایہ بچوں دود و بالاسے رود از بال ما
یعنی ہماری پرواز میں اس قدر گرمی ہے کہ جس طرح دھواں آگ کے اوپر ہی اڑ جاتا ہے اسی طرح ہمارے
پروں کا سایہ بچے نہیں پڑتا بلکہ دھوئیں کی طرح پروں کے اوپر اڑ جاتا ہے۔

حال ما از غیری پریمی منت می برم آگئی بارے کہ اگر نیستی احوال ما
یعنی توجو ہمارا حال غیر سے پوچھتا ہے ہم اسی بات کے شکر گذار ہیں؛ غنیمت ہے کہ تو اس بات سے
تو آگاہ ہے کہ تھکاو ہمارے حال کی خبر نہیں۔

دل ما یوس نسکین من میتوان اداں چہ امیدست آخر خضر وادرسین سچا را
نخطے برہستی عالم کشیدیم از مرقہ بستن ز خود رفیق و مسم باخوشتین پریم نیا را
وقت تالای غم منت چہ پیا چہ نیاں ہجو رنگ از رخ مارت دل از سینہ ما
جوئے از بادہ و جوئے ز غزل دار غلد لب لعل تو ہم اس است ہم آنت مرا
غار ما از اثر گرے ز قمار سوخت رفتے بر قدم راہ رواں ست مرا

یعنی راہ کے تمام خار و خش میری گرمی ز قمار سے جل گئے ہیں؛ پس ہنگیروں کے قدم پر میرا احسان ہے
کہ انکے لئے میں نے رستہ باطل صاف کر دیا ہے۔ یہ تمام مضمون استعارے میں بیان ہوا ہے مطلب یہ
کہ نازک خیالی کے طریقے میں جو الجھا دیتے وہ سب میں نے اس طریقے پر چلکر دور کر دئے ہیں اور
آئندہ آنے والوں کے لئے راہ صاف کر دی ہے۔

رہر و فتنہ دور رفتہ بر آیم غالب توشہ برب جو ماندہ نشانت مرا
یعنی میری مثال اس مسافر کی سی ہے جو گرمی اور کوسے جلا بھنا۔ پانی کو دیکھ کر بے اختیار اسیں کیڑے اور
دوب جاتے؛ اور ندی کے کنارے پر اسکا زور راہ پڑا جاتے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہاں کوئی مسافر ڈوبا ہے۔
شعریں خزانے اپنی خاص حالت کو تشبیہ کے پیرے میں بیان کیا ہے۔ گویا یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں لوگوں نے تھکاو
محض لعل اور ترانچ سے پہچانا ہے؛ ورنہ نہیں جیسا کہ میں ہوں۔ سب کی نظروں سے مخفی رہا ہوں۔

سیاہ و چشمہ بصر آدم عیشے دارد اگر اندیشہ منزل بنود رہزن ما
یہ دنیا کی مثال ہے یعنی اگر آخرت کا کھٹکا نہ لگا ہوا ہو تو دنیا خاصی آرام کی جگہ ہے مگر چونکہ یہ کھٹکا
لگا ہوا ہے اس لئے یہاں آرام کے ساتھ دم نہیں لیا جاسکتا۔

مے پر دود مور مگر جاں بسلاست یزد تاج برق ست کہ شدنا مزو خرمن ما
یعنی معلوم نہیں کہ ہماری خرمن کون سی کئی گرنوالی ہے کہ چوٹے جان چانکے لئے پہلے ہی سے اڑے جاتے
ہیں تیش کے پیرائے میں یہ ظاہر کتاب ہے کہ دوست اور رفیق کوئی ہمارے سرخ میں شریک نہیں ہوتا۔
سخن از لطافت نہ پذیر و تحسیر نشود گردنایاں نرم تو سن ما
یعنی ہمارے خیالات اس قدر لطیف ہیں کہ تحریر میں نہیں آسکتے، گویا ہمارے گھوٹے کی دوڑ میں گدو
بالکل نہیں اٹھتا۔

ما خودیم ہیں مرتبہ ماضی غالب شعور خود خواہش آں کرد گردن ما
یہ ملکہ فطری کی طرف اشارہ ہے یعنی ہنر شاعری خود نہیں اختیار کی بلکہ ملکہ شاعری نے خود ہمو
مجبور کیا کہ ہم اسکو اپنا فن قرار دیں۔

با بندہ خود ایں ہم سختی نمی کنند خود را بزور بر تو مگر بستہ ایم ما
یہ خطاب خداوند حقیقی کی طرف ہے یعنی کیا ہم زبردستی سے تیرے سر ہو گئے ہیں کہ ہم پر ایسی
سختی کی جاتی ہے؟

بر دے حاسداں در دوزخ کشتہ تنگ از بہر خویش جنت در بستہ ایم ما
یعنی ہم اپنا کمال دیکھ کر آپ ہی خوش ہوتے ہیں گویا ہم اپنے لئے جنت در بستہ ہیں پس چونکہ ہماری

جنت کی کیفیت سے اور جو آئیں لذت و راحت ہے اس سے حاسد لوگ یخبر ہیں۔ اس لئے
ریشک سے آنکی یہ حالت ہے کہ گویا ان پر دوزخ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

سوز تر ارواں ہمہ در خوشین گفت از دواغ تھتے بہر بگر بستہ ایم ما
یعنی تیرے سوز اور تیری آگ کو جان نے بالکل اپنے اندر لے لیا ہے؛ امد فزہ بڑا کسی کو لئے
آئیں سے حصہ نہیں چھوڑا۔ پس ہم جو اپنے جگر کو دواغ دار قرار دیتے ہیں در حقیقت اس پر تمت
رکتے ہیں۔

باجو ترے معاملہ بر خوش منت است از شکوہ تو شکر گزار خودیم ما
روئے سیاہ خویش نہ خود ہم منفعت ایم شمع خوش کلبہ تا رہ خودیم ما
کہ دے چون زے یاہم چنان خوشین بالم کہ پذیرم سر آمد روزگار بے نواہما
یعنی ایک شراب کا بھرا ہوا آئوٹو بنیا جھکا ہوا ہے تو میں پھولا نہیں سماتا اور یہ سمجھتا ہوں کہ بس اب
بے سرو سامانی کا زمانہ ختم ہوا۔

سخن کوتہ مرا ہم دل بقوئے مائل است اتنا زنگ زہد امت دوم بکا فرما جہراہما
یعنی زہد کے ساتھ ہم پیشہ ہونے سے عار آتا ہے بلکہ میری کفار کی سی حالت ہے ورنہ تقویٰ
کی طرف مجھے بالطبع میلان تھا۔

در مشرب حریفان منعت خود نمائی بگر کہ چون سکندر آمینہ نیست جہرا
حریفان کا لفظ فارسی میں ایسا ہے جیسا اردو میں لڑ لوگوں کا لفظ؛ اور منعی منی ایکے ہم پیشہ ہیں
جب شرابخوار کسی کو حریف یا حریفان کہتا ہے تو اس سے مراد شرابخوار جوتی ہے کہ کتاب ہے کہ ہم

حریف

خجستانہ

ریزائی

زینہ

زینہ

حریف

شرابخواروں کے مشرب میں خود نمائی منہ ہے۔ دیکھو مجھ جیہ جو بادہ نوشی میں مغرب اشل ہے انکے ہاں
آکر خود نمائی۔ یعنی آئینہ جیسا کہ سکندر کے ہاں تھا۔ نہ تھا۔

دماغستی و بادگیراں گز و بستی بیا کہ عمدہ و فانیست استوار پیا

یعنی اگر کوئی ہنسے توڑ کر غیروں کے ساتھ بیان باندھا ہے تو اسکا خیال نکرو اور بے شکفت ہمارے پاس
چلا آئے کیونکہ عمدہ و فانی توڑنے ہی کے لئے باندھا جاتا ہے؛ وہ کبھی استوار نہیں ہوتا؛ جیسا کہ ہمارے
ساتھ ہندو حکمران لڑتے گئے۔

دواع دو وصل جدا گانہ لڑتے وارو ہزار بار برد صد ہزار بار بیا

یعنی دواع میں آو و طفت ہے اور وصل میں آو و لقت ہے۔ پس ہزار بار جا اور لاکھ بار آ۔ صدر ہزار
لفظ نے شعر کو زیادہ دلچسپ کر دیا ہے کیونکہ شاعر جو دیکھ لقت میں دواع اور وصل دونوں کو یکساں قرار دیتا ہے
مگر پھر بھی اپنے مطلب کی بات کو نہیں بھولا؛ اور جانے کے لئے ہزار بار اور آنے کے لئے صد ہزار بار
کا لفظ استعمال کیا ہے۔

روان صومعہ ہستی ست زینہارو متاع میکہ مستی ست ہوشیار پیا

یعنی صومعہ میں ہستی و سپہار و غور کا رواج ہے وہاں ہرگز نہ جا؛ اور میکہ کی جو کچھ پوچھی ہے
وہ مستی ہے؛ یہاں ذرا ہوشیار ہو کر۔ یعنی طرف عالی لیکر آنا چاہئے۔ مستی حاصل کرنے کے لئے
ہوشیار ہو کر آنا۔ ایسی جو طفت ہے وہ متعلق بیان نہیں۔

چوں بقا صدمہ سپرم پیغام را رشک نگذارو کہ گویم نام را

گشتہ در تاریکی رعدم نماں کو چرخے تلخ جویم شام را

یعنی میرا دن اس قدر تاریک تھا کہ شام کی تاریکی اور اسکی تاریکی دونوں گئیں؛ اور یہ معلوم
ہوا کہ شام کب ہوئی اور دن کب چھپا۔

تانیفتہ ہر کہ تن پرور بود خوش بود گردانہ نبود دام را

یہ وہی معنوں ہے جو مرزا نے اردو میں اس طرح باندھا ہے۔

طاعت میں تار جوتی دیکھیں میں لاک دوزخ میں دھل سو کوئی لیکر بشت کو

دلشاد دشت و غائب ہے شوق شناسد ہے ہنگام را

در جو طرب بیش کند تاب و تہم را مہتاب کف مار سیاہست شہم را

یعنی جدائی کے زمانے میں جو سامان عیش و طرب مینا ہوتا ہے اس سے میری بقیاری اور تپش
زیادہ ہوتی ہے۔ پس چاندنی جو کہ عیش و طرب کی محرک ہے وہ میری رات کے حق میں سیاہ
کے چین کا حکم رکھتی ہے۔

تشنہ لب سائل باز غیرت ہاں دہم گریب افتد گمان چین پیشانی مرا

کتاب ہے کہیں کیسا ہی پیاسا ہوں لیکن اگر دریا کی موج پر چھکویہ شبہ بھی گزرے کہ دریائے مجھے
دیکھ کر پیشانی پر بل ڈالا ہے تو میں غیرت کے مارے سائل دریا پر جان دید و گلا گراؤں تو گلا
بیابان محبت یا دمی آم زمانے را کہ دل عمدہ و فانیستہ دادم دلشائے را

اس شعر میں اپنی نادانی اور حماقت ظاہر کرتا ہے؛ کہ اب انتہائے محبت میں جبکہ مشوق کی
طرف سے ظلم و تم دیو فانی کی کچھ حد نہیں رہی مجھے یہ خیال آتا ہے کہ انوس ہے جب میں نے
دل اسکو دیا تھا اسوقت وفا داری کا عمدہ نہ لے لیا۔ حالانکہ دل کا دنیا کوئی اختیاری بات

نہیں ہے بلکہ جس طرح بیع و شرا اور لین دین کے وقت شرطیں کر لیتے ہیں اسی طرح دل دیتے وقت بھی کوئی شرط کر لیا جاتی۔

آوازہ بشرع از سر منظر بلندست از شب دی ماست شکوہ حسس ما
شب روی چوری کے لئے راتوں کو پھر نا۔ کتاب ہے کہ اگر مجرموں کو تعزیر دی جائے تو شریعت کی شان و شوکت اور حکومت کی شکوہ ظاہر نہیں ہوتی۔ پس ہم جو مرتکب جرائم ہوتے ہیں گویا شریعت اور حکومت کی شان بڑھاتے ہیں۔

وقت است کہ خون جگر از درد بچشد چند آنکہ چسکہ از قزو دارس ما
کتاب ہے کہ میری مظلومی اب اس درجے کو پہنچ گئی ہے کہ وہ وقت آن پہنچا ہے کہ خون جگر دروے و مستدر آئے کہ حاکم و ادویس کی پلکوں سے جا نپکے۔

درد و فرزد رفتہ لذت نتوان بود بر قند نہ بر شند نشیند گس ما
یعنی ہم دنیا کی لذتوں سے متنہ ہوتے ہیں مگر ان میں بھٹتے نہیں جیسے وہ کھلی جو قند پر بیٹھتی ہے کہ جب چاہا آؤ گئی نہ وہ کھلی جو شند پر بیٹھتی ہے کہ پھر بھڑ نہیں سکتی۔

بادہ شکوہی ما بید و کنار کشت ما کوثر و سبیل ما طوبی ما بہشت ما
حسرت و مل از چہ رو۔ چون خیال منوریم ابرا اگر بابتد برب چوست کشت ما
یعنی جبکہ ہم خیال دوست ہی میں مست و سرشار ہیں تو وہ مل کی حسرت کیوں کریں۔ اگر پرہیز برستا تو نہ برسے ہماری کھیتی خود ہندی کے کنارے پر ہے۔

بڑہ مد اینیس میر بر صدر ہزار شمس گزہنی در آفتاب بادہ چکر زشت ما

بادہ اگر بود حرام۔ بذل خلافت شرعیت دل نہنی بہ خوب باطنہ زن ہر شہتا

زاد کی طرف خطاب ہے جو شراب بخواری اور رندانہ بذلہ سخی دو تو کو برا سمجھتے ہیں۔ کتاب ہے کہ اگر شراب حرام ہے تو بذلہ سخی تو خلافت شرع نہیں ہے؛ اگر تو شراب کو جو ہماری نفیس چیز ہے پسند نہیں کرتا تو بذلہ سخی جو ہماری ادنیٰ درجے کی چیز ہے اس پر تو طعن مست کر۔

گفت بکلم حسرتی غالبہ این غزل شاد بیج می شود طبع و فاسرشت ما
یہ غزل غالباً اس زمانے کی لکھی ہوئی ہے جبکہ نواب مصطفیٰ خاں مرحوم غلص بہ حسرتی کے مکاتیب

مشاعرہ ہوتا تھا اور علوی، و صہبائی، و آذر وہ، اور مؤمن اور نیر وغیرہم سب ہمیں شریک ہوتے تھے اس مقطع میں مرزا نے مصرع طرح کو تعین کیا ہے اب اسکے معنی یہ ہو گئے کہ ہم سے جو اس طرح پر غزل لکھنے کی فرمائش کی گئی ہماری طبع و فاسرشت دوست کے اتنے ہی انصاف کے شاد شاہد ہو جاتی ہے۔
مردم ز فرط ذوق و تسلی نے شوم یارب کجا برم لب خجرتاے ما

کتاب ہے کہ دوست کے خجرتے وہ مراد یا ہے کہ اسکی تعریف کرنا کہ نامر گیا؛ اور پھر بھی تسلی نہونی انہی اس لب خجرتا کہ کہاں لیجاؤں کہ جہاں جا کر تسلی ہو۔

شیم تاریک منزل دور و نقش جادہ ناپیدا ہلاکم جسلوہ برق شراب گاہ گاہے را
پہلے مصرع میں اپنی مشکلات کو شب تاریک وغیرہ کی تمثیل میں بیان کیا ہے دوسرے مصرع میں کتاب ہے کہ میں ہلاک یعنی قربان ہوں برق شراب کی چمک پر جو کبھی کبھی چمک جاتی ہے اور اس اندھیرے میں کچھ روشنی نظر آ جاتی ہے مطلب یہ کہ شراب جو کبھی کبھی مل جاتی ہے صرف اسکی بدولت میرا غم غلط ہوتا ہے۔

سے بازدارہ حرام آمدہ۔ ساقی تبریز شیشہ خود شنگ بر سر پائے ما
بر خلاف عقل و شرع کے کتاب ہے کہ اسے ساقی شراب اعتدال کے ساتھی ہیں حرام ہے تو اٹھ اور اپنا
شیشہ یعنی بوتل یا صراحی ہمارے گلاس پر دے مار اس شرمیں اقراط شوق کی تصویر کھینچی ہے خواہ
کسی چیز کا شوق ہو جب کسی چیز کی طلب اور خواہش مد سے گزر جاتی ہے تو اس بات کی حس
نہیں رہتی کہ اپنے ظرف کے موافق اسکی خواہش کیجاسے جب پانی کی پیاس نہایت شدید
ہوتی ہے تو پیاسا دریا کو دیکھ کر یہ چاہتا ہے کہ سارے دریا کو پی جاؤں پس اگر مضمون شراب
کی تشیل میں بیان کیا گیا ہے لیکن اسکا مصداق ہر چیز کا شوق تو رہا سکتا ہے۔
مور آید زلف دست اگر دہقان را نیست ممکن کہ کشد ریشہ سر از داغ ما
ظاہر ہے کہ انسان کی ہتھیلی میں بال پیدا ہونے کی قابلیت نہیں رکھی گئی۔ کتاب ہے کہ اگر کاشتکار کی
ہتھیلی میں بال بھی نکل آتے تو یہی ممکن نہیں کہ ہارا دانہ پھوٹ کر انہیں سے ریشہ نکل آئے یعنی ہماری
کوششوں کا مشکور ہونا محال ہے۔
خوابیم و رضائیں در خیال ہمایا باشد ز چشم بد نگہدار و خدا دوست کاماں را
خواب۔ مست، ویران، اور تباہ، تینوں معنوں میں آتا ہے۔ دوست کام وہ شخص جسکی حالت دوستوں کی
خواہش کے موافق ہو، یعنی عمدہ حالت ہو۔ کتاب ہے کہ ہم خود بھی خواب ہیں اور دوست کی خوشی بھی
یہی ہے کہ خواب حال ہیں پس ہم دوست کاموں کو نیک حالت دوست کی مرضی کے موافق ہے
خدا تعالیٰ نظر بد سے محفوظ رکھے۔
بسا افتادہ۔ سرست و بسا افتادہ در طاعت تو دانی تا بے لطف از خاک برداری کہ اماں را

عالم آئینہ رازست چہ پیدایہ نہاں تاب اندیشہ نداری یہ نگاہ ہے دنیا
یعنی اگر توجہ نہیں سکتا تو نگاہ ہی سے عالم کو دیکھ کہ اسکا ظاہر و باطن سب نظر اسرار الہی ہے۔
فرصت از کف مدہ وقت غنیمت پذیر نیست اگر صبح بباری شباب ہے دنیا
گرسن از جور بہ انصاف گریہ عجیب از حیار وے با گر نژاد پر عجیب
کتاب ہے کلام دہم کے بعد اگر وہ انصاف کی طرف مائل ہو جائے تو کچھ عجیب نہیں یعنی اپنے پچھلے ظلم یاد
کر کے جیسے ہکو نمٹ نہ دکھلائے تو کچھ تعجب نہیں مطلب یہ کہ انصاف بھی کر گیا تو اس طرح کر گیا کہ ہم
اسکے دیکھنے سے محروم نہیں۔
بودش از شکوہ خطرونہ سری و شبن بزم ارم اگر از مویا پر چہ عجیب
خیالی پلاؤ پکا ہے تاکہ اسی طرح اپنے دل کو تسکین دے۔
باچنیں شرم کا دہستی خوش نشا شد غالب رخ برہ دوست نہایت عجیب
یعنی اس شرم سے کہ اپنے تیش غلطی سے موجود سمجھ رہا ہے اگر غالب خدا کے آگے سجدہ نہ کرے
تو کچھ تعجب نہیں۔

حق جلوہ گر زطرز بیان محمد است آسے کلام حق بزبان محمد است
آئینہ دار پر تو مہرست ماہتاب شان حق آشکار ز شان محمد است
تیر فضا ہر آئینہ در ترکش حق است اناکش داں ز کمان محمد است
دانی اگر یعنی لولاک و رسی خود ہر جہ از حق ستا زان محمد است
ہر کس قسم با پنج عزیز است می خورد سو گندہ کردگار بجان محمد است

واعظ! حدیث سایہ طوبیٰ افزودگار
 کایجا سخن ز سرور روان محمد است
 بنگرد و نیمه گشتن با و تمام را
 کال نیمه جنبشی ز زبان محمد است
 در خود ز نقش مهر نبوت سخن رود
 اں نیز نامور ز نشان محمد است
 غالب بنای خواجہ بہ زداں گداشتیم
 کال ذات پاک مرتبہ دان محمد است
 یہ غزل مرزا نے اپنی عام طرز کے خلاف نہایت صاف اور بلیغ لکھی ہے۔ راقم نے مرزا کی زندگی میں
 میں اس غزل کی تحفیس کی تھی اور مرزا صاحب کو بھی دکھائی تھی۔ چونکہ وہ تحفیس ایک شائع
 نہیں ہوئی اسلئے تقصلاً مقام یہ ہے کہ اسکو بھی اس غزل کے ساتھ نقل کر دیا جائے۔
 اعجاز از خواص لسان محمد است
 عین الحیوۃ گم بہ وہان محمد است
 گز نور و گرہے کہ اداں محمد است
 حق جلوہ گر زطر زبان محمد است
 اے کلام حق زبان محمد است
 دانی نہ پیش چشم تو بر خیزد از حجاب
 کز نور شمع پردہ فانوس است تاب
 باشد ظهور بر روشنی عارض از نقاب
 آئینہ دار پر تو ہرست ماہ تاب
 شان حق آشکار ز نشان محمد است
 بظہر خداست گرد کبر نہاد است
 قہر خداست چوں زبر کس بجلاست
 داند کسیکہ شد زبانی ازین است
 تیر قضا ہر آنست در ترکش حق است
 آنا کش او اں ز کمان محمد است
 گوئی اگر بعبالم ادراک واری
 بینی اگر بہ دیدہ و تراک واری

سخی اگر میر تبسہ خاک واری
 دانی اگر بمینی لولاک واری
 خود ہر چہ از حق است اداں محمد است
 شاہد بقتل عاشق و عاشق بنجال وند
 مجنوں پیاسے لیلی دلیلی بفرق خود
 مومن بہ آل احمد و ایش روح جد
 ہر کس قسم بدانچہ عزیز است می خود
 سو گندہ کردگار بجان محمد است
 اے خامہ وصفت قامت مشوق کم گار
 اے دل سخن ز راست قدم میاں سار
 قری! ذکر سر و نقش را نگاہ دار
 واعظ! حدیث سایہ طوبیٰ افزودگار
 کایجا سخن ز سرور روان محمد است
 عکس بھر وادہ رفت چوں قضا
 دیدی کہ باز گشتن خورشید بر قضا
 بودہ است براشارہ ابروی مصطفیٰ
 بنگرد و نیمه گشتن با و تمام را
 کال نیمه جنبشی ز زبان محمد است
 آنجا کہ از مناقب حضرت سخن رود
 ذرا آل و از صحابہ و است سخن رود
 دال کا نیمہ ز نظم رسالت سخن رود
 در خود ز نقش مہر نبوت سخن رود
 اں نیز نامور ز نشان محمد است
 ہمت بچ نہ من و حالی گاشتیم
 گفتیم و از گماشتنی باخ گاشتیم
 چن کام دل و لب و فخر و مفتش گاشتیم
 غالب شنائے خواجہ بہ زداں گاشتیم
 کال ذات پاک مرتبہ دان محمد است

بہ خود بوقت فرج تمیدن گناہ من دانستہ دشنہ تیز ز کون گناہ گیت
یا د از عدد و نیارم و اینم زد و زنیست کاندہ دلم گذشتن بادوست و زنیست
کتاب ہے میں جو رقیب کا خیال دل میں نہیں لاتا یہ خود بینی کی بات ہے کیونکہ میرے دل میں بوقت
دوست رہتا ہے اگر رقیب کا خیال دل میں آگیا تو گویا رقیب دوست کے ساتھ مہنشین ہو جائیگا۔
من سوی او بہ پیغم دانہ ز بیجالیست اوسوی من ز بندہ انتم شریک نیست
چہ گفتہ با کرد از اندازہ گمان تو نیست قیامت دل دیر مہربان تو نیست
رواں فدای تو! نام کہ بردہ با صبح زبے لطافت ذوقیکہ در بیان تو نیست
چونکہ نامح ترک عشق کی نصیحت کرتا ہے اس لئے مشوق کا نام عاشق کے سامنے اچھی طرح نہیں
لیتا۔ شاعر نامح کی طرف خطاب کر کے کتاب ہے کہ میری جان تجھ پر قربان ہو! تو نے کہ کتاب نام لیا
وہ کیسی لطافت اور لذت ہوگی جو کہ تیرے بیان میں نہیں ہے؟ یعنی جس طرح اسکا نام لیا جائے
تھا اگر اس طرح تو بھی وہ نام لیتا تو کیسی لطافت اور لذت تیرے بیان میں ہوتی۔ مگر چونکہ نامح
نے بری طرح سے اسکا نام لیا تھا۔ اس لئے کتاب ہے کہ وہ کیسی لطافت ہوگی جو تیرے بیان میں نہیں ہے۔
دل از غموشی لعلت امید وارچست چہ گفتہ بزبانے کہ درد بان تو نیست
مشوق نے غم سے کچھ نہیں کہا مگر اسکی نگاہ یا تبسم یا کسی اور اداسے اسکے افغات یا وصل کی آہ
بند می ہے پس کتاب ہے کہ تیرے لعل لب کی خاموشی سے میرا دل اس قدر کیوں امید دار رہے تو نے
اسن بان سے جو تیرے منہ میں نہیں ہے کیا کہہ دیا ہے جس سے اسکو امید بند می ہے۔
گمان ز نیست بود بر منت زبید روی بدست مرگ وے بدتر از گمان تو نیست

شوقی

عاشق

عاشق

عاشق

بے شک و بلا برون پازیم بلاست قہر دریا سلسبیل و روی دریا آتش
دوسرے صرح میں عوفی کے مضمون کو آتا ہے۔ آئے۔ اس لحاظ سے کہ دریا کے اوپر کی سطح سے
راحت حاصل ہوتی ہے اور دریا کی تہ میں پہنچنے سے وہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے جو آگ میں جل جانے سے
ہوتا ہے۔ یوں کہا تھا۔ "روی دریا سلسبیل و قہر دریا آتش است" مرزا کہتے ہیں کہ بلا کا خوف
خود بلا سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ چنانچہ دریا میں انسان بھیجی تک چین رہتا ہے جب تک
کہ ڈوب جانے کا اندیشہ ہوتا ہے جب ڈوب گیا پھر کچھ بھی بے چینی باقی نہیں رہتی۔ پس یوں کہنا
چاہیے کہ "قہر دریا سلسبیل و روی دریا آتش است"
پاک خرام و زوزنار از پے فردا منہ در شریعت بادہ امر و زکات فردا آتش
جو لوگ شراب ملور کی امید پر دنیا میں شراب نہیں پیئے وہ گویا چر شراب آج نہیں پیئے اسکو کل پکلیے
رکھ چھوڑتے ہیں۔ پس ان سے کتاب ہے کہ در پاک خرام و زوزنار، یعنی سب آج ہی بیڑے اور کل کیلئے
مت رکھ، کیونکہ شریعت میں شراب آج تو پانی ہے اور کل وہی آگ ہو جاوے گی۔
زود ہم نقش خیالی کشیدہ ورنہ وجود خلق چہ علقا بدہر زنا بابت
قوی فسادہ چو نسبت۔ ادب جو علقا ندیدہ کہ سوی قبلہ پشت محراب است
یعنی جب تعلق اور نسبت قوی ہو جائے تو پھر آداب ظاہری کی توقع نہ کرنی چاہئے۔ دیکھو! قبلہ کی
طرف پشت کرنا ہر ایک کے لئے خلاف ادب ہے، مگر محراب مسجد جبکہ قبلہ سے نہایت مغیرہ تعلق
ہے۔ اسکی پشت ہمیشہ قبلہ ہی کی طرف رہتی ہے۔
ہر چہ خلک خواستہ است یکدل از خلک خواست طرف فقیر نے رحمت بادہ ماگزل خواست

شوقی

شوقی

شوقی

شوقی

شوقی

بحث وجدان بجای ماں - میکہ جوئی کا دریا کس نفس از محل نزو کس سخن از مذک خواست
 بجاسے ماں یعنی بجاسے داؤد مینی بحث وجدال کو یو نہیں رہنے دے اور نجانے میں جا کر وہاں نخل
 کا جھگڑا ہے نہ مذک کا تقہ ہے نخل سے مراد جنگ جیل ہے جیسے حضرت عائشہ محل مینی اونٹ پر
 سوار ہو کر حضرت امیر سے لڑنے لگی تھیں ، مذک ایک کجوروں کا باغ تھا جہر حضرت سیدہ انسہ
 قائلہ زہرا حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت میں دراشت کا دعویٰ کیا تھا یہ دونو جھگڑائے بھلاؤں
 بیشمار زراعوں کے ہیں جیسے سنی شیعوں میں ہمیشہ سرچشمہ لڑ رہتی ہے ۔

دل جلوہ میدہد ہنر خود را بچمن
رہے مگر بجانِ حسودش نامندہ است

یعنی جیت تک میں اپنے تئیں چھپاتا تھا حسودوں کو کچھ آزار نہیں پہنچتا تھا اب علی الاعلان اپنے
ہنر ظاہر کرنے لگا ہوں گویا اب حاسد کی جان پر رحم باقی نہیں رہا۔

غالبے ہاں بریدہ و آگندہ گوشت
آبادیغ گفت و شنودش نامندہ است

بیل بادلت بنالہ خوئیں بہ مجتہدیت
آسود دوزی کہ یار تو شکل پسندیت

یعنی اسے بیل تو اپنے نالہ خوئیں کے سبب مفتق میں میں ہے جب چاہتی ہے نالہ کرتی ہے پس تو
آرام سے زندگی بسر کر کہ تیرا یا ربی کل شکل پسند نہیں ہے۔ بخلاف ہمارے کہ ہمارے رونے اور فریاد کرنے
کی بندی ہے، حالانکہ نالہ خوئیں سے دل بھرا ہوا ہے۔

بے خود بربر سایہ طوبے غمزدہ اند
 شبگیر رہ روان تما باہست
 یعنی جو لوگ انانی و امال کے پندے میں گرفتار ہیں انکا سفر کچھ بیاچار نہیں ہے انکا انتہائے مقصود
 طوبے کے سایہ میں آرام کرنا ہے۔

اختر می خورشید ز نیم بجای می بایست
 تا تنگ مایه بدویزه خود را نشود
 گفتم بروزگار سخور چون می بایست
 شکلی غزاله که ز بینی هیچ دشت
 در صنفه بنودم همه آل چه در دل است
 و راز دوستی من چاکه از گنبد چسب
 و گفته که به تمنی لب از و پند پذیر
 یہ خطاب نامح کی طرف ہے۔

اگر نہ بہرین - از بہر خود عسیر نرم دار
 کہ بندہ - خوبی او خوبی خداوند است
 در گرم روی سایہ و سر شمشیر بخونیم
 یعنی بکھاوگے جانے کی جلدی ہے ہم سایہ و سر شمشیر یعنی طوبی اور کوثر پر آرام نہیں لے سکتے
 اں را کہ در سینہ نہانت نہ د عطا است
 کہ عجب اقتاد بدیں خفیتہ مارا
 کہ عجب ز کہ پرسم اثر عمر گذشتہ
 در قالب ملاء اثرش پرودہ کشاند
 گر منافق - و صلی تا خوش در دوائق - ہجر تلخ
 دیدہ و اعظم کرد رویہ دوستان دیدار

[illegible]

اور جو موافق ہیں اُن کی جدائی تلخ ہے۔

برو آدم از امانت ہر چہ گردوں بزناقت
رخیت سے برفاک چوں در جام خمیدن شربت
یعنی بار امانت میں سے جو کچھ آسان سے نہ اٹھ سکا وہ انسان نے اٹھایا گویا جب شراب جام میں
نہا سکی تو خاک پر گر پڑی۔ خاک کا لفظ انسان کے لئے اور جام آسان کے لئے کس قدر مناسب
واقع ہوا ہے۔ اور بار امانت جو انسان پر ڈالا گیا اسکی تشبیہ اس شراب سے جو پیار چھلکنے سے زمین
پر گر پڑے کیسی لطیف و پاکیزہ تشبیہ ہے!!

بریں نیاز کرباست - ناز می بدم
گدا بہایہ دیوار پادشاخت بہت
ہوا مخالف و شب تار و بحر طوقاں خیر
گستہ لنگر کشتی و نافہ خشت است
عنّت بر شہر بنخوں زناں بہنگہ طلق
عسّ نجانہ و شہ در حرم سرائست
یعنی کو تو ال اپنے گھر میں اور پادشاہ حرم سرائیں آرام کرتے ہیں۔ انھیں کیا خبر ہے کہ تیرا غم یعنی عشق
شہر میں خلقت کے گھروں پر بنجوں مار رہا ہے۔

دلیم یہ سچ و سجت ادہ و روا لرزد
کہ در دمر حلہ بیداد و پار ساخت است
کتاب ہے کہ پار سیا یعنی زاہد تو اس گھمنڈ میں کہیں عبادت میں مصروف ہوں غافل ہے اور در دمر حلہ
جو منہ لگا ہوں لگا ہوا ہے۔ یعنی نفس اتارہ جاگ رہا ہے، یعنی تاک میں بیٹھا ہے۔ پس مجھے سچ و سجت
اور داسے زاہد کی خبر نہیں معلوم ہوتی، اسلئے میرا دل کانپ رہا ہے۔

بہیں نہ دور و دور بہت کہ منظر را
در بچہ باز و بدروزانہ اثر دہا خشت است
قرب در گاہ آنی میں جو مشکلات و خطرات ہیں انکو بیان کرتا ہے۔ کتاب ہے کہ دور ہی سے دیکھ لے

اور قرب کا طالب نہو۔ اگرچہ منظر کے پٹ کھلے ہوئے ہیں مگر دور و زبے پر اثر ہا سوتا ہے۔

براہ خفتن ماحسہ کہ بنگرد و اند
کہ میر قافلہ در کارواں سرائست

کتاب ہے کہ میں منزل پہنچنے سے پہلے راہ ہی میں ایسا غافل رہے خبر نہتا ہوں جیسے کہ کارواں سالار
منزل پر پہنچا کر ام سے پاؤں پھیلا کر سوتا رہا ہے۔

دگر زائینی راہ و قرب کہ چہ خط
مرا کہ نافر ز قمار ماند و پانخت است

قفس و دام را گناہے نیست
رخین در نداد بال و پر است

نہاد۔ جلیت کو کہتے ہیں۔ قفس اور دام دونوں جانور کے لئے تخلیف اور ذوقیت کے مقام ہیں جہاں
اکثر جانور تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے اور اس کے بال و پر گر جاتے ہیں۔ یہاں قفس اور دام سے دنیا
اور اسکی تخلیقات مراد ہیں۔ کتاب ہے کہ قفس اور دام پر کچھ الزام نہیں ہے بال و پر گرنے ہی کے
لئے بنے ہیں اور جاندار مرنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہے۔

ریزد آں برگ وایں گل افشانہ
ہم خزاں ہم بار در گذر است

یعنی خزاں اور بار دونوں رفتی ہیں، اسیس پتے جھڑتے ہیں تو اہیں پھول جھڑتے ہیں۔

بے تو گز زیتہ ام سختی اس در دسج
بگذر از مرگ کہ دایہ بہنگامی بہت

یعنی موت کے لئے تو ایک وقت میری ہے اس سے قطع نظر کہ اور یہ خیال مت کر کہ اب تک
ترا کیوں نہیں، بلکہ یہ دیکھ کہ اب تک نہ کیوں نہ کر رہا اور کیوں نہ جانی کے رخ اور تخلیف کو برداشت کیا۔

کیست در کہیدہ رطلے ز بنیدم بخشد
در گردگاں طلبد جائہ احرارے بہت

اصل چما ز شراب۔ بنیدم شراب۔ گردگاں وہ شے جسکو گرد کہیں۔ جائہ احرار وہ بن سلا کپڑا

جو مناسک حج کے ختم ہونے تک حاجی پہن رہے ہیں۔

زبد جستہ شرار و نہ بجا ماندہ راد سوختم - لیک ندائم بچہ عنوانم خوش
رماوراکہ - پہلا سوختم لازمی - دوسرا سوختم متعدی - کہتا ہے میں بل تو ضرور کیا مگر معلوم نہیں
آستے کس طرح مجھے جلادیا نہ کوئی پتنگاڑا اور نہ راکھ باقی رہی۔

بادوست ہر کربادہ خلوت غور و دام دانہ کو حور و کوثر و دارالسلامیت
دوست کو حور سے - بادہ کو کوثر سے - اور خلوت کو دارالسلام یعنی جنت سے تشبیہ دی ہے۔
دلخستہ رعیم و بودے دوا سے ما باشتگاں حدیث ملائع خرامیت
از کاسہ کرام نصیب است خاں تاز فلک نصیب کاس کرامیت
شکی ز قست از تو خواہیم مرز و کار در خود پریم کار تو ایم استقامت
یعنی اگر کہنے نیکی کی ہے تو وہ تیری ہی طرف سے ہے اسکی اہمیت ہم نہیں چاہتے اور اگر ہم بد ہیں تو
تیرا فعل منی تیرے بنائے ہوئے ہیں پھر سزا کس لئے ہے۔

غالب اگر نہ خرقہ تو مصحف ہم خرقہ پر سد چرا کہ رخ نئے لعل نام صیت
یعنی غالب کے گھر میں صرت ایک پرانا خرقہ اور ایک مصحف تھا اور کچھ نہ تھا پس آئے انکو اگرچہ نہیں دیا
تو شراب کا بھاد کیوں پوچھتا پھر تا ہے ہم خرقہ کے لفظ میں یہ شوخی رکھی ہے کہ اگر دونوں کو ایک
ساتھ نہ خرقہ کیا ہوگا تو شراب کی قیمت نہ ادا ہو سکیگی۔

لطف خداے - ذوق نشاطش نہید کا فردے کہ باستم دوست تو گرفت
یعنی وہ کا فردل جو مشرق کے علم سنے کا عادی ہو اسکو خدا کی مہربانی میں بھی خزانہ نہیں آتا۔ بظاہر

یہ ایک شاعرانہ شوخی معلوم ہوتی ہے؛ مگر درحقیقت یہ ایک فیکٹ ہے جو ہوا و ہوس کے کوچ
میں ہمیشہ گزرتا رہتا ہے۔ ہوا ہوس لوگ سب ذلتیں گوارا کرتے ہیں؛ جدائی کے صدمے، تنگ
کی جلن، ذلت و بے آبروی، معاشیق کی بے اتفاقی و بے اعتنائی وغیرہ سب کچھ سہتے ہیں
مگر ہوا و ہوس سے باز نہیں آتے؛ اور پارسانی و عفت کا طریقہ جو باعث خوشنودی خدا ہے
اسکو اختیار نہیں کر سکتے۔

رضواں چو شہد شیر نبالجہ الکراد بے چارہ باز داد دے تشکبو گرفت
رموز دین قشاسم دست - دمعہ دوم ندا دین عجی و طریق معنی بیست
یعنی میں پیدا تو عجم میں ہوا ہوں اور میرا مذہب عربی ہے پس اگر اصول مذہب سے واقف
منوں تو مجھکو معذرت سمجھنا چاہئے۔

نشاط جم طلب از کمان شوکت جم قبح میاش با قوت بادہ گر عجبی
دوسرا مصرع مثال ہے پہلے مصرع کے معنوں کی - یعنی انکو وہی شراب چاہئے جس سے جوشید
عیش حاصل ہو یا قوت کا پیا لہ جس سے جوشید کی سی شادمانہ شوکت ظاہر ہو اگر نہ میسر ہو
تو نہ سی۔

ہر آنچہ رنگری خرم جنس مال نیست عیا رب کیسی من شرافت نسبت
یعنی جسکو دیکھے اپنی جنس کی طرف مال ہے؛ چونکہ شرافت نسب میں کوئی سیری مثل نہیں ہے
اسلئے میری طرف کوئی مال نہیں ہے؛ اور یہی میری یکسی کی وجہ ہے۔
نشاط سنو یاں از شرابنا د رقت فنون بابلیاں ضلے از ناد رقت

اس تمام غل میں مشوق حقیقی کی طرف خطاب ہے۔

بجام دانتہ حرف جم و سکنہ حسبت کہ ہر پرفت بہر عمدہ در زمانہ است
یعنی یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ جام جہاں نماجشید کے عمدہ میں تھا اور آئینہ سکنہ کے عمدہ میں
کیونکہ جو کچھ جس زمانے میں گذرا وہ تیرے ہی زمانے میں تھا۔

ہم از احاطہ تست اینکہ در جہاں مارا قدم بہ تیکدہ و سر بر آستانہ تست
یعنی تو جو تمام عالم پر محیط ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم ہیں تو تیکدہ میں۔ مگر ہمارا سر تیرے آستانے پر
سپرہ اتو تباراج ما گما شستہ نہ ہرچہ دزد زما برد در خزائرت
یعنی کیا یہ بات نہیں کہ جو کچھ تیرے ٹوٹ کر لے گیا ہے وہ تیرے خزانے میں ہو رہا ہے؟
مراچہ جرم گرانہ یثیہ آسمان پست تیر گامی تو سن زما زیارت

اس شعر میں غمنا اپنے خیال کی بلند پروازی کا اظہار ہے؛ اور اصل مقصد یہ ہے کہ جو کچھ ہے
وہ تیری ہی طرف سے ہے۔ یعنی اگر میرا خیال اپنی حد سے تجاوز کر کے عالم بالا کے اسرار
و خواص میں دخل دیتا ہے تو میرا کیا قصور ہے؟ تیرے مازیانے نے گم ہو کر کتیرے قرار کر دیا؟

شبا بیچہ ہدا چہ نا قدر دانی ہیست بلا بجان جوانان پار ساریزد
آخر منزل غمت نبوی تو راہ میزند اول منزل دگر بوی تو را دیدہ

یعنی سالک جب تیری راہ میں قدم رکھتا ہے اور پہلی منزل قریب ختم ہونے کے ہوتی ہے تو
سخت سخت مشکلات اور امتحانات کا سامنا ہوتا ہے۔ جب یہ مرحلے ہو جاتا ہے اور دوسری
منزل شروع ہوتی ہے تو لذت قرب حاصل ہونے لگتی ہے جو مثل نادراہ کے اگر بھٹکی

اہمیت بندھوا تی ہے۔

اے کہ بدیدہ غم زنت و یکہ بینہ غم زنت نازش غم کہ ہم زنت خاطر شاد میدہ
ست عطای خود کند ساقی ماندہ ست دادہ ز یادے برد بسکہ زیادہ میدہ
یعنی ہمارا ساقی شراب سے مست نہیں کرتا بلکہ اپنی عطا بخشش سے مست کرتا ہے چونکہ وہ غم
پہلے سے زیادہ دیتا ہے اس لئے پہلا دیا ہوا بھول جاتے ہیں اس کے احسان کے نشے
پر شراب کا نشہ غالب نہیں آنے پاتا۔

دل اسباب طرب گم کردہ در بند غم نازش ذرا تھکاہ دھتاں بیشوہیں باغ ویران شد
یہ مضمون مرزا کے حسب حال ہے اور عموماً مسلمانوں کی حالت پر صادق آتا ہے اول
عیش و عشرت اور بعد فزون تیل لکوی کی فکر و راحت اور باغ کی مثال کس قدر مثل لے کے
مطابق واقع ہوئی ہے۔

زنا گرم است اس ہنگامہ جنگ شور ہستی را قیامت می دد از پردہ خاکے کر انسان شد
یعنی جو کچھ دنیا میں فتنے اور فساد اور جنگ و جدال اور شور و غوغا ہے وہ انسان ہی کے
دوم سے ہے اگر حضرت انسان نہوتے تو تمام عالم میں سناٹا مہوتا۔

تھنا الذوق سنی شیرہ میر خیت در جانا نے از لاسے پلایش چکید و آب جواں شد
لے بالامانی کو کہتے ہیں۔ باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔

جلوہ اسے داغ کہ دو دم دھک سے خیزد خردہ اسے درد کہ نغم زد و اسے آید
یعنی اسے داغ اب تیرے ظاہر ہونے کا وقت آگیا کیونکہ تمک جو تیرے طول پکڑنے اور ترقی

شوق
شوق

خلاف

شوق

شوق

شوق

شوق

شوق

شوق

پانے کا باعث ہے مجھے اُس میں مزا آنے لگا ہے اور اسے درد تیری بن آئی ہے کیونکہ مجھے
دو اسے تنگ آنے لگا ہے۔

ہمچوراز سے کہ بستی زول آید بیرون در بہاراں ہمہ بویت ز صبا سے آید
اس شعر میں مشوق حقیقی کی طرف خطاب ہے اور اس حدیث کے مضمون کی طرف اشارہ
ہے کہ ان بعد فی آیام ذہر کم کفحات الا فترتھوا لہما۔

خوش است آنکہ باغوش بزم ناز وے خوشتر است آنکہ ایں ہم ناز
سزا ہے کہ رختد بویرانہ خوشتر ز چشمیکہ سپر ایہ ہم دارد
یعنی وہ سراب جو صحرا میں چلے اُس آنکھ سے بہتر ہے جو نہیں ہے۔

سخن نیست در لطف این قطعہ غاب بشتے بود ہنس کا دم ندارد
قطعہ سے مراد قطعہ زمین ہے۔

شمع گشتند در خورشید نشانی دادند
دل ربوند و دو چہم نگرانم دادند
ریخت تہا ز ناکوس فغانم دادند
بہوض غامہ گنجینہ فغانم دادند
بہجن ناصیہ فتر کیا نام دادند
ہرچہ نردنہ بہ پیدایہ نہانم دادند
شب جمہ ماہ رمضان دادند
شروع صبح دریں تیرہ شبانم دادند
سرخ کشودند لب ہرزہ سرانم دادند
سوخ آتشکدہ ز آتش نفس بخشید
گہرا ز نایت شامان ہم چسپید
افسار نادک ترکان چٹکی بردند
گوہر انباج گشتند دہان نش بستند
ہرچہ در جزیرہ دگر ایں غیاث دادند

ہرچہ از دستگیر پارسیں نیابند
تا بنالم ہم اناں جملہ زبانم دادند
انہ کے چند شعروں میں اس بات کا بیان ہے کہ قضا و قدر نے جو کچھ عیب کی نعمات کے
وقت ہم سے چھینا اسکے عوض میں مجھ کو کہیں بھی عجیبی الاصل ہوں۔ کچھ نہ کچھ دیا۔ جیسا تشکر
میں کر رہا کہ ہو گیا تو مجھے آتش کی جگہ نفس یعنی زبان دی۔ اور جب تہا ز ناکوس کی جگہ
نہ و قفاں دی۔ شامان ہم کے چندوں کے موتی آتا رہے اور اسکے عوض میں مجھے حسانہ
گنجینہ فغان عنائت کیا۔ اسی طرح ترکوں کے سر سے تلج لوٹا یا اور مجھ کو شاعری میں اقبال
کیانی مرحمت فرمایا۔ پھر کہتا ہے کہ موتی تلج میں سے تو توڑ لئے اور علم و دانش میں بڑھ لئے یعنی
جو کچھ علی الاعلان لوٹا تھا وہ مجھے چپکے سے دیدیا۔ اور آتش پرستوں سے جو شراب جزیے میں لی
وہ ماہ رمضان کی شب جمہ کو مجھے پلائی۔ خلاصہ یہ کہ پارس کی جو کچھ پوچنی لوٹی تھی اسیں سے
زبان مجھ کو فرمایا کرنے کے لئے دیدی۔

غواں نہاں کنند کہ کس ازیاں رسد
دل بزد تا دگرچہ اداں لٹاں رسد
یعنی دل لیا ہے تو ہمزدر اسکے عوض میں کچھ اُس سے وصول ہوگا، کیونکہ اچھے لوگ ایسا کام نہیں
کرتے کہ کسی کو نقصان پہنچے۔

مقصود از دیر و دم بزم حبیب نیست
کم شد نشان بن چور سیدم بکج در
شورے متعین دیر و فرات و میکہ سے اکثر فاقہ یا وہ مقام جہاں فقر و فاقہ کی تعلیم ہوتی ہے
مراد لینے ہیں۔ اپنا نشان دیریں پہنچ کر گم ہو جانے سے مراد تھا ہے۔ اسکی تشبیہ اُس صدا سے جو

ہوے آدمی کے کان تک پہنچ کر گم ہو جاتی ہے کس قدر تلخ تشبیہ ہے۔

دور دام بہر دانہ نیست مگر قفس چنداں کنی بلند کا آشاں رسد
اپنے اعزاز و نفس کا اعمار ہے مینی اگر عزت کے ساتھ قید کر دو مجھے قید ہونے سے کچھ انکار نہیں
ہے۔ پس یہ امید نہ رکھو کہ میں دانے کے لالچ سے جال میں آجھو لگا نہیں۔ بلکہ قفس کو اتنا اونچا
کر دو کہ میرے گھر نیلے تک پہنچ جائے، میں قفس میں خود اچلا آؤں گا۔

تیر غمت را غلط انداز گفتہ ام اسے دے گز تیر دگر پناں رسد
غلط انداز اس تیر کہتے ہیں جو خطا کر کے غیر مقصود جگہ جا لگے چونکہ عشاق معشوق کے تیر کے شتاق
ہوتے ہیں اس لئے کہتا ہے کہ ایک تیر تو اسکا اگر لگا ہے مگر میں اسکو اپنی غمت طالع کے خیال سے
غلط انداز سمجھتا ہوں۔ اب اگر دوسرا تیر بھی اسی جگہ اگر لگا تو میں سمجھو گا کہ پہلا بھی ارادے سے لگا یا گیا
تھا ورنہ میرا خیال جو پہلے تیر کی نسبت صحیح ہو جائیگا اور امید بالکل باقی رہے گی۔

امید غلبہ نیست بر کیش مغاں در کسے سے گم جزیرہ دست نداد مغاں رسد
یعنی اگر پارسیوں پر غلبہ اور حکومت حاصل ہونے کی امید نہیں ہے تو اسکا نہ سہا اختیار کر لے، بلکہ اس
صورت میں اگر شراب جزیرہ میں نہ آدگی تو ہر بار اور سو فحاش میں مہر و آدگی اس شرم گویا یہ
خفا ہرگز نہ مقصود ہے کہ آتش پرستوں پر غلبہ و امتیلا حاصل کرنے کی علت خالی ہی ہے کہ جزیرے
میں شراب آیا کرے۔ پس جب غلبہ کی امید نہ تو لاچار کیش مغاں اختیار کرنا چاہئے تاکہ اگر جزیرے
میں نہیں تو ہر بار و دماغ ہی میں شراب وصول ہو کرے۔

جاں بر سر کتب تو از شوق نشانزد از عمدہ تحسیر جواہم بدراورد

اں کشتی شکستہ ز موجم کہ تباہی افگندہ رآتش گرازا ہم بدراورد

جب کشتی موج کے تھپیر میں سے ٹوٹ جاتی ہے تو اس کے تختوں کو پانی سے نکال کر آگ میں
اوند من کی جگہ جلاتے ہیں۔ اپنے قین کتاب ہے کہ میری مثال بھی اسی کشتی کی سی ہے کہ دوپٹے
سے بچا تو آگ میں جھونکا گیا۔

گر جلوتہ رخ تو بہ ساعت زندہ ایم چندیں بدوق بادہ دل ز باجہ میرد

ہفت آسیا بگردش مادریاں او غالب دگر سپرس کہ با جہ میرد

مجاؤ سودگی گمرو راہی کا ندیں اوی جو خارا ز پرا برد۔ پاد داماں بونی آید

یعنی کسی حالت میں آدمی دنیا کے محضوں سے نجات نہیں پاسکتا اگر کاٹا پاؤں سے نکل گیا تو
پاؤں دامن میں الجھے گا۔

برآز زم بحث ای جذبہ توفیق غالب کہ ترک سادہ ما با فقیہاں بر نے آید

ترک سادہ مایہ یعنی غالب جو کہ ایک بھولا بھالا ترک ہے۔ یہ ایسی ترکیب ہے جیسے موسائے من اور
فرمان مینی خود میں۔ با فقیہاں بر یعنی مولویوں کی دلیلوں اور محبتوں سے عمدہ برا نہیں
ہو سکتا۔ بلکہ ہر مصلحت کے مانی ہیں اس سے سر نہاد و عمدہ برا نہوتا۔

چشم دہل با خستہ دم ما و ہنر خاہد آںکچوں من ہمہ دان ہمہ بین تو شود

یعنی چونکہ میرے دل نے جھکنا جانا ہے جیسا کہ تو ہے اور میری آنکھ نے جھکنا دیکھا ہے جیسا کہ تو
ہے اس لئے دل اور آنکھ دو تو کو کھو بیٹھا ہوں۔ پس میرے اس کام کی داد وہی دے گا جو میری
طرح تیرا ہمہ دان اور ہمہ بین ہوگا۔

کمزوریں سیت جزا لائشیں بندار چود
پاک شو پاک کہ حکم تو یوں تو شود
رفتہ بودی و گرازا بہ سخن سازی غیر
مشت از بخت کہ خاموشی مایا داد
یعنی تو نے رقیب کی سخن سازی سے پھر دم کا کھایا تھا؛ مگر شک ہے کہ اس کی سخن ساری دیکھ کر
ہماری خاموشی تجھ کو یاد آگئی جس سے تجھ کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ سچے عاشق تیرے سے کچھ نہیں کما کرتے۔
دوش کز گردن ختم گدہ روی تو بود
چشم سوئے فلک دی کن سوی تو بود
یعنی نصیب کی گردش کا شکوہ کرتے وقت آنکھ آسمان کی طرف تھی اور باتیں تجھے کراہتا تھا ایک
خاص حالت کی تصویر بہت عمدہ لفظوں میں کھینچی ہے۔

دوست دارم گر ہے را کہ کارم زوہ اند
کایں ہانست کہ پوئستہ را پودی تو بود
گر چنین ناز تو آدہ بعینہ ما ماند
پسکندر ز نرسد ہر جہ زار اماند
مستحق حقیقی کی طرف خطاب ہے۔ سکندر سے مراد پادشاہِ فلج، اور دارا سے پادشاہِ منوج
ہم بسو اسے تو خورشید پرستم آئے
دل ز مجنوں بڑا ہو کہ بے بس اماند
یعنی اگر میں آفتاب کی پرستش کروں تو وہ بھی حقیقت تیری ہی پرستش ہے؛ جیسے مجنوں نہیں
پر اس لئے فریفتہ تھا کہ ان کی آنکھیں لیلے سے مشابہ تھیں۔

شکوہ دوست ز دشمن تو انم پوشید
گر عشم بحر چیں حوصلہ فرسا ماند
یعنی اگر جدائی کا غم اسی طرح بے صبر کرنے والا رہا تو دوست کا شکوہ ضبط نہ کیا جاسکیگا یا نہ کہ
کہ اسکو دشمنوں سے بھی نہ چھپا سکو تھا۔
در بیل دشنہ نماں ساختہ غالب امروز
گذارد کہ ماتم زوہ تنہا مانم

بستند رہ جرعہ آبیے بسکندر
در یوزہ گر میکدہ صہبا بکد و بزد
یعنی سکندر کو ایک بے حقیقت پانی کے گھونٹ سے محروم رکھا اور میکدہ کا فقیر شراب
جیسی نایاب چیز کا تو بنا بھر کر لے گیا مطلب یہ کہ پادشاہوں کو وہ دولت نصیب نہیں جو میکدہ
یعنی خانقاہ کے اونٹ لے گا اور کون نصیب ہے۔

یک گریہ پس از ضبط دو صد گریہ ضادہ
تا تلخی آن زہر تو انم بے گلو بزد
یعنی جب دو تلو دو صد گریہ کرنے کو ضبط کروں تو ایک دفعہ تو روئے کی اجازت دے تاکہ اس
ضبط کے زہر کی کڑواہٹ ایک دفعہ رو کر حلق سے دور کر دوں۔

ز جوش شکوہ بیدار دوست می ترسم
مباد نہ سکوت از دہن فردر یزد
ایک مقول بات کو محسوسات کے لباس میں ظاہر کرتا ہے مطلب تو یہ ہے کہ اس کے شکوے سے
اس قدر بھرا ہوا ہوں کہ شاید اسکو ضبط نہ کر سکوں مگر اسکو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اس کی بیدار کا
شکوہ دل سے اس جوش کے ساتھ آبلہا ہے کہ تنہا پر جو غم سکوت لگی ہوئی ہے کیسے اس کے
ریبے میں پہن جائے۔

بزمیہ ام رو دورے کہ گریہ نیشام
بجائے گدرواں از بدن فردر یزد
یعنی میں نے ایسی راہ دراز طے کی ہے کہ اگر بدن کو جھاڑوں تو گرد کی جگہ جان بدن سے
بھڑ جائے۔ یہ پیش ہے اس محنت و مشقت کی جو فکر شعر اور تکمیل فن سخن میں قائل نے کی ہے۔
مکن پرستم از شکوہ من کایں نخواست
کہ خود ز زخم دم دو خن فردر یزد
عجب غریب تشبیہ اور نہایت عمدہ خیال ہے اور نہ خیال ہی نہیں بلکہ فیکٹ ہے۔ قاعدہ ہے

کہ حب مشوق مہربان ہو کر عاشق کی پریش حال کرتا ہے تو اس وقت عاشق مجبور کا دل
بہر آتا ہے؛ اور وہ شکایت کرنی شروع کرتا ہے۔ پس کتاب ہے کہ تو میری پریش حال کے وقت
شکایت سے بھلکو منع نہ کر؛ کیونکہ توجہ پریش حال کرتا ہے تو گویا میرے زخم میں مانگے لگاتا ہے؛
اور مانگے لگاتے وقت کسی قدر خون کا ٹپکنا ضروری ہے۔ پس یہ شکایت وہ خون ہے جو زخم کے
سیتے وقت ٹپکا کرتا ہے۔

اگر بدل نہ غلہ ہرچہ از نظر گذرد زہے روانی عسکر در سفر گذرد
یعنی عمر کا سفر میں گذرنا نہایت عمدہ ہے بشرطیکہ سفر میں جو کچھ نظر سے گذرے اس پر انسان
فریفتہ نہ ہو جایا کرے۔

بوصل لطف با ندازہ تمہل کن کہ مرگ تشہ بود آب چوں زیر گذرد
کتاب ہے کہ وصل کی حالت میں مہربانی اس قدر زیادہ نہ کر کہ میں اسکی خوشی کا عمل نہ کر سکوں
اور خوشی کے ارے مر جاؤں؛ کیونکہ پیاسے کے لئے وہ پانی موت ہے جو سر سے گذر جائے۔

ہر کجا دشتہ رشوق تو جراحات بارد جز خراشے بہ جگر گوشہ ادم نرسد
طوبی فیض تو ہر جا گل دیا رشتاند جو نیسے بہ پرستش گہر مریم نرسد

جگر گوشہ ادم یعنی ابراہیم بن ادم کو ان زخموں میں سے جو تیرے شوق کی چھری برساتی
ہے ایک خراش سے زیادہ نہیں پہنچی۔ اور جو پھول اور پھل تیرے فیض کے طوبی سے چھڑتے
ہیں انہیں سے صرف ایک ہوا کا جھوکا محراب مریم تک پہنچا ہے۔

نئے تر بنا دکن عرض کہ این ہر ناب پیش اس قوم بہ شورا بہ زخم نرسد

خواجہ فردوس بہ میراث متناہد واسے گرد روش نسل بہ آدم نرسد
خواجہ کا لفظ فارسی میں اکثر ایسے مقام پر دیتے ہیں جیسے طرز کے موقع پر اردو میں تیسرے شخص
کے لئے آپ یا حضرت ہوتے ہیں۔ کتاب ہے کہ آپ آدم کی میراث میں فردوس کے طلبگار ہیں۔
بڑا مزہ ہو اگر آپ کا سلسلہ نسب آدم تک نہ پہنچے۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ مرزا کو یہ احتمال ڈاروں
کی تیوری کے موافق سوچا ہوگا؛ شاید انکار یہ مطلب ہے کہ آپ کے اخلاق و عادات انسانیت
سے اس قدر بعید ہیں کہ ممکن ہے آدم کی نسل سے ہوں۔

جان درخت نشاندن مرگاز فنا ندارد تن در بلا گفتن بسیم بلا ندارد
چوں مل بست غنچہ اما سخن ندارد چوں ختم تست ز گس اما جانا ندارد
فارغ کیلکہ دل را باد و اگر دارد کشت جہاں سراسر دارد گیا ندارد
باید ز سے ہر آئینہ پر ہیز گفتہ اند آری دروغ مصلحت آمیز گفتہ اند
کو فتا تا ہمہ الالیش پندار نبرد از صورت جلوة و از آئینہ زنگار نبرد
عشوہ مرمت چرخ خراکس عیار یوسف از چاہ برآرد کہ بازار نبرد

عشوہ خرمین دھوکا کھانا اور فریب میں آجانا یعنی آسمان کی مہربانی کے دھوکے میں دانا
کہ یہ عیار یوسف کو چاہ سے اس لئے نکالتا ہے کہ بازار میں بیجا کرکھوائے۔

ہر شیشے راشائے درخورت بوسے پیراہن بہ کنکناں می رود
جو ہر طبعم درختانست لیک روزم اندر ابر پنہاں می رود
نوسیدی ماگردش آیم ندارد روزے کہ سیہ شدہ سو شام ندارد

نفسی

نفسی

نفسی

نفسی

نفسی

نفسی

نفسی

نفسی

نفسی

نفسی

نفسی

نفسی

نفسی

نفسی

بلبل بچن سنگ رو پر دانہ بھفل شوق ست کو در وصل ہم آرام ندارد
یعنی شوق کو در وصل میں بھی آرام نصیب نہیں، ایسی لئے بلبل کو چین میں آرام ہے۔ اور نہ پر دانہ
کوشش کی موجودگی میں قرار ہے۔

چہ خیز و از سخن کز درون جاں نبود بریدہ باد زبانے کو خوشچکاں نبود
کتاب ہے کہ جو بات دل سے نہیں نکلتی وہ کچھ اثر نہیں کرتی۔ پس کٹیوہ زبان جو خوشچکاں یعنی درد
دل سے بھری ہوئی نہ ہو۔

حکیم ساقی سے تند۔ دمن زبرد خونی ز رطل بادہ بختیم آیم اگر ایں نبود
حکیم سے مراد خدا ہے کتاب ہے کہ ساقی تو اندازے سے زیادہ نہیں دیتا اور شراب یعنی دولت دنیا
نہایت تند ہے مگر میں اپنی بذر خونی اور زیادہ طلبی سے اگر شراب کا پیالہ ہلکا پاتا ہوں تو غصہ جو تباہی
نہ خویش رفتہ ام و فرستے طع دارم کہ باز گردم و جز دوست ارغماں نبود
قاعدہ ہے کہ جب آدمی کہیں سفر کو جاتا ہے تو وہاں سے کچھ سوغات و ہدیہ وارغماں لیکر وطن میں
واپس آتا ہے کتاب ہے کہ میں اپنے آپ سے توجہ چکا ہوں اب یہ چاہتا ہوں کہ واپس بھج کر اپنے
آپے میں آؤں تو دوست یعنی حق کے سوا کوئی سوغات لیکر نہ آؤں۔

ز نام ناقہ بدست تفرق شوق است بسوسے قیس گرایش ز ساریاں نبود
یعنی سلی کا ناقہ جو قیس کی طرف چلا ہے یہ ساریاں کی طرف سے نہیں ہے بلکہ ہوت اسکی
باگ تفرق شوق قیس کے ہاتھ میں ہے وہ جدوجہد چاہتا ہے لیجائے۔
بنان شہر ستم پیشہ شہر یار است کہ در ستم روش آموز روزگار نہند

برند دل باد اسے کہ کس گان نہ بود قفاں ز پرده نشیناں کہ پردہ دار نہ
نہ زرع و کشت شناسند نہ حدیث بلوغ زہر سربادہ ہوا خواہ باد و باران نہ
یعنی ہوا اور میٹھ کچھ اس لئے نہیں چاہتے کہ اس سے کھیتیاں اور باغ سرسبز و شاداب ہونگے بلکہ
صرف اسلئے کہ شراب پینے کا لطف بغیر باد و باران کے نہیں آئیگا۔

بعضون مرزا کو کہیں سے تلاش کرنا نہیں پڑا، بلکہ یہ خاص انکی طبیعت کا اقتضا تھا جس مکان
میں مرزا رہتے تھے اسکے دروازے پر ایک مکہ تھا، اور کمرے کے آگے ایک برآمدہ تھا جسکے نیچے
رستہ چلتا تھا۔ یہ برآمدہ گزرگاہ سے تقریباً چار گز اونچا ہوگا۔ ایک روز میٹھ برس رہا تھا اور مرزا صاحب
برآمدے میں بیٹھے ہوئے ابرو باران کی مدارات میں مصروف تھے۔ اس وقت عالم سرخوشی میں
خزانے لگے کہ جی چاہتا ہے ایسا بے گلی کی رو کا پانی برآمدے تک جائے اور میں بین بٹھا بیٹھا
گلاس بھر کر پانی پیوں۔ کسی نے کہا حضرت! برآمدے تک پانی آگیا تو شہر پہلے ڈوب جائیگا۔
مرزا ہنس کر چپکے ہو رہے۔

چہ لطف رہدی آزا کہ خار غار نیست مرد کو بعب اگر راہ ایمنی دارد
خار غار ظہان۔ کتاب ہے کہ جب تک کچھ خطرہ نہ ہو سفر میں کچھ لطف نہیں۔ پس اگر کعبہ کی راہ پر
ہے تو کعبہ جانا نہیں چاہئے۔ فی الحقیقہ جو لوگ نہایت کٹھن متزلزل طے کر کے مقام مقصود تک
پہنچتے تھے۔ جو خوشی انکو منزل پر پہنچنے سے ہوتی ہوگی اسکا سوا حصہ بھی ان لوگوں کو حاصل نہیں
ہوتا جو ریل اور سٹیم میں کل سفر کرتے ہیں۔
بیاد یہ گردیں جا بود زبانہ اسے غریب شہر سخن اسے گفتنی دارد

حد سے زیادہ طبع شعر ہے۔ اگرچہ عقون عام ہے مگر خود شاعر کے حال پر خوب چسپاں ہوتا ہے اور اسے یقیناً اپنی ہی نسبت کہا ہے۔ جب کوئی غیر ملک کا مسافر شہر میں وارد ہوتا ہے اور اس کی زبان کوئی نہیں سمجھتا تو ترجمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاعر کچھ تو اس لئے کہ کسی کو اپنا قدردان اور پایہ شناس نہیں پاتا، اور کچھ اس لئے کہ اپنے نازک اور باریک خیالات کا سمجھنے والا کسی کو نہیں دیکھتا۔ اپنے تئیں غریب شہر یعنی شہر میں بالکل اجنبی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ کسی ترجمان کو بلاؤ کہ اجنبی مسافر کچھ باتیں جو کہنے ہی کے لائق ہیں کہنی چاہتا ہے۔

پیشیم از آب پیرس کہ پرسی و اہل کوے گویند خستہ ز محنت خود زین دیار بزد
نازم فریب صلح کہ غالب ز کوے تو ناکام رفت و خاطر امیدوار بزد
ہرگز ارخت نمازے بنود از غمے جاے در حلقہ زندان قلع خوش ساد
جامہ یارخت کا نازی ہونا اسکے اکودہ ہونے کو کہتے ہیں۔ باقی شعر کے معنی صاف ہیں۔

مقتیایا بادہ غزیت۔ مرزید بجاک جو شد از پردہ و گر خون سیاوش مباد
دوسرے مصرع کی تقدیر عبارت یوں ہے دو سیاہ اخون سیاوش۔ دیگر از پردہ بچو شد۔ سیاوش کا قتل
شہور ہے کہ وہ یگناہ اپنے سرے افراسیاب کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، اور اسکے خون کے ڈال
میں تمام ملک کشت و خون میں مبتلا رہا۔ کہتا ہے کہ اسے مقتیو! شراب بھی بڑی عزیز چیز ہے؛ پسکو
زمین پرست گراؤ؛ ایسا نہ کہ خون سیاوش چرچوش مارے۔

از رشک کرد آنچه بن دوزگار کرد در خشکی تلو مرادید۔ حواری کرد

بیزل غالباً اس زمانے میں لکھی گئی ہے جب فراعہالت کے موافقہ سے میں پھنس گئے تھے۔ یعنی

زمانے نے جب مجھ کو دیکھا کہ تنگی اور کلیت میں بھی خوش ہے تو مجھے دلیل و حوار کر دیا کہ تیرے خوش نہ ہو سکا۔
درد دل ہی نہیں کھینچ دشت جرخ چوں دید کاں نماز نہاں۔ آشکار کرد
یعنی میری دانش و دانش کے سبب مجھے آسمان پوشیدہ کینہ تو رکھتا ہی تھا؛ اب جو دیکھا کہ کینہ
لوگوں پر ظاہر ہو گیا ہے تو آسمان کھل گیا اور علانیہ دشمنی کرنے لگا۔

لنگست مرمو کشی شکست موج دانا خورد در بے کنا داں چہ کار کرد
یعنی جو کچھ ہوا وہ میری نادانی سے نہیں بلکہ قضا و قدر کے حکم۔

نوسیدی از تو کفر و تو را منی نہ بکفر نوسیدیم و ذکر تو امیدوار کرد
ماصل شعر کا یہ ہے کہ در حقیقت میں ہوں تو ناامید گرچہ کہ تجھے ناامید ہونا کفر ہے اور تو کفر سے
رہنی نہیں اس لئے مجھ پر اپنے تئیں امیدوار بنایا ہے۔

بشع از بدو حق پیو ز بھنوں کم نہ باوے دوش با عمل است۔ اما زبان با سارا بان
یعنی شرع سے بھی تعلق رکھ اور خدا کو بھی دھونڈو؛ آخر تو بھنوں سے تو کم نہیں ہے کہ اس کا دل تو عمل
میں اٹکا ہوا ہے؛ مگر زبان کو سارا بان سے سرکار ہے۔ یعنی سارا بان سے باتیں کر رہا ہے اور
دل میلی سے لگا ہوا ہے۔ شرع کو سارا بان سے اور حق کو عمل سے تشبیل دی ہے اس لیے نہایت
طبع تشبیل ہے اور شعر فرادہ رکھا ہے۔

خدا ز وقت پیش نیست گفتم۔ گندرا ز آفتاب کہم جان پر ہم دوستان بزرگان دارد
گفتم یعنی میں نے کہا ہے، یا میں نے دیتا ہوں۔ کہ یہ پیش کا وقت نہیں ہے؛ تو غالب کے
حال سے درگزر اور پیش کا خیال چھوڑ دے۔ کیونکہ اس کی جان بھول چکا ہے اور دوستان بزرگان

مبادا وہ اپنی درد انگیز داستان بیان کرے اور داستان کے ساتھ ہی اسکی جان بھی نکل جائے۔
گویند صنعاں کو بہ کرد از کفر نادانندہ کو خود فرود شہای و بخشش ز دانش نگاہ
صنعاں کا قصہ مشہور ہے جو پہلے عابد تھا پھر فریق و فجور میں مبتلا ہو گیا یہاں تک کہ کفر تک نوبت
پہنچ گئی پھر متنبہ ہوا اور کفر سے توبہ کی۔ کتاب کے صنعاں کا کفر سے توبہ کرنا مشہور ہے۔ وہ عجیب
نادان بندہ ہے جسے دین کی خود فروشی کے سبب خدا کی بخشش کو پسند نہ کیا یعنی خدا کی بخشش
بخشش تو وہ تھی کہ وہ توبہ نہ کرتا، اور کفر ہی پر مڑتا، اور پھر خدا اسکو بخش دیتا، اور اب جو وہ بتلایا گیا
تو بخشش دین کی قیمت ہوگی پس گویا اسنے دین کی خود فروشی کے بھروسے پر خدا کی بخشش
کو پسند نہ کیا۔ خوش کردن کے معنی میں پسند کرنا۔

آں خود یہ بازی سے بزدل و دوجہی شہرہ بخودش میں خندہ ز سوار و پیشاں خوش کرد
باسن میا ویزا سے پر خرد خدا و زرا نگر ہر کس کہ شد صاحب غلزدین و بگاں خوش کرد
میا ویز یعنی مجھے جھگڑا مت کر۔ فرزند از را براہم علیہ السلام۔ باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔
زرا معنوں ہی نہیں ہے بلکہ مرزا کے سبب حال بھی ہے؛ کیونکہ جہاں تک ہلکو معلوم ہے۔ مرزا
کے والد سنی المذہب اور خود مرزا اثناعشری تھے۔

درستم حق ناشناس گفتن از انصافیت آں کہ چندین تکیہ بر علم خداوند بخش نمود
کتاب ہے کہ اس ظالم کو حق ناشناس کہنا انصاف نہیں ہے جبکہ خدا کے علم پر اسقدر بھروسہ ہے
کہ اس کے بھروسے پر ظلم کئے چلا جاتا ہے؛ اور اس کے سوا خدا سے نہیں ڈرتا۔
بخود گفتن نشان اہل معنی باز گوے گفت گفتار کے بار بار پوچھنا

بہر خواری بسکہ سرگرم تلاشم کردہ پادہ نزدیک در ہر دور باشم کردہ
دور باش۔ جو بھوپتی آواز کو کہتے ہیں۔ جو بادشاہوں کی سواری کے آگے آگے غیب پھارتے جتے ہیں۔
کتاب ہے کہ مجھکو جو قصہ قدرت نے سرگرم تلاش کیا ہے اس سے مقصود میرا خود ذلیل کرنا ہے۔ پس
ما تو تلاش میں جو خدا کا عجیب چلنی ہے اس سے ظاہر ہے کہ میری ذلت و خواری زیادہ ہوتی ہے؛
اور اس طرح جو امر میرے سرگرم تلاش کرنے سے مقصود ہے وہ حاصل ہوتا ہے۔ پس گویا ہر دور باش
یعنی کسی قدر مقصود کے نزدیک ہوتا جاتا ہوں۔

چرخ ہر روزم غم فردا بخوردن میدہ اقامت فارغ از فکر معاشم کردہ
ارجہ غالب خواجگاہی جہاں ننگ است گرد با سلمان و بود خواجہ باشم کردہ
بخشم ناسر میگوید و از لطف گفتارش گماں وادام کہ حرف و نشینی بعد ازین گوید
لطف گفتار کی تعریف اس سے بہتر کسی پر رائے میں نہیں ہو سکتی۔ کتاب ہے کہ مشوق سختے میں برابر
مجھکو برا بھلا کتاب ہے؛ مگر اس کے لطف کلام سے میں ہمیشہ اسی امید میں رہتا ہوں کہ اب کوئی اچھی بات
کتاب ہے اب کوئی مہربانی کا کواڑ اسکی زبان سے نکلتا ہے۔

دل از پیلو برون آرم جہش علم خود انکار و گوئیے برا فغانم پیلانفش گیس گوید
اپنے دل پر نکل کر کتاب ہے کہ اگر اسکو پیلوس نکال دیکھاؤں تو مجھ پر اسکو اپنا جام جہاں میں بیکھے؛ اور اگر
اسکا ایک لمحہ نکال کر ڈال دوں تو سلیمان اسکو خاتم سلیمانی کا گیس بنائے۔
من بہ وفا مردم و رقیب بدرزد نیمہ لبش انگین و نیمہ تبرزد
بدرزد یعنی نکل بھاگا۔ تبرزد معری کتاب ہے کہ میں تو نباہ کرنا کرنا مر گیا اور رقیب نکل بھاگا۔ گویا

مشتوق کا اوجھل شہد تھا کہیں نہیں چھپس کر رہ گیا، اور اوجھل مصری تھا کہ تیرا بستر اٹ گیا۔
 دعوے اور ابودوسیل برہی خندہ دنداں بنا بحسن گزرد
 کتنے بڑے خیال کو کن مختصر لفظوں میں اور پھر کس صفائی اور خوبی سے ادا کیا ہے۔ کتنا ہے کہ
 مشتوق موتی پر اس طرح ہنسا کہ اس کے دانت نظر آنے لگے پس اس کا خندہ گویا اس بات کا دعوے
 ہے کہ موتی کی کچھ حقیقت میرے دانتوں کے سامنے نہیں، اور اس دعوے کی دلیل اس کا خندہ
 دنداں نما ہے، کیونکہ اس کے دانتوں کا سبب ظاہر ہو جائیسی اس بات کی دلیل ہے کہ موتی اس کے
 دانتوں کے سامنے کچھ حقیقت نہیں کہتے پس اس کے دعوے کی دلیل نہایت برہی اور ظاہر ہے۔
 نہم جہیں بدرشاں استاں گرداند نشینش ہر سرورہ غناں بگرداند
 استاں گرداند یعنی جو کھٹ کے پتھر کو الٹ کر اوپر کا رخ نیچے اور نیچے کا رخ اوپر کر دیتا ہے۔
 تواناں اوجھل غار و سنگری کہ سپہر سبر حسین علی پر سناں بگرداند
 برد-بشادی داند وہ دل منہ-کہ قضا چو سترہ برنڈا احتساں بگرداند
 یزید را بہ باب و غلیف نشانہ کلیم را بہ لباس شباں بگرداند
 تینت ز فرق تا بہ کلیم کسیرہ باد شومی ز حد گذشت ز باہم بیدہ باد
 اول یہ آرزو کرتا ہے کہ تیری تلوار میرے سر پہ چڑے اور طلق تک آج جائے۔ پھر یہ سمجھتا ہے کہ میری شہر کو
 نصیب نہیں ہو سکتا۔ کتنا ہے کہ گستاخی حد سے گزرتی میری زبان تلم ہو جو۔
 گرفتہ ام ز کسے تو اسان زرقہ ام اس تھتہ از زبان غزیاں شنیہ باد
 ذوقیت ہدی بقفاں-بگزم ترک خا رہت پیاسے غزیاں غلیہ باد

عاشق

شک

بی

اتحاد

تھون

عاشق

تصوف

یعنی اگر چہ تیرے عشق میں دوسرے کی شرکت گوارا نہیں، مگر چونکہ کئی آدمیوں کے ملکر نالہ و فریاد کرنا
 میں عجب لطف ہے اس لئے میں رشک سے قطع نظر کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ مدعا بہت
 پیاسے غزیاں غلیہ باد۔
 در سبج دزدن منت بسیار نمادند یزدند سر از دوش و سبکدوش نکردند
 یعنی تلوار سے سزاوار کو بھی مشتوق نے سبکدوش نہ کیا پہلے سر کا بوجھ تھا اب اس احسان کا بوجھ
 ہے کہ اپنی تلوار سے یہ بے قدر سزاوار ہے۔
 روزیکہ ہر سے زور دہنے شور منتقد اندیشہ بکار خرد و ہوش نکردند
 یعنی شراب کا نشہ اور نے کی آواز کا درد-دونو عقل و ہوش کے دشمن ہیں۔ پس جب کارکنان
 قضا و قدر نے شراب میں زور اور نے میں شور و دیت کیا تھا اس وقت عقل و ہوش کے
 انجام کا کچھ خیال نہیں کیا۔
 تاجر شوق بدیاں رہ تجارت زرد کردہ انجامد و سرمایہ بغارت زرد
 یعنی شوق الہی کا تاجر اس رتے نہیں چلتا کہ جو رستہ چلتے چلتے ختم ہو جائے اور اس رستے
 میں سرمایہ کو ٹانہ جائے۔
 رمز شناس کہ ہر گتہ اداسے دارد محرم است کہ رہ جز باشارت زرد
 کتنا ہے کہ ہر گتہ یعنی کائنات کی اونٹوں سے اونٹ چیر میں ایک ادا-یعنی ایک معنی یا راز چھپا ہوا
 ہے۔ پس ہر چیز کی رمز کو سمجھنا چاہئے، کیونکہ محرم راز وہی شخص ہے جو بغیر اُدھر کے اشارے کے
 ایک قدم نہیں اٹھاتا-یعنی جو کچھ نیچر سکھاتی ہے اس کے موافق عمل کرتا ہے۔ کھانے میں اپنے میں

عاشق

وصف

صفت

صفت

سونے میں، جانے میں، غرض کہ ہر کام اور ہر چیز میں نچرکی ہدایت کے بغیر کچھ نہیں کرتا۔
 زاہد از جو ہر شے بجز ایسے نشاندہ کہ شود دست زد شوق بکارش زود
 دست زد شوق ہونا یعنی شوق کے زیر شوق ہونا۔ خلاصہ مطلب یہ کہ زاہد شریعت کے تمام احکام
 اپنے حقیقی معنی میں مراد لیتا ہے اور کسی بات کو تخیل و استعارہ و کنایہ پر محمول نہیں کرتا۔
 میاؤ جو شوق تھا دیرم بنگر چو اشکات سر مرگاں چکیم بنگر
 کتاب ہے کہ آ۔ اور دیدار کی تمنا جو میرے دل میں جوش مار رہی ہے اسکو دیکھ۔ اور پلکوں کے رستے
 سے آنسو کی طرح میرا ٹپکانا ملاحظہ کر۔ جوش تمنا سے دیدار کی تصویر اس سے بستر غالباً کسی نے
 نہ کھینچی ہوگی کہ زمین آنسو کی طرح پلکوں کے رستے سے ٹپکا جاتا ہوں۔

زمن بچم طعین کنارہ سے کردی بیا بجا کمن وار سیدم بنگر
 وسید دانہ و بالید و آشیان کہ شد در تفتار ہما دام جدیدم بنگر
 کتاب ہے کہ تمنا کے انتظار میں میرا جان بچا نا تو دیکھو جو دانہ جال کے نیچے ہمارے بھیناٹے
 ڈالا تھا وہ اگا اور بڑھا، اور یہاں تک بٹھا کہ اس میں گھونٹے ٹنگے بھر گئے ہاں ہی دام میں نہ آیا۔
 اسے ذوق نوابی بازم بخروش اور غوغا سے شینونے یرنگ ہوش اور
 گر خود بچند از سر از دیدہ فرو بارم دل خوش کن و آن خوش بزمین ہوش اور
 ہاں ہرم فرزند دانی رو ویرانہ شمعے کہ خواہ شد از باو خوش اور
 دیر از یعنی غریب خانہ۔ جو شمع کہ ہوا سے نہ بجھے گی مینی شراب۔

شراب ایں داوی تخت اگر راوی از شہر بسوس من سرخیز نوش اور

کتاب ہے کہ میں جن داوی میں ہوں یہاں کاپانی تو تلخ ہے اسے ہرم فرزند اگر توفیاض ہے تو شہر سے
 میرے لئے سرخیز نوش مینی شراب لا۔

دام کدرے داری۔ ہر جا کدرے داری سے گرد ہر سلطان از بادہ فروش اور
 گریخ یکدور یزد بکرت نہ در اہی شو در شہر بسوس بچند بردار و ہوش اور
 کتاب ہے کہ تیرے پاس دام بھی ہیں، اور تو سب جگہ آتا جاتا بھی ہے، اگر بادشاہ عطا کرے تو تہنا۔
 ورنہ بادہ فروش سے لا۔ اگر مرغ دانتش پرست مینی بادہ فروش تو بے میں اللہ سے تو توجہا ہاتھ پر
 رکھ اور چلے۔ اور جو بادشاہ گھڑا بھر کفایت کرے تو کندھے پر اٹھا اور لے آ۔

ریجاں دماز مینار ش چکد از شل آن در چہ چشم افکن این اپنے گوش اور
 ریش۔ ساگ۔ آل سے مراد ریجاں اور ایں سے مراد قفل۔
 گاہے بسبکستی از بادہ ز خریشم بر گاہے بیہستی از نغمہ ہوش اور
 گاہے بسبکستی یعنی کہیں جلدی سے مجھکو شراب پلا کر ہوش کر دے اور پھر جب میں بہست
 ہو جاؤں تو مجھکو گانا سنا کر ہوشیار کر دے۔

غالب کہ بقایش یاد۔ ہمپاے تو گزاید بارے غلے، زوے اناں نہ تپاں اور
 ہمپاے تو یعنی ہمارا تو۔ موندہ پوش ادنی کپڑے پہنے والا۔ مرزا جاڑے میں رونی دار کپڑا نہیں پہنتے
 تھے، اکثر ادنی یا پٹینے کا چند کوٹ اور ٹوپی وغیرہ پہنتے تھے۔

یقین عشق کن و از سر گمان برخیز آبشتی بنشیں یا بہ استاں برخیز
 چرا بہ سنگ و گیاہی اے زبانہ طور زرا و دیدہ بدل در خون جواں برخیز

نوشی

عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

زبانہ شعلہ دہنکلی جوشنگ دگیا۔ یعنی کوہ طور او نخل امین۔ پتھار ہر سونی تھی اسکی طرف خطاب کرتا ہے کہ اسے شعلہ طور پتھار و درخت سے جو کہ تیرے قابل نہیں ہیں کیوں پیتا ہے؟ ہمارے آنکھ کی راہ سے دل میں آتا اور جان سے بھر کر اٹھ۔

عیادت است در پرخاش تند خوئی چیست؟
بیاؤ غمزدہ پیشین لب گزاں برخیز
معتوق عیادت کو آیا ہے اور عاشق کا حال نہایت یتیم و کھکھریے لطف ہوا ہے اس سے کہتا ہے کہ تو عیادت کے لئے آیا ہے، ارطانی کے لئے نہیں آیا، پھر یہ تند خوئی اور ہمزاجی کیسی ہے؟ یہاں اگر بے لطفی کے سوا اور کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ پس آ۔ اور غمزدہ بیٹھ۔ اور ہونٹ لانتا ہوا اٹھ۔
نفس چون بول گرد دیور افرماں گیر
محم سلیمانم نقش خاتم ازمن پس
کہتا ہے کہ جب نفس مغلوب ہو گیا پھر جن کو محکوم کر لینا آسان ہے۔ میں سلیمان کا محرم راز ہوں، لیکن انگوٹھی پر بھی نیکیں کندہ تھا جس سے تمام جن اس کے محکوم تھے۔

بوسہ از لبانم دہ۔ عمر خضر ازمن خواہ
جام نئے بر پیشیم ز عشرت جم ازمن پس
ور دمن بود غالب، یا علی بود الب
نیست بخل با طالب، اسلم علم ازمن پس
کہتا ہے کہ میرا وظیفہ یا علی ابن ابی طالب ہے؛ مجھ کو طالب صادق سے کچھ بخل نہیں ہے، اسلم علم مجھے بوجہ ہے کہ یہی "یا علی" اسلم علم ہے۔

لطفی بخت ہر گز شمشک شناس
آرایش جبین شگرفاں ز جبین شناس
بے غم نہاد مرد گرامی نئے شود
ز نہار قدر خاطر اندو گش شناس
ز نہار کے معنی یہاں ضرور بالغ و بزرگ کے ہیں۔ یہ لفظ جب منی پر آتا ہے تو ہرگز کے معنی ہوتے ہیں

اور جب امر پر آتا ہے تو ضرور کے معنی دیتا ہے۔

دور ہوائے تنق بہت، آسانا میدش
دیدہ بر خواب پریشان و جہاں نیش
دنیا و مایہا کا سچ ہونا بیان کرتا ہے؛ اور کہتا ہے کہ ایک خیالی و حواس اٹھ کر شامیہ سا بن گیا ہے اسکا نام آسان لکھ لیا۔ اور آنکھ کو ایک پریشان خواب نظر آیا اسکو جہاں سمجھ گئے۔ اسی طرح اسکے بعد کے کئی شعروں میں اسی معنوں کی تفصیل ہے۔ مثلاً

دہم خاکے بخت در چشم بیابان میدش
قطرہ بگداخت۔ نجر بیکان میدش
باد و اس ز دہر آتش ز بہار لاں مخ میدش
داع گشت آن شعلہ از مستی خزان میدش
جو کہ ز بہار میں تمام جذبات فحشانی جوش میں آئے ہیں، اور عشق و ہوس کی تحریک ہوتی ہے اس لئے بہار کو آگ سے تشبیہ دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ ہوائے آگ کو دامن سے سلگایا میں نے انکو بہار قرار دیا۔ اور جب وہ شعلہ جل نہجا تو میں نے اسکا خزان نام رکھ دیا۔

غریبم سازگار آمد۔ وطن نصید شش
کردنگی حلقہ دہم۔ آشیان نامیدش
کہتا ہے کہ جب پردیس میں مجھے تکلیف دینے لگیں تو میں اسکو وطن سمجھا؛ گویا جب دام کے حلقہ نے تنگی کی تو میں اسکو اپنا آشیانہ سمجھ گیا۔ مطلب یہ کہ وطن میں اس قدر بے مہری اور مخالفت ہو گئی تھی کہ جب پردیس میں مجھ کو اس نے آیا تو میں نے اسکو بھی وطن ہی تصور کر لیا۔

بود در پیلو بیکسے کہ دل سے گفتش
رفت از شوخی باینے کہ جان میدش
یہاں بود کی ضمیر عشق کی طرف راجع ہے۔ کہتا ہے کہ وہ میرے پیلو میں ایسی تکلیف کے ساتھ بیٹھا تھا جس طرح پیلو میں دل بہتا ہے۔ اور وہ شوخی سے اٹھ کر اس طرح چلا گیا کہ میں اسکو

جان کہ آٹھا بینی جو جان کے جانے سے کیفیت ہوتی ہے وہی اسکے جانے سے ہوئی
 دل زباں را راز دانا آتھا یہاں پہوت
 در سلوک از ہر چیز پیش آمد گوشتن و شتم
 کعبہ دیدم نقش پایے رہروانا میدش
 دل در غمش بسوزا کہ ماں میدہد عومن
 در جاں وہی تنے بہ ازاں میدہد عومن
 بنو دمن سرائی مارا نکاں کہ دوست
 دل می برد و زما و زباں میدہد عومن

کہتا ہے کہ یہ سن سرائی ہو کوفت نہیں ملی ہے؛ بلکہ دوست جب دل لے لیتا ہے تو اس کے عجز زبان
 عنایت کرتا ہے۔ زبان کو دل کا عوض قرار دینے میں شاعر نے لطافت یہ رکھی ہے کہ کئی الحقیقہ
 جب تک افسان کہیں دل نہیں دیتا اور عاشق نہیں ہوتا تب تک زبان میں گومی اور شعلہ بیانی
 پیدا نہیں ہو سکتی؛ خواہ عشق مجازی ہو اور خواہ عشق حقیقی۔

واکر بادہ نذر دم ز روزگار چہ خط
 خوش است کوثر و پاکست بادہ کدوست
 چمن پر از گل و سنبل و دلربائی نیست
 چرا کہ هست دنیا شامی از بہار چہ خط
 ازال ریح مقدریں دریں غار چہ خط
 پشت فتنہ ازیں گرد بے سوار چہ خط

چمن پراز گل و نسریں سے مراد دنیا ہے، اور دلربا سے مراد وفات ہے نشان ہے جو دیر دریت سے باہر ہے۔ کتاب ہے کہ اس تفتہ فیروزشت یعنی دنیا میں۔ جہاں قدم قدم پر راضیوں اور فراق گعات میں لگے ہوئے ہیں۔ اس گردے سوا سے کیا مدینہج سکتی ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب راہ میں فرکو

۴۰۰ ہاں اور نیاں دونو مردن یکدگر کرس۔ جب کسی کا نام مرا فتنیس لکھا ہوتا تو وہاں یہ الفاظ لکھوے جاتے ہیں۔ اور وہیں لکھا
موقع پر تہ یا دشمن! اسکا ذکر کرتے ہیں ۱۲

خطرہ ہوتا ہے اور اسکی ملک کے لئے کوئی سوار آتا ہے تو اول گرد نظر آتی ہے ! پھر سوار نمود
ہوتا ہے مگر اس دشت میں گریزی آثار و علامات تو بوجہ ہیں مگر سوار کا کہیں پہنچ نہیں
چنین کہ نخل بلند سے سنگ پیدا زمیوہ تاد فتنہ خود ز شاخہ چہ خط
یعنی جبکہ نخل اس قدر بلند ہے اور پھل جھاڑنے کے لئے پتھر ناپید ہیں تو جب تک میوہ خود
دشت سے نہ گرے۔ یعنی جب تک جائزہ عنایت ہلکو خود اپنی طرف نہ کھینچے اور شاہ ہر حقیقی
خود اپنی جھلکی نہ دکھائے ہلکو کیا فائدہ ؟

نہ مراد دولت دنیا نہ مرا اجر جہیل نہ چو مرز و تو نا نہ شکیا جو خلیل

بسته و بار به شبگیر در افکنده بر او
آنکه دانت سر سبکی صبح خیل

جینے و بار۔ ساز و سامان قینکے پھیل رات۔ یعنی جو شخص جانتا ہے کہ کوچ کی صبح کو کیسی گھبراہٹ اور کھل ملبی پڑتی ہے وہ رات ہی سے تمام ساز و سامان باندھ جوڑ کر رستے کے سر پر ڈال دیتا ہے۔

نہ کنی چارہ لب خشک سلمانے را
اے ہر ساجھان کدہ بنے سبیلیا

یہ خطاب ہے خدا کی طرف۔ معنی ظاہر ہیں۔

غالبِ خستہ جاں راجہ بگنٹا رازی بدایاے کہ ندانند نظیری قاتل
ندانند نظیری و قاتل یعنی نظیری او قاتل میں فرق نہیں کرتے۔

بلکہ یہ عید پر خویش جاوہ زگر گزیم
رہ بدرازی دہر عشوہ کوتا ہم

تا بلکہ ہیں، یا یوں کہو کہ اس رستے میں گمراہ ہیں، وہ معرفت الہی کو اس قدر شواہد نہیں سمجھتے جس قدر کہ عرفا اور کمال ادیب سمجھتے ہیں۔ اس مطلب کو یوں بیاں کرنا ہے کہ میری گمراہی کی بنیاد سے راہ اپنے اوپر اس طرح بل کھاتی ہے جس طرح رستی یا ڈور زیادہ بل کھائے سے چھوٹا ہو جاتا ہے پس وہ یعنی راہ معرفت باوجودیکہ بہت دور و دراز ہے مجھ کو کوئی گمراہی غشوہ یعنی فریب دیتی ہے۔

شعلہ چمکے غم کراگل شگندہ فروزا شمع شبستانیم - باد سحر کاہیم
اپنی مصیبت اور اپنی فیض رسانی اور اسپر لوگوں کی بیدردی اور ناقدر دانی ظاہر کرتا ہے کہتا ہے کہ میں گویا شمع شبستانی ہوں کہ آہیں سے شعلے جھڑتے ہیں مگر کسی کو اس کے ساتھ ہنری نہیں۔ اور گویا میں باد سحر کاہی ہوں جو پھول کھلاتی ہے مگر اسکی بہت کوئی نہیں ادا کرتا۔
اوصف طفلان و سنگ رش و غزلنگ زود ز کوئلہ زد کو کبشاہیم
یعنی میری شاہانہ سواری کو چے سے جلد نہیں گذرتی کیونکہ لوگوں کے ہجوم اور پتھروں کے ستروا سے راہ تنگ ہو جاتی ہے۔

جذب تو باید قوی کاں بود - بال نیست گرتواند رسید بخت بہر اہیم
کہتا ہے کہ تیرا جذبہ قوی چاہئے جو مجھ کو منزل تک لیجائے۔ پس نصیب اگر میرے ساتھ نہ چل سکے تو کچھ حرج نہیں۔

غالب نام آدم نام و شام پیر ہم اسد اللہم و ہم اسد اللہم
بر لب یا علی سرے - بادہ دادہ کردیم مشرب حق گویہ ہم عیش مخاہ کردیم

روانہ کردہ ایم یعنی جاری کردہ ایم۔ کہتا ہے کہ چونکہ لب پر یا علی جاری ہے اس لحاظ سے تو ہم نے مذہب حق اختیار کیا ہے، باوجودیکہ اسپر شراب جاری ہے اس لحاظ سے مغول یعنی آتش پرستوں کا ساعیش کرتے ہیں یعنی دنیا اور دین دونوں کو حاصل ہیں۔

بادہ بوم خوردہ و زربقمار باختہ وہ کہ زہر چہ نام سرت ہم بنز کردیم
یعنی شراب پینا اور روپہ ضائع کرنا تو برا تھا ہی، ہنسنے ان بڑائیوں کو بھی خوبی کے ساتھ نہ کیا شراب پی تو قرض کی، اور روپہ کھو یا تو جوئے میں۔

نادر شکستہ ایم - داغ بدل منتہ ایم دولتیان تمسکیم ز بخت نہ کردیم
نادر لب شکستہ ایم یعنی اسکو متحد سے نہیں ٹکھنے دیتے، اور ضبط کرتے ہیں، اور داغ کو دل میں چھپائے رکھتے ہیں، ہم دولت مند تو ہیں مگر خسیس ہیں اپنی دولت کو خزانے میں رکھتے ہیں۔
گرفتاروشی بفریادم سدا وقت رفتہ ام از خوشین چند آنکہ دریاچہ دم
کہتا ہے کہ میں اپنے آپ سے تو گذر گیا ہوں مگر ابھی آپے کو سمجھ لائیں ہوں اگر فراموشی اس وقت میری فریاد کو پہنچے اور آپے کو سمجھ لائے دے تو بہت مناسب ہے۔

ہر قدم نئے ز خود رخن بود و باران ہرچو شمع بزم در راہ قازا و خرم
کہتا ہے کہ راہ قنایں جو کچھ کہ میرے بار یعنی خورجی یا زینیل میں ہے وہ صرف یہی ہے کہ ہر قدم پر تھوڑا تھوڑا اپنے آپ سے دور ہوتا جاتا ہوں۔ گویا جس طرح کہ شمع راہ قنایں میں آپ ہی اپنا راہ راہ ہے کہ برابر بجھتی جاتی ہے اور راہ راہ کی طرح بڑتی جاتی ہے۔
طرح میں بھی آپ اپنا راہ راہ ہوں۔

یاد باداں روزگار کا اعتباری شتم آہ آتش ناک چشم شکبارے دشم
جوانی کے زمانے کو یاد کرتا ہے۔ جبکہ بواہوسی یا عشق و محبت زور شور پر تھا، آہ آتشاک
تھی اور آنکھ اشکبار۔

دیگر از خوشم خبر بود تحلف بر طرہ - ایں قدر داتم کہ غالب نام بارے دشم
ایں چہ شورست کہ از شوق تو در سزایم - دل پرواہ و تمکین سسندر دایم
اں چرا در طرب - ایں نہ بود دست - خندہ پر غفلت درویش تو نگر دایم
کتاب ہے کہ میں درویش اور تو انگرد و نوں کی غفلت پر ہنستا ہوں جبکہ دنیا کا طریقہ نصیب
دو نو بیچ ہیں تو ایک خوش کیوں ہے؟ اور دوسرا بخیدہ کس لئے ہے؟

راز دار تو بدنام کن گردش چرخ ہم سپاس از تو وہم شکوہ و ناخر دایم
خدا سے کتاب ہے کہ جو تجھے تکلیف پہنچتی ہے اسکی مصلحت کو خوب سمجھتا ہوں؛ مگر آسمان کی بدنام
کرتا ہوں۔ پس در حقیقت تیرا احسان مند ہوں مگر بظاہر ہتھارے کا شکوہ گزار۔

خوشنودم از نو و نہیے در بارش خلق آوازہ جفا سے تو در عالم فلکسم
کتاب ہے کہ میں نے تجھکو جفا کا راس لئے مشہور کر رکھا ہے کہ اور کوئی تیری طرف رغبت نہ کرے
در نہ میں در حقیقت تجھے ہر طرح راضی اور خوشنود ہوں۔

دو روز نگر بفرض زین ابا آسمان خاشاک زین فشار در بر و دم فلکسم
ہم بعالم نازل عالم بر کنار اتحادہ ام چوں امام سجد بیروں از سزا و عاودہ ام
زمن حذر کنی اگر لباس میں دارم نہفتہ کا فرم و ریت در تہیں دارم

اس شعر کے مصداق وہ مکار اور ریاکار لوگ ہیں جنکو مشرع اور مقدس سمجھ کر انکے آگے کوئی
بات پہنچی یا بے تمیزی یا رند مشربی کی کہتے ہوئے شرم آتی ہے؛ مگر انکو ذرا ٹٹول کر دیکھئے
تو وہ تھی کی اور اصل نکا کھیلنے والے نکلتے ہیں۔ اس میں خطاب عشق کی طرف ہے۔ جو نو عمر
ہونے کے سبب مقدس آدمیوں کی صحبت سے بھاگتا ہے۔

نشتہ ام بگدا ئی بشا ہراہ و ہنوز ہزار دزد بہر گوشہ دیکیں دارم
ہنوز کا لفظ بیاں ایسا ہے جیسا اردو میں دو تا ہم، یا باد وجود اسکے، ہوتے ہیں، لکھتا ہے
کہ میں امیروں کی مع سرائی کے لحاظ سے تو ایسا ہوں جیسے شاہراہ میں ایک گدا بیٹھا ہے
مگر اس لحاظ سے کہ لوگ میرے معنوں چراتے ہیں۔ میرا یہ حال ہے کہ ہزاروں چوٹے پیری
گھات میں لگے ہوئے ہیں۔

زود عہدہ و در حیان را افزون نیاز اند توفیقے عجب ادا آہ آتشیں دارم
کتاب ہے کہ اہل دوزخ کو ظاہر ہے کہ میعاد معین سے زیادہ دوزخ میں نہ رکھینگے؛ پس اس خیال سے
میں اپنی آہ آتشیں سے ایک عجیب توقع رکھتا ہوں؛ یعنی یہ کہ آہ آتشیں بھی ہمیشہ نہ ہے گی
اس توقع کو عجیب اس لئے کہا ہے کہ اسکو بھی دوزخ پر قیاس کر کے اس سے آخر کار نجات
کا امیدوار ہے۔

جواب خواجہ نقیری نوشتہ ام غالب خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم
دوسرا مصرع نقیری کا ہے جس کا پہلا اصل مصرع یہ ہے "وہم را بسادہ دلیہا سے من توان بخشید"
نقیری کا یہ شعر بڑے رتبہ کا ہے؛ مگر حق یہ ہے کہ مرزا نے یہ مصرع تصنیف کیا کیا ہے گویا اسکو

چھین لیا ہے۔ مرزا کے قطع کا مطلب اب یہ ہو گیا کہ نظیر کی غول پر غول لکھی تھی تو
 خطا۔ مگر میں نے اسپر ایسی غول لکھی ہے کہ اپنی اس خطا پر آفریں کا امیدوار ہوں۔
 بیا کہ قاعدہ آسمان بگردانیم قضا بگردشِ ظلِ گراں بگردانیم
 مشوق سے کتا ہے کہ تو آتا کہ آسمان کا یہ قاعدہ کہ وہ دوست کو دوست سے نہیں ملے دیتا
 ہم تم دونوں ملکر ملٹ دیں، اور حکم قضا کو ظلِ گراں یعنی جام شراب کی گردش سے پھیر دیں
 بگوشتہ بنشینیم دور مشہاد کنیم بگو چہ بر سرِ رہ پاسبان بگردانیم
 دور فرما کنیم یعنی دروازہ بند کر دیں اور چوکیدار کو حکم دیں کہ کوچے میں پھر تار ہے اور کیڑے آؤ گے
 اگر زخم بود گیر و دار بندیشیم و اگر زشتاہر سدا رخاں بگردانیم
 اگر کلیم شود ہنر ہاں سخن نہ کنیم و اگر خلیل شود میہاں بگردانیم
 گل افکنیم و گلابے برگذر پاشیم مے آوریم و قح دریاں بگردانیم
 نذیم و مطرب ساقی زانجن راسیم بکار و بار زینے کار داں بگردانیم
 گئے بہ لاجسن با ادا بسیاریم گئے بوسہ زباں در داں بگردانیم
 لاجسن و خوشامد سخن کو ادا کے ساتھ ملانا یا چاؤ اور راز و نیاز کی باتیں کرنا۔
 نیم شرم بیک سوڈ با ہم آویزم بشوئے کویخ اختراں بگردانیم
 دجوش سینہ سحرانفس زو بندیم بلا سے گرمی روز از جہاں بگردانیم
 یعنی اختلاط کے موقع پر ہم دو تو ایسے زور و زور سے سانس لیں کہ صبح کا دم بند کر دیں، اور اسکو
 طلوع نہونے دیں، اور دن کی گرمی کی بلا جہاں سے ٹال دیں۔

بہم شب ہمدرد غلط بیت ایم زخمیہ رہ زخمیہ را باشتیاں بگردانیم
 یعنی سب کورات کے دھوکے میں ڈال دیں۔ یہاں تک کہ چرواہے کو ریوڑ سمیت آدھے رستے
 سے شہر کی طرف اٹنا پھیر دیں۔
 بجنگ باج ستانان شاخاری را تھی سبزد و گلستاں بگردانیم
 یعنی جو لوگ درختوں سے میوہ اور فواکہ کی ڈالی لینے کو آئیں انکو ڈراغ کے باہر ہی سے خالی حال
 کے ساتھ پھیر دیں۔
 بر صلح بال فشانان صبحا ہی را ز شاخسار سوے آفتیاں بگردانیم
 یعنی جو پرندے صبح کو گونسلوں سے درختوں پر آکر گلیل کرتے ہیں ان کو نرمی اور چکار کے
 ساتھ گونسلوں کی طرف لوٹا دیں۔
 و حیدریم من و تو۔ و ما عجب نبود گز آفتاب سوے خاواں بگردانیم
 کتا ہے کہ ہم تم حیدری ہیں، ہم سے تعجب نہیں کہ جس طرح بقول بعض حیدر کرار سے سجدہ
 ز آتش ظاہر ہوا تھا۔ ہم بھی آفتاب کو مشرق کی طرف واپس پھیر دیں۔
 رفت برما پنچہ خود ما خواستیم وایہ از سلطان بوقت اخلاص
 قاعدہ ہے کہ جب فقیر بادشاہ سے بھیک مانگتے وقت شروع کرنا ہے تو اسکو مارکر ٹھارتے
 ہیں اور کچھ نہیں دیتے۔ کتا ہے کہ ہم پر جو سختی گزری وہ خود ہننے ہی چاہی تھی، کیونکہ بادشاہ سے
 بھیک مانگتے وقت نکل شروع بیت کیا، اس لئے وہاں سے دھکا لے گئے اور کچھ نہ ملا۔ سلطان
 مراد خدا کا لئے ہے۔

دانش و گنجینہ پنداری کیے ست حق نہاں داداں چرپید اخلاستیم
پنداری اور گوئی اور گویا کے ایک معنی ہیں۔ کہتا ہے کہ علم اور تیرا د گویا ایک ہی چیز نہیں؛ کیونکہ
جو چیز ہے علانیہ مانگی۔ یعنی دولت۔ وہ خدا نے ہکو پوشیدہ طور پر دی۔ یعنی علم دہن
رفت و باز آمد ہما در دام ما باز سر دادیم و عفت اخلاستیم
کہتا ہے کہ ہمارے دام میں پھنس کر کھل گیا تھا پھر آن پھنسا؛ اب چاہئے تھا کہ اسکی زیادہ نگہبانی
کرتے اور اسکو کھنے نہ دیتے؛ مگر ہم نے اسکو خود چھڑ دیا اور غفلت کی خواہش کی۔ ہمارے مراد دولت دنیا،
اور غفلت سے مراد احدیت ذات۔

وہشتے در سرفراز برگ سفر داشتہ ایم قوشہ سراوہ دے بود کہ برداشتیم
 داغ احسان قبولی لیما نش نیست ناز بر خرمی بخت ہنر داشتہ ایم
 قبولی او قبول ایک مہنی میں آتا ہے۔ خرمی بخت ہنر یعنی سرسبزی بخت ہنر کہتا ہے کہ ہم کو
 اپنے ہنر کی خوش نصیبی پر ناز ہے کیونکہ اسپر کینوں کی قبولیت کے احسان کا داغ نہیں ہے۔
 یہاں خرمی بخت کا لفظ استہزاؤں سازمی بخت پر بولا گیا ہے۔

زخمِ جگرِ بخیدہ و مرہم نہ پسندم مہجِ گہرم جنش و زقار نہ اتم
 یعنی جس طرح زخمِ جگر تک بخیدہ و مرہم کی رسائی نہیں ہے اور آبِ گوہر کی مہج میں جنش و زقار
 نہیں ہے؛ ایسا ہی میرا حال ہے۔ یعنی نہ کسی کو میرے درد کی خبر ہے نہ میرے کمال کی اطلاع
 نقدِ خردم۔ سکڑے سلطانِ پذیریم جنسِ ہنرم گرمی بازارِ ندانم
 غالبِ بنور کو تھی از دوست۔ ہانا زانِ ساں دہم کام کہ بسیار ندانم

یعنی وہ اس طرح حاجت روائی کرتا ہے کہ اکثر مجھ کو شہو نہیں ہوتا کہ کیونکر یہ کام بنگیا۔
ذیل کی غزل نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کے مکالمے پر جو مشاعرہ ہوتا تھا اسیں پڑھی گئی
تھی۔ چونکہ دلی کے تمام نامور شعرا کا جو دماغ فارسی غزلیں لکھ کر لجاتے تھے۔ مرزا نے
اس غزل میں ذکر کیا ہے اور غزل بھی نہایت نفعی ہے اس لئے بطور یادگار کے ساری
غزل بیان فصل لکھائی ہے۔

با پیری مهره و آلاخ مردم ریشناں
 کافر اندر جہاں چوے کہ ہرگز نبو
 آشکار کش، و بدنام، دیکو نامی جو
 رشک بر تنہ تنہا رودادی وادم
 بگذاز خستہ دلانے کہ مدانی ہش د۱

دل مردم بچم طرہ خم و رخشاں
 طرہ حور دلا و جز ترا پرچم شاں
 آہ ایں طائفہ و انکس کو جو مردم شاں
 نہ برآسودہ دلاں حرم و زمرم شاں
 خستگانند کہ دانی و نداری علم شاں

یعنی اُن مصیبت زدوں کو جانے دے جنکو تو نہیں جانتا؛ مگر خبردار رہ کہ بہت سے ایسے
فت زدہ ہیں جنکو تو جانتا ہے مگر اُن کا کچھ غم نہ جھکونیں۔

داغ غول گرمی این چاره کز انم گونی
 آتش است آتش اگر نیبه و گرم تر شال
 ای که لاندی سخن از نکته سزایان ^{بهری} بسیم
 چه با منت بسیار نمی از کم شان
 بهند را خوش نصیبانند سخور که بود
 باد و خلوت شان شک شان از بهر شال
 مومن و تیر و صهبائی و علوی و دهاگا
 حشر قی و آخرت و آذر بود و عظم شان
 غالب سوخته جان اگر چه نیر زنده شمار
 هست در بر زمین سخن منتقص همد شان

اخلاق
صدیق
عاشقانه
عاشقانه
عاشقانه

خود
مقام
وزیر
بیدری
تجارت

مومن یعنی حکیم مومن خاں۔ جنگی دیوان اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں موجود ہیں۔
 شمس الدین نواب منیر الدین احمد خاں رئیس لوہارو۔ جنگا کلام دونوں زبانوں میں بقدر
 معتد بہ سوجوہ ہے مگر کوئی دیوان مرتب نہیں ہوا۔ صہبائی یعنی مولانا امام بخش جنگلی نظم
 نیز فارسی اور دیگر رسائل اور شروح تین جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ علوی
 مولانا عبداللہ خاں علوی استاد مولانا صہبائی جنگلی نظم و شیر فارسی چھپ چکی ہے؛ اور عربی
 میں بھی انکے قصائد موجود ہیں۔ حسرتی۔ نواب محمد مصطفیٰ خاں رئیس جہانگیر آباد۔ جنگی دیوان
 اردو و فارسی دونوں زبانوں میں چھپ چکے ہیں؛ اور اسکے سوا سفر نامہ حج، تذکرہ گلشن بیار
 اور رقعات فارسی بھی انکی تصانیف سے شائع ہو چکی ہیں۔ آزرده مولانا مفتی محمد صدیق خاں
 جنگا کلام اردو و فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں موجود تھا مگر اسوس ہے کہ آپس سے
 بہت کچھ ضائع ہو گیا ہے۔ لیکن بعض مذہبی رسالے جو ان سے یادگار رہ گئے ہیں شائع ہو چکے ہیں۔
 تاج دیوانم کہ سرسبز سخن خواہد شدن ایں مئے از قوط خرمیاری کہن خواہد شدن
 کو کبسم را در عدم اوج قبوسے بودہ است شہرت شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن
 مطرب از شعرم بہر زبے کو خواہد زد و خاک ایشا رجبیب پیر من خواہد شدن
 حرف حرفم در مذاق فتنہ جا خواہد گرفت دستگا و نازیشخ در بہمن خواہد شدن
 کتاب ہے کہ میرا ایک ایک حرف مذاق فتنہ میں جگہ پائیگا۔ یعنی فتنہ کو پسند آئیگا۔ جبکہ نتیجہ یہ
 ہوگا کہ بہمن اسکو اپنے موافق سمجھے گا اور شیخ اپنے موافق خیال کرے گا؛ اور دونوں اپنی اپنی جگہ
 آسپر فخر کریں گے، اور ایک دوسرے کو جھٹلائیں گے؛ اور آپس میں گل خپ ہوں گے۔

ہے چہ می گویم؟ اگر اہمیت وضع روزگار دست در شمار باب سوغتن سخن خواہد شدن
 اس سے پہلے ہلندہ فخر کے کہا تھا کیوں ہوگا اور دوس ہوگا؛ پھر کتاب ہے کہ ہے نہیں ہے
 کیا کتابوں؟ اگر زمانے کا حال ایسا ہی رہا تو دفتر شعر باب سوغتن یعنی جلادینے کے
 لائق ہو جائیگا۔
 چشم کو رائیہ دعویٰ کیف خواہد گرفت دست شل مشاطہ زلف سخن خواہد شدن
 شاہرہ معنوں کا نیک شہری جان دوست رہستا آوارہ کام و دہن سخن خواہد شدن
 یعنی آئندہ یہ حال ہوگا کہ شاہرہ معنوں جواب جان و دل کے شہر میں تمام رکھتا ہے وہ کام
 دہن کے دیات میں آوارہ ہو جائیگا۔ یعنی جن اشعار اور خیالات میں اب نہایت دقیق
 اور گہری نگاہ سے غور کیا جاتی ہے وہ صرف لوگوں کی زبانوں پر چائینگے اور انکی ہر کوئی ہر جگہ
 زلف رانہ اندر ہوائے فتنہ بال پر زناں ہم فوائے پردہ سبجان چمن خواہد شدن
 جنگلی کوٹے یعنی تلک بندی کرنے والے شاعر نعمت سنجی کی ہوا میں ہلکے پسارے ہوئے چمن کے
 نعمت سنجوں (یعنی عالی درجہ شاعروں) کی برابری کریں گے۔
 شاہد باش ایدل درین محفل کہ ہر مانہ نیست شیون رخ مذاق جان تن خواہد شدن
 اب کتاب ہے کہ دنیا میں ان باتوں کا فکر کرنا بے سود ہے؛ یہ سب نئے موزوں ہوں یا نوزاد
 ایک دن موت کے نوٹے بچائیں گے۔
 ہم فروغ شمع سستی تیرگی خواہد گزید ہم بساط بزم سستی پر نشن خواہد شدن
 اگر چندار وجود از رکھد خواہد شدت بحر قوید عیالی موزن سخن خواہد شدن

کتاب ہے کہ ہستی کے دعوے کا عبا رجراہ میں اٹھا ہوا نظر آتا ہے یہ سب بیٹھ جا سکتا یعنی سب
تھا ہو جائیں گے اور توحید عیانی کا دریا سرفراز ہوگا یعنی ذات واحد کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا۔
دولت بخل بنو اذ سسی پیشیاں شو کا قرتوانی شدنا چار مسلمان شو
کتاب ہے کہ دولت یعنی سعادت کبھی غلطی نہیں کرتی ؛ وہ اسی کے پاس جاتی ہے جو اسکے لائق
ہوتا ہے۔ پس تو اسے مخاطب اپنی سسی سے پیشیاں ہو۔ اور وہ دولت کیا ہے ؟ کافر نہ ہو۔ کتاب ہے
کہ تو کافر تو نہیں ہو سکتا لاچار مسلمان پر قناعت کر غالباً مرنا نہ کفر سے وہ کفر مراد لیا ہے جو ضروریہ
کی اصطلاح کے موافق ایک بڑا مرتبہ مراتب فقر و درویشی میں سے شمار کیا جاتا ہے لیکن قطع نظر
ان معنوں کے اس شعر کے ایک دوسری نہایت لطیف و پاکیزہ زمانے کے حسب حال بھی ہو سکتے
ہیں۔ جو شاید شعر کہتے وقت مرزا کے خیال میں نگہ رہے ہوں ؛ مگر ضرور ہے کہ انھیں کسی نتائج کا
میں شمار کئے جائیں کیونکہ بلند اکثر کلام کی بنیاد ایسے جامع اور حاوی الفاظ پر رکھتے ہیں کہ گویا غافل کا
مقصود ایک خاص معنی سے زیادہ ہو مگر کلام اپنی عمومت کے سبب بہت سے عمل رکھتا ہو۔
مطلب یہ ہے کہ ایسا مسلمان ہونا جسکو سارا زمانہ مسلمان کہے اور مسلمان سمجھے۔ یہ تو بہت
آسان ہے ؛ مگر قوم کی بھلائی کی وہ تدبیریں کرنی کہ اسکی بھلائی انکے بغیر دشوار معلوم ہو۔ اور ان
تدبیروں کے اختیار کرنے میں لوگوں کے طمع و فتنہ سے نہ ڈرنا۔ یہاں تک کہ بد مذہب اور کافر
شہور ہونا مگر قوم کی خیر اندیشی سے دست کش نہ ہونا۔ نہایت دشوار بلکہ بعض حالتوں میں قریب
ناممکن کے ہے ؛ کہ ہزاروں اور لاکھوں میں نہیں بلکہ کروڑوں میں ایسا ایک فرد دنیا کی عبادت
میں سمجھا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ایسا کافر دنیا تو بہت مشکل ہے ؛ ناچار مسلمان پر اکتفا کر۔ یہی

توحید کا دریا

کسی کے ذہن نشین کرنے نہایت مشکل تھے ؛ مگر الحمد للہ کہ خود ہماری قوم میں حسن اتفاق سے اس وقت
ایک شخص موجود ہے جسکی حالت پر نظر کرنے کے بعد اس شعر کے کوئی دوسرے معنی ان معنوں سے
زیادہ چسپاں نہیں معلوم ہوتے۔ یعنی ڈاکٹر سر سید احمد خاں جس نے کافر محمد، نیچری، ادنیٰ، سب کچھ
کھانا منظور کیا مگر قوم کی خیر خواہی سے دست بردار ہوا۔

از ہرزہ رواں گشتن ظلم توں گشتن جوئی ! بخیالیاں رو سیلی ! بخیالیاں شو

ہرزہ یعنی برائے نام جاری ہو جائے سے ظلم نہیں ہو جاسکتا۔ اسے مخاطب تو ایک نالی ہے باغ
س کیا ریوں میں جا ؛ اور ایک رُو ہے جنگل کی راہ لے۔ یہ ان ناقص البصائر لوگوں کی طرف خطاب ہے
جو کسی فن میں تھوڑی سی تشدد حاصل کر کے اپنے تئیں کاملین میں شمار کرنے لگتے ہیں۔

گر چرخ فلک گردی سر بر خطرواں در گوے زبانی تہمت خم چو گاش شو

یعنی تو کیسا ہی عالمی رتبہ اور گرامیہ ہو جائے اطاعت و فرمانبرداری کرنی ضرور ہے چاہے طاعت
کو عام لو اور چاہے خاص خدا کی فرمانبرداری مراد رکھو کیونکہ جس طرح دین میں بغیر خدا اور رسول کی
فرمانبرداری کے کام نہیں چلتا اسی طرح دنیا میں سلاطین و ملوک اور باپ اور افسردہ
اقتاد وغیرہ کی اطاعت کے بغیر نظم و ضبط نہیں آتی۔

در بندہ شکیبائی قروم ز جگر خانی اسے حوصلہ نگی کن۔ اسے ختمہ فراہ

کتاب ہے کہ صبر کے شکنجے میں مین کلچر سو ستا سو ستا کر گیا یعنی تھک گیا۔ اب سوا اسکے اور کسی طرح
اس بلا سے بچنے کا نہیں کہ حوصلہ نگی کرنے لگے اور غم سے بڑھ جائے۔ پس کتاب ہے کہ اسے حوصلہ
تو جیسا کہ اب تک فراخ اور وسیع رہا ہے اب برغلان اُسکے تنگ ہو جا ؛ اور اسے غم تو زیادہ ہو جائے

خطبات

محاضرات

توحید

اگر مجھے ضبط نہ ہو سکے، اور کھل کھیلوں، اور اس پر خجاری کے عذاب سے نجات پاؤں۔

سویا کر امت کن دا نگاہ بغارت پر
بر خرمن مارنے پر مزرعہ باران شو
اگرچہ ہوتا ہمیشہ یہی ہے کہ اول سرمایہ دیتے ہیں پھر جب چاہتے ہیں اسکو تباہ کر دیتے ہیں مگر شاعر
بطور بیانہ کے یہ جانتا ہے کہ ہماری کھیتی پر مینہ تو کبھی نہیں برساتا مگر خرمن چھل کر اتار رہا ہے
انسان کی ایک قدرتی خاصیت ہے کہ مصیبتوں کے وقت نعمتوں کو بالکل فراموش کر دیتا ہے
اسی خاصیت پر شاعر نے شعر کی بنیاد رکھی ہے۔

ذیل کی غزل سلسل اور محض عاشقاں ہی ہیں جس میں عشق کی خصلتیں بیان کی ہیں، اور
اسکو بادشاہ کی تعریف اور شکایت طریقاً نہ پر ختم کیا ہے۔ اس غزل میں مروت حسن بیان کا
لطیف ہے، خیالات بلند نہیں ہیں۔

بتے دارم از اہل دل رم گرفتہ
ہشونی دل از خوشین ہم گرفتہ
دل گرفتن لگتا جانا یعنی اس قدر شوخ اور نازک مزاج ہے کہ اپنے آپ سے بھی بگڑ جاتا ہے۔
دستاک گفتن چو گل ہر شگفتہ
دریں شیدوہ خود را سلم گرفتہ
یعنی اگر کوئی اسے دستاک کہتا ہے تو برا نہیں مانتا بلکہ خوش ہوتا ہے گویا اپنی سخاکی کو مسلم الشیبا
مانے ہوئے ہے۔

فسوں خواندہ کا رے عیسے نودہ
پری بودہ و خاتم از جسم گرفتہ
یعنی افسوں سے معجزے کا کام لیتا ہے اور پری ہو کر جمشید کی انگوٹھی پہین لیتا ہے۔
دمش ز خستہ در زہر یوسف فگندہ
غمش گندم از دست آدم گرفتہ

دم سے مراد بات ہے دوسرے مصرعے کے یہی معنی ہیں کہ اس کے غم میں آدم کو گندم جیسی عزیز چیز
فراموش ہو جاتی ہے۔

گئے طعنہ بر جن مطرب سرودہ
گئے خسروہ بر فلق ہدم گرفتہ
بیدار و صد کشتہ بر ہم نہادہ
بیا ز بچہ صد گونہ ماتم گرفتہ
یعنی آپ ہی مارتا ہے اور آپ ہی بطور کھیل کے ماتم کرتا ہے۔

برودیش زر گرمی نگہ تاب غورہ
بکوشش بر فتن صبا دم گرفتہ
نیاز دزن مسیح گداز ہرگز
مگر خوسے خاقان اعظم گرفتہ
ظفر کز دم اوست در نکتہ سنجی
کہ غالب با و ازہ عالم گرفتہ
یہاں دم کے معنی افسوں اور کرامت کے ہیں تقدیر عبارتوں سے کہ غالب در نکتہ سنجی
ہے آوازہ عالم گرفتہ۔

چوں ز بان لال جاننا پر ز غوغا کردہ
بایدت از خویش پر سیدانچہ با کردہ
یہ تمام غزل توحید میں ہے۔ کہتا ہے جبکہ تو نے ہماری زبانیں گونگی کر دی ہیں اور باوجود اس کے
جانوں کے اندر شورش بھر دی ہے۔ اب تو اپنے ہی سے پوچھ لے کہ تو نے ہمارے ساتھ کیا
سلوک کیا ہے۔

گرد شتاق عن من سنگاہ حسن خوش
طلل فدایت دیدہ از ہر چہ بینا کردہ
ہفت دوزخ در نماندہ سرسای مکرمت
انتقام ست اس کہ با مجرم مدبرا کردہ
کہتا ہے کہ شرمندگی وہ عذاب ہے جسکی نماندہ یعنی ذات میں ساتوں دوزخ چھپی ہوئی ہیں پس اگر

تو نے گنگار کے ساتھ مارا یعنی رعایت کی اور اسکو بخش دیا تو یمن انتقام ہے، وہ خوش مندی سے کہ باوجود اس قدر گناہوں کے ہلکے کچھ سزا نہیں دی۔ گویا سبب و فزوں میں جھونک یا گیا۔

صد کشاد آزا کہ ہم امر و سرخ بنمودہ مرده باداں را کہ محمود ذوق فردا کردہ

خستگان را دل بپیشمای پنهان بودہ با درستان گزاف و شہاسے پیرا کردہ

خستگان - زخمی اور شکستہ دل لوگ یعنی خلی حالت زار بظاہر ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا اپنے خدا کا خفقان ہے۔ درست - صحیح و سالم کہتے ہیں؛ درستان اسکی جمع ہے یعنی وہ لوگ خلی حالت درست اور ہر ایک خشکی اور خشکی سے محفوظ ہے۔ گویا اپنے خدا کی عنایت و مہربانی سب سے زیادہ ہے۔ کتاب ہے کہ اگر تو نے درستوں پر ظاہری عنایتیں سبزل فرمائی ہیں تو زخمی دلوں کو پوشیدہ مہربانیوں سے مستول کیا ہے۔

چشمہ نوش است از نہر حیات کام جاں تلخی سنے در مذاق ما گوارا کردہ

خدا تعالیٰ کے غنیمت اور عتاب کو چشمہ نوش قرار دیتا ہے؛ اور اسکو شراب سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح شراب کا ذائقہ ہر شخص کو تلخ معلوم ہوتا ہے، مگر شرابیوں کے مذاق میں اس سے زیادہ کوئی شے خوشگوار نہیں۔ اسی طرح تیرا عتاب گویا تلخ معلوم ہو مگر تیرے عشاق اسکو چشمہ نوش سمجھتے ہیں۔

جلوہ و نظارہ پنداری کا دیک گہرست خویش را در پردہ سلقے تماشا کردہ

کتاب ہے کہ تو نے مخلوقات کو پیدا کر کے انہیں اپنے حسن کا آپ تماشا دکھا ہے؛ تو گویا جلوہ حسن اور نظارہ عشق در حقیقت ایک ہی جنس سے ہیں یعنی ناظر اور منظور ایک چیز ہیں۔

چارہ در سنگ و گیاه در بخت با جانہ بود پیش اناں کیں در سدا آزمیتا کردہ

کتاب ہے کہ بیماری تو جاندار کے ساتھ مخصوص تھی، اور بیماری کا علاج سنگ و گیاه یعنی معذنیات اور نباتات میں تھا؛ پس تو نے جانداروں کے پیدا کرنے سے پہلے سنگ و گیاه کو مہیا کر لیا۔ جیسا کہ علم جیولوجی میں پھاڑوں اور درختوں کا حیوان اور انسان سے پہلے پیدا ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

دیرہ می گردید، زباں می نالد، دول می تپید عقدہ ہا از کار غالب سربسرا کردہ

مقطع میں پھر اپنی عادت کے موافق خوشی کی ہے۔ تمام ناملائم حالتوں کو جو قائل پر گزرتی ہیں ان کو ازراہ شوخی اور طنز کے عمدہ پیرائے میں ڈھالا ہے۔ کتاب ہے کہ اگر کہہ رہی ہے، زباں فریاد کرتی ہے، اور دل ٹڑپتا ہے؛ گویا تمام عقدے تو نے حل کر دیئے ہیں۔ چونکہ نگہ کار فناء، زبان کا قریب کرنا، اور دل کا ترننا، ان تینوں حالتوں میں ایک کشائش کی صورت محسوس ہوتی ہے اس لئے ان تمام حالتوں کو اپنے عقدوں کے حل کرتے سے تعبیر کیا ہے۔ اگر اس مضمون کو شوخی پر محمول نہ کیا جائے تو یہی بھی ہو سکتے ہیں کہ عشق کی معراج ہی ہے کہ اگر کہہ دے، زبان فریاد کرے، اور دل ٹڑپے؛ پس غالب پر جو یہ حالتیں طاری ہیں گویا عشق کی راہ میں جتنے عقدے سنے وہ تو نے سب حل کر دیئے۔

تا بم ز دل برد کا منہ ادا سنے بالا بلند سے کوثر قبائے

یوں مرگب ناگہ بسیار تلخی یوں جان شیریں اندک دفا سنے

در کام بخشی مسک میر سنے دردستانی مہرم گدا سنے

گلخ سازے پوزش پسند سنے طاقت گدا سے مبرا آزما سنے

از خوش و ناخوش و درخ و شب سنے دزد و دزدے دلکش میز قضا سنے

خوش
و ناخوش
دردستانی
طاقت گدا سے
دزد و دزدے

زردشت کیشتے آتش پرستے برسم گزارے زمزم سرانے
 برسم بجاویزانا روغیرو کی باشت باشت بھر کی لکڑیاں کاٹ کر آتش پرست رکھ لیتے ہیں، اور
 عبادت، یا ننانے، یا کھانے کے وقت ان کو ہاتھ میں لے کر پڑھتے ہیں۔ برسم گزار اور زمزم سرانے
 آتش پرست کو کہتے ہیں۔ زمزم اور زمزمہ وہ ہے جو آتش پرست برسم ہاتھ میں لیکر پڑھتے ہیں۔
 درکیت و زری قنیدہ دشتے درسم ربانی بتاں سرانے
 قنیدہ دشت چتا ہوا صحرا۔ باقی شعر کے معنی صاف ہیں۔
 اور زلف پر حسم مشکیں نقابے از تابش تن زریں روانے
 یعنی زلف پر غم انگے چہرے پر ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے سیاہ نقاب منہ پر پڑی ہوئی ہو۔ اور
 جو کپڑا وہ بدن پر ڈالتا ہے وہ بدن کی چمک دکھائی نہ دے سہی معلوم ہوتا ہے۔
 در عرض دعویٰ لیے لکھے برسم غلب مجنوں ستانے
 یعنی جب دعویٰ حسن و جمال کرتا ہے تو بلی کی جھوکتا ہے، اور غالب کے چڑانے کو مجنوں کی توجہ
 کرتا ہے کہ وہ بڑا عاشق صادق تھا۔
 تو کے درج پریشاں شدنی۔ چرمی گوئی دروغ راست نمانے کو دشتی داری
 یعنی تو جو یہ کہتا ہے کہ میں ظلم سے پریشان ہو گیا ہوں، تو کب پریشان ہوا ہے؟ کیونکہ وہ جھوٹ جو سچ
 معلوم ہو۔ جیسا تو پہلے بولتا تھا اب بھی بولتا ہے۔ پس تیرا یہ کہنا کہ میں ظلم سے پریشان ہوں یہ بھی اسی
 ظلم میں داخل ہے۔
 بیدیزین لک دول جہاں خیریں باز نغمو مہر فزائے کو دشتی داری

عاشق

عاشق

کتاب کو سینے میں دل کی طرح اور دل میں جان کی طرح پیٹ چکا ہے، پھر بھی تیری گامہ مہر فزائی
 حال ہے جو پہلے تھا، اک محبت کی آگ بجڑ کانٹے چلی جاتی ہے۔
 غباب و مہر تو از ہم شناختن نتوان خرد فریب ادائے کو دشتی داری
 جانیان ز تو برگشتہ اندر غالب ترا چاہک، خدا کے کو دشتی داری
 بیودہ نیست سعی صبا در دیار ما اسے بے گل پیام تنائے کیستی
 یادش بخیر تاجہ قدر سبیز بودہ اسے طرف جو بار چمن جاے کیستی
 جاے کسے سبز بود۔ ایسی جگہ کا خالی رہنا۔ اور سبز ہونے کے معنی سرسبز و شاداب ہونے کے
 بھی ہیں۔ طرف جو بار کنادہ جو بار چمن کی پٹری پر سبز و دیکھ کر کتاب ہے کہ اسے کنارہ جو بار چمن
 تو جو قدر سرسبز و شاداب ہے تو کس کی جگہ ہے۔ چونکہ وہاں مشوق کو نہیں پایا اس لئے بدھوگون
 نیک کے اول یادش بخیر لکھ کر پھر سوال کرتا ہے۔
 نشیدہ لذت تو فرو میسر دو بدل اسے حرف انمول شکر خائے کیستی
 انبج نقش غمیر نکوئی ندیدہ اسے دیدہ محو چہرہ زیبائے کیستی
 بلبل کا مسرا میں ہمہ سختی نیرودہ اسے شب برگ من کو تو فدا کیستی
 برگ من یعنی اسے شب تھکاویری موت کی قسم۔ چونکہ اس وقت اپنی موت سے زیادہ کسی چیز کو غم
 نہیں سمجھتا اس لئے رات کو اپنی موت کی قسم دے کر پوچھتا ہے کہ تو کب کی فدا سے قیامت ہے؟ یعنی
 جو سختی کہ تجھ میں میرے اوپر گز رہی ہے کسی کافر کے ساتھ نہ گذرتی ہوگی۔ پھر تو کافر سے بھی بڑھ کر نہ
 گنگا کی قیامت کا دن ہے، بتا تو سہی؟

عاشق

عاشق

عاشق

ایک گھمندی داد دل - کرے ندی تا چون دل سناں شوہ نگارے ندی
چشمہ نوش ہمارا نر اوڑوڑے کش نگیری و در اندیشہ نشا ہے ندی
کتاب ہے کہ اس دل سے قینا چشمہ نوش نہیں ٹپک سکا جسکو کہ تو بھیج کر قصور میں تشار ندی ہے۔
یعنی جیسا کہ دل عشق مجازی کے صدمے میں جھیلنا اور طرح طرح کی کوفت میں نہیں اٹھاتا
صفائی اور لطافت اور گھلاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔
ماہ و خورشید دین دائرہ بیکار نیند تو کہ باشی؟ کہ بخود محبت کا ہے ندی
اور وہ کام ہی ہے کہ عشق کے شکنجے میں دل کو غبار دیا جاوے۔
سر براہ دم شمشیر جوانی نہ سنی تن بہت در غم فراق سوار ہے ندی
خون بدوق غم یزدان نشاے بخوری دیں مہر حق الفت گدازے ندی
یزدان نشاں اور حق الفت گدازہ دونوں مرکب صفتیں ہیں - باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔
آخر کار نہ پیدا ست؟ کہ در تن خسرو کف خونے کہ بیاں زینت و آری ندی
جسٹر و فیسرون کا مصراع ہے - منرون ٹھٹھرانا خشک ہو جانا - یعنی کیا یہ بات ظاہر نہیں ہے؟ کہ
نوزن جس سے تو کسی صلیب کو رنگین نہ کر گیا مرنے کے بعد بدن میں خشک ہو کر رہ جائیگا۔
حیف کہ زن بستان سر کوئے زرد واسے گرجاں بے را گدازے ندی
ہر زمان اجل اردست تو نگاہ بزد نقد ہوشے کہ بسوداے ہمارے ندی
بچم طرہ عوران بشت آویزند ناز پرور وہ دے را کہ باریے ندی
کہ تینزل نبود - ابر بہاری غالب کہ در افتائی و ز افشاں نہ شہ ندی

یعنی اگر اس کہنے میں تیری کمر شان خود واسے غالب تیری مثال ابر بہاری کی ہی ہے کہ موتی بر آستان
اور انکی گنتی نہیں بتا تا معنی بے شمار موتی بر آستان ہے۔
دیا ز جاب آبلہ پاسے طلب حبت نور نظر اسے گوہر نایاب کجائی
شورست نواریزی تار نقشم را پیداۃ اسے جیش مضرب کجائی
یعنی میرے انفس سے جو نفعے نکل رہے ہیں انھوں نے ایک شور برپا کر رکھا ہے، اگر اسے جیش
مضرب کہ جس سے یہ نایاب رہا ہے تو کہاں ہے؟ تیرا کہیں بتا نہیں۔
بنماے ہو گوسالہ پرستاں یہ بھینا غالب بہن صاحبی تاب کجائی
قراب کرامت اور معجزے کو کہتے ہیں۔ گوسالہ پرستوں سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا قص البیاض عروں
کو مانتے ہیں۔
دید و در آنگہ تا اندول شہار دلیری در دل سنگ ہنگرہ رقص تان آری
دیدہ و رینی صاحب نظر و شخص ہے کہ جب اسکو یہ خیال پیدا ہو کہ دنیا میں کون سی چیزیں دلکش و دلور
ہیں تو وہ انگوٹھ پتھر کے اندر تان آری کو قفس کرتے ہوئے دیکھ لے یعنی ماتے میں خود قابلیت
اور عقدا و خدا نے دویت کی ہے وہ پہلے اس سے کہ قوت سے فعل میں آئے اس پر ظاہر ہو جائے۔
لے تو کو بچہ ذرہ راجزہ نور و نبوت و طلیت تو اس گرفت باد یہ راہ بہری
یہ خطاب ہے جناب حدیث کی طرف - کتاب ہے کہ جس ذرے کو دیکھتے آسکا تھیر سنخی رستے کی طرف
پھرا ہوا ہے اور اس لئے تیری راہ طلب میں خود باد یہی صحر اکو اپنا رہبر بنایا جا سکتا ہے کیونکہ
اسکا ہر ذرہ تیری طرف رہنمائی کرتا ہے۔

موتی

نکاح

نکاح

نکاح

ہر کوہست در برش - داغ تو رویش نول تاج پر گیر سے دہر - بازی بر اوری
کتاب ہے کہ جسکے پہلو میں دل ہے اسکے دل سے تیز داغ زویدگی کی طرح اگتا ہے، اور یہ اس لئے
کہ اگر وہ دل کسی اور سے لگائے تو تو اس محبت سے - کہ تیری نشانی اس پر موجود ہے - وہاں سے اپنی
جینے پنی دل واپس لے لے۔ داوری - جگر اٹھنا - اور محبت۔

ریشک ملک و چرا چوں بتورہ فی بد - بیدہ و دیو اسے قومی پرداز بکسری
یعنی ہم ملا کر کیوں ریشک کریں جیکہ وہ بھی بے فائدہ تیری تلاش میں پروا نہ کرتے پھرتے ہیں اور
تجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔

حیث کہ سن بنی تم - و تو سخن و د کہ تو - اشک بریدہ بشری، تلمذ بسینہ فکری
یعنی افسوس ہے کہ میں تو سخن میں پڑا ہوا لوٹوں اور تیری نسبت یہ کہا جائے کہ تو آتش انکھ کے اندر
گن لیتا ہے اور فریاد کو سینے کے اندر دیکھ لیتا ہے۔

کوثر اگر بن رسد خاک خرم ز بے ثنی - طوبی اگر ز من شود ہر کہ شرم ز بے بری
یعنی میری شرمی محبت کا یہ حال ہے کہ اگر کوثر بجھ کر ٹھجائے تو اس میں باقی نہ رہے اور مجھے اس کے
خاک کے سوا کچھ حاصل نہو اور اگر طوبی میری ملک ہو جائے تو وہ ایسا بے بر ہو جائے کہ اس کی
لکڑی ایندھن کے کام آئے۔

بینیم از گدا دل در جگر آتش چو سیل - غالب اگر دم سخن رہہ بغیر من پری
کتاب ہو کہ اگر شکر شکر کے وقت تو میری حالت درونی کو تو نے تو دل کو گدا سے ایک لاک کی رو جتی ہوئی جھکوا نظر
آئے۔ یہ اس جو شل اور اس آگ کا بیان ہے جو اہلی شاعروں کے دہیں شکر کرتے وقت بڑھتی رہتی ہے۔

مرزا کی غزلیات - جو مقدار میں چار ہزار بیت سے کچھ زیادہ ہیں، اور جن میں منتخب اور برگزیدہ شمار
ایک چوتھائی سے کم ہونگے۔ انہیں سے کسی قدر اشعار - جو سرسری نظریں صاف اور عمدہ معلوم ہوں
بطور نمونے کے یہاں نقل کر دئے گئے ہیں تاکہ جو لوگ فارسی شعر کا صحیح مذاق رکھتے ہیں - سگرا تا داغ
نہیں رکھتے کہ مرزا کے کلام کو اول سے آخر تک بغیر غور و دیکھیں - وہ مرزا کی غزل کا نمونہ دیکھ کر اس کا
اندازہ کر سکیں کہ مرزا کی غزل شعراے ایران کے کون سے طبقے کی غزل سے مناسبت رکھتی ہے؟ اور
انکی اور مرزا کی غزل میں کیا نسبت پائی جاتی ہے؟ اگرچہ نقصانے مقام یہ تھا کہ اس موقع پر مرزا کی
چند غزلوں کا موازنہ ان سب لوگوں کی غزل کے ساتھ کیا جاتا جنکی غزل پر مرزا نے اپنی غزل بلکہ اپنی
تمام شاعری کی بنیاد رکھی ہے، یعنی نظیری، عربی، منظوری، طالع، اسیر وغیرہ مگر چونکہ اس مختصر
میں زیادہ گنجائش نہیں، اور تیر عام طبائع کو اس قسم کی ترقیقات سے کچھ دل بستگی نہیں ہوتی
اس لئے یہاں مرزا کی صرف دو غزلوں کا مقابلہ نظیری اور منظوری کی غزلوں سے - کیا سوقت ان
دونوں کے دیوان ہمارے پاس موجود ہیں - کیا جاتا ہے۔

نظیری کی جو مشہور غزل پاختت اور بلاختت ہے مرزا صاحب نے بھی اس پر غزل
لکھی ہے۔ نظیری کی غزل نوبت کی ہے جس میں سے ایک شعر چھانیں گیا اور مرزا کی غزل نوبت
کی ہے۔ اس لئے مرزا کی غزل میں سے بھی اول صرف آٹھ بیتیں یہاں لجائی گئی تاکہ ٹھیک ٹھیک موازنہ
ہو سکے اور بعد ہوا دئے کے مرزا کے باقی اشعار بھی نقل کر دئے جائینگے۔

غالب

نظیری

نظر بغا ہر دیناد و رخا نختت - ہوا دئے کو دراز خضر اعدا نختت

اجل رسیدہ چہ داند بلا کجا خفتست بیدہ می سپرہاہ گرچہ با خفتست
 نظیری نے اس بات کو کہ عشق ایسے طور پر وقت پیدا ہو جاتا ہے جسکا سان گمان نہ نک
 نہیں ہوتا۔ ایک معمولی حالت کے پیرائے میں جو ہمیشہ صید اور مہیا دے باہم گذرتی رہتی
 ہے۔ بیان کیا ہے۔ نظیری کا بیان۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ بہت صاف اور سچل ہے۔ اور گویہ مطلع
 اسکے اعلیٰ درجے کے اشعار میں مسوب نہیں ہو سکتا۔ لیکن مرزا کے مطلع سے بہر حال بہتر ہے۔
 مرزا نے گویا اپنی ناگوار زندگی کا دشوار گزار مرحلہ خوشی خوشی طے کرنے کو اس تمثیل میں بیان
 کیا ہے کہ جس خطرناک وادی میں حضرت خضر بھی ٹھنڈے پٹجاتے ہیں یں وہاں سینے
 کے بل چلتا ہوں۔ مرزا کے اس مطلع پر ان کی زندگی میں ”عصا خفتست“ کے
 لفظ پر اعتراض ہوا تھا، مرزا نے جواب دیا کہ سعدی نے بھی تو کہا ہے ”وے بملہ اول
 عصا ہے پی خفتست“ مگر اس جواب کو لوگوں نے تسلیم نہیں کیا، کیونکہ شیخ کے ہاں اس قدر
 قرآن موجود ہیں کہ در عصا خفتن ”اسے جو معنی اُسے بطور استعارے کے مراد رکھتے ہیں
 ان کے سوا دوسرے معنی کی طرف خیال ہی نہیں جاتا۔ بخلاف مرزا کے شعر کے کہ جب تک
 یہ نہ بتایا جاسے کہ سعدی نے عصا خفتن کے یہ معنی لئے ہیں۔ تب تک اس سے یہ معنی
 مفہوم نہیں ہو سکتے۔

نظیری
 کجا ز عشوہ آں چشم نیم باز رویم
 دگر دایمی راہ و قرب کعبہ چرخ
 کہ فتنہ خاستہ از خواب پای خفتست
 مرا کو تا قدر ز قمار ماند پا خفتست

نظیری مشرق کی اس حالت کو جب کہ وہ سوتے سے اٹھا ہو، اور انگلیں کچھ کھلی اور
 کچھ بند ہی ہوں اور اپنا جی اسکے سامنے سے پرے ہٹنے کو چاہتا ہو۔ اس طرح ادا کرتا ہے
 کہ فتنہ اٹھ کھڑا ہو اسے، اور ہمارا پانوں سو گیا ہے، پس اسکی چشم نیم باز کے عشوے سے
 کیونکر رہائی ہوگی
 مرزا مسافر کی اس حسرت ناک حالت کو جب کہ راہ بے خطر اور منزل مقصود قریب ہو مگر مسافر
 میں نہ اسکی سواری میں آگے قدم اٹھانے کی طاقت ہو اس طرح بیان کرتے ہیں دگر دایمی
 راہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر مطلقاً ترجیح نہیں دی جاسکتی جو شفا
 مضامین کو پسند کرتے ہیں وہ ضرور نظیری کے شعر کو پسند کریں گے مگر اس لحاظ سے کہ مرزا کا بیان
 عاشق اور غیر عاشق سب کے حالات پر حاوی ہے اور ہر شخص جیسر ایسی حالت گذرے اسکا
 مصداق ہو سکتا ہے یقیناً نظیری کے شعر پر فوقیت رکھتا ہے۔

نظیری غالب
 کسے یہ تھلب بشیم ترکتا رہے آرد
 غمت بہر شبنم نمان بہ بنگہ خلیق
 کہ بر فراش قصب پای در خفتست
 غم نس بخا ز و شہد درم سر خفتست

نظیری کا شعر غمخ عاشقانہ ہے اور اس لحاظ سے کہ یہ مضمون اول اسکو سوجھا ہے مرزا
 کے شعر پر ترجیح دینے کے قابل ہے کہتا ہے کہ میر گھر پر آدمی رات گئے وہ شخص آکر ڈاکا
 داتا ہے جو رہتی بچہ نوں میں پانوں کو بھدی لگاتے پڑا سوتا ہے مطلب یہ کہ اسکا تصور
 اور اسکا خیال بغیر اسکے کہ اسکو اطلاع ہو رات کو آکر چھاتی پر سوار ہو جاتا ہے اور راحت

آرام بالکل برباد کر دیتا ہے۔

مرزا کہتے ہیں کہ تیرا غم شہزادوں کے گھروں پر تنجوں مار رہا ہے اور کو تو ال اپنے گھر میں اور بادشاہ مجلس ارس میں سے پڑے سوئے ہیں یہ سچ ہے کہ مرزا کے دل میں خیال نظیری کے شعر سے پیدا ہوا ہے مگر مرزا کی غیر معمولی آجک اور بلند پروازی کے ثبوت کے لئے صرف یہی اقتباس کافی ہے کہ تھوڑے سے فقرات سے نظیری کے مضمون کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ نیز مرزا کے بیان میں حقیقت و مجاز دونوں پہلو موجود ہیں اور نظیری کا بیان صرف مجازی معنی میں محدود ہے۔

نظیری

غالب

شیم سر باغ وفا نے آید - بیس ز دور و مجو قرب شہر کہ منظر
بہر چین کہ تو بنگشت صبا - در بچ بازو بہ روز ازہ آرد خفتست

اگرچہ مال دونو شعروں کا واحد ہے، مگر دونوں کے بیان کا عالم الگ الگ ہے۔ نظیری اس طرح بیان کرتا ہے کہ وفا کے حقیقی کے باغ سے مہر و التفات کی خوشبو نہیں آتی، گویا جس چین میں وہ پھول (یعنی مشوق حقیقی) کھلا ہوا ہے وہاں کی صبا پڑی سوتی ہے یعنی اُسکو اتنا ہزار مطلق نہیں ہے جس سے اُس چین کی خوشبو عالم میں پھیلے۔

مرزا یوں کہتے ہیں کہ آثار و افعال کے ذریعے سے اُسکو دُور ہی سے دیکھ لو، اور تر شاہ یعنی ذاتِ بحث کی تلاش مت کرو، کیونکہ اگرچہ جھڑک کے پت کھلے ہوئے ہیں، یعنی اُسکے آثار و افعال سب پر ظاہر ہیں، مگر اندر کوئی نہیں جانے پاتا، کیونکہ عین دروازے پر اڑھتا ہوا ہے۔

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ مال دونو کا یہ ہے کہ معرفت ذات محالات سے ہے، مگر ہمارے نزدیک مرزا کا بیان نظیری کے بیان سے زیادہ بلند و دلکش واقع ہوا ہے۔

نظیری

غالب

طیب عشق بہر طبع زیار - بصر حشر چنیں خستہ روسیہ خیزد
کشت احت ازین دے خفتست - کہ در شکایت درد و غم دوا خفتست

نظیری کہتا ہے کہ مرضِ عشق کا طیب اُس بیمار کے علاج سے مایوس ہو جاتا ہے، کچھ رات کو اس در دے دوا یعنی عشق کی بچہنی سے آرام کے ساتھ سو گیا ہو، گویا مرض کی علامت محمودی ہے کہ اُسکو کبھی راحت نصیب نہو، مگر شعراے متفوقین کے حصول کے موافق نظیری کے بیان میں یہ خلل تھا کہ وہ راحت کو ردی علامت بتاتا ہے؛ حالانکہ عاشق صادق کی علامت یہی ہے کہ اُسکو دوست کی راہ میں درد اور تکلیف کبھی محسوس ہی نہو، بلکہ ہر ایک درد اور تکلیف عینِ راحت معلوم ہو۔ پس نظیری کے بیان سے گویا یہ لازم آتا تھا کہ عاشق صادق وہی ہے جو ہمیشہ بچہنی اور بیکاری میں بسر کرے، اور جب ایسا ہوگا تو کبھی کبھی شکایت بھی اُسکی زبان سے نکلے گی۔

مرزا نے اسی لئے اس مضمون کو اُلٹ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ بیمار حشر کے دن سیاہ اٹھے جو درد و دل کی شکایت اور دوا کی تلاش کرتا ہوا سویا ہے۔

نظیری

غالب

کس از معافہ روز وصل یا بد ذوق - درازی شب بیداری بن ایندہ نیست

کہ چند شب ہم آغوش خود خفتست ز بخت من خبر آید تا کجا خفتست
 نظیری کا شعر صاف ہے۔ کس۔ اُن کس کی جگہ لایا ہے۔ معافہ روز وصل۔ وہ معافہ جو
 وصل کے دن عاشق و مشوق میں واقع ہو۔ شعر کا مضمون معمولی ہے، مگر الفاظ نے
 جان ڈال دی ہے۔
 مرزا کہتے ہیں کہ شب ہجر کی دوازی اور میری بیداری کا کیا خیال کرتے ہو یا یہ تو کچھ بھی
 بات نہیں۔ اُن یہ تلاش کرو کہ میرا نصیب کہاں پڑا سوتا ہے؛ کیونکہ رات کی دوازی
 اور میری بیداری، اور ایسی ایسی اور سیکڑوں مہبتیں سب اُسی کے سوجانے سے پیدا
 ہوئی ہیں۔ محاکمہ دونوں یہ ہے کہ نظیری کا شعر زیادہ نیچرل اور حالی ہے۔ اور مرزا کے
 شعر میں شاعرانہ لطافت اور خوبی نظیری کے شعر سے زیادہ ہے اور کوئی بات اُس میں
 اُن نیچرل بھی نہیں ہے۔

نظیری غالب

شب بید باز و در عیدے گذرد بدیں نیاز کہ باقت نازی رندم
 کہ آتشا بہ تماشے آتشا خفتست گدا بہ سایہ دیوار پاؤں خفتست
 نظیری کا شعر اسکی تمام غزل میں بیت انزل ہے بلا اس کے سارے دیوان کے اُن
 ۲۰۰۰ شعر وں میں سے ایک شعر ہے جو اسانہ نے اسکی غزلیات میں سے انتخاب
 کئے ہیں۔
 مرزا کا شعر کو نظیری کے شعر کی برابری نہیں کر سکتا۔ گرا یہ بلند شعر پر یہ شعر کا نام نہ رکھی

کام تھا تشبیہ نہایت بلیغ اور دل نشین واقع ہوئی ہے۔ یعنی مجھ جیسے اونٹے درجے کے
 آدمی کو جو تیری جناب میں نیاز ہے اُس پر مجھ کو ایسا ہی ناز ہے جیسا اُس فقیر کو نہا چاہئے
 جو بادشاہی محل کی دیوار کے سائے میں پڑا ہو۔

نظیری

فسانہ صرف نظیری کن کہ خواب کند بخواب چون خم آسودہ دل غالب
 شکستہ کہ بعد درد مبتلا خفتست کشتہ غرقہ غول خفتست تا خفتست
 نظیری کے شعر کا یہ مطلب ہے کہ نظیری کو فسانہ اس لئے سنا ناقصول ہے کہ ایک کشتہ
 کو کشتہ آدمی (نظیری) جو طرح طرح کی تکلیف میں مبتلا ہو کر پڑ رہا ہے۔ وہ سو رہے گا۔
 مرزا کے شعر کا حاصل یہ ہے کہ اگر میں سو بھی جاؤں تو اسے غالب! مجھ کو اپنی طرح
 آسودہ اور خوشحال نہ سمجھنا؛ کیونکہ مجھ پر (یعنی میں) جب سویا ہوں تو خون میں ڈوبا
 ہوا سویا ہوں۔ پس ایسے شخص کو جاگتے یا سوتے کیا راحت نصیب ہو سکتی ہے۔
 یہاں تک دو توغزلوں میں سے صرف آٹھ آٹھ شعر ہم نے نقل کئے ہیں اور مرزا
 کے آٹھ شعر وہ لکھے ہیں جو کسی نہ کسی قدر نظیری کے اشعار سے لفظی یا معنوی
 مناسبت رکھتے تھے۔ اب مرزا کے باقی اشعار جو نظیری کی غزل سے تہہ اوہیں
 زیادہ ہیں لکھتے ہیں۔

خروش حلقہ زردان نازیں سپست کہ سر زانوے زاہد بر بوریا خفتست
 ہوا خافت و شب تار و بحر طواف خیز گشتہ لنگر کشتی و ماخذ خفتست

دلم بسجود و سجاده و دروازہ کدو و مرطوب و بار بار سخت
 براہ حق بن ہر کہ بنگرد اند کہ میر قافلہ در کارواں سر حقست
 پہلا شعر محض رندانہ ہے اور زبان کی گرمی اور شوقی کے سوا اور کوئی معنوی لطافت نہیں لکھا
 اس کے بعد کے تینوں شعر ہم ستنے کی روایت کے انتخابی اشعار میں سے ہر ایک کی شرح کے بلکہ آئے
 ہیں انیس سے پہلا شعر ہمارے نزدیک مرزا کی تمام غزل میں بیت افضل ہے اور پچھلے
 دو نو شعر بھی نظیری کے غزل کے عام اشعار سے کسی طرح رتبے میں کم نہیں ہیں پس اگر
 نظیری کا بیت ادب کیا جائے تو ہم اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے کہ دو نو غزلوں کو سادی درجے
 میں رکھیں ورنہ انصاف یہ ہے کہ بیات مجموعی کے لحاظ سے مرزا کی غزل نظیری کی غزل سے
 یقیناً بڑھ گئی ہے لیکن ایک آدھ غزل میں نظیری سے سبقت بجانے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مرزا
 کی غزل کو مطلقاً نظیری کی غزل پر ترجیح دی جائے نظیری وہ شخص ہے جس کی نسبت
 مرزا صاحب کہتے ہیں۔

”صائب چہ جمال ست شوی بچو نظیری“ عربی بہ نظیری زسانید سخن را“
 اور مرزا جلال اسیر کہتے ہیں۔

”بچہ نشی نظیری حد بشر نباشد“

اور شیخ ابوالفضل آئین الکریم میں اس کی نسبت لکھتے ہیں ”دوسے از ترنگاہ معنی بردی کشودہ انما“
 پس ہماری غرض مذکورہ بالا غزلوں کے مقابلہ کرنے سے صرف اس قدر کہ مرزا نے غزل میں
 نظیری کے تتبع کو جس درجے تک پہنچایا تھا اس سے لوگ اچھی طرح مطلع ہو جائیں ورنہ اس کی بڑائی

اور جس قدر غزلیں مرزا نے نظیری کی غزلوں پر لکھی ہیں ان میں شاید ہی کوئی غزل ایسی ہوگی جس
 نظیری کی غزل کا پامر مرزا کی غزل سے غالب نہ ہو کیونکہ اکثر پچھلے شعرا انگلوں کی انہیں غزلوں پر
 طبع آزمائی کرتے ہیں جو ان کے سارے دیوان میں چیدہ و برگزیدہ اور منتخب ہوتی ہیں پس ایسی غزل
 میں انگلوں سے پچھلوں کا سبقت بجانا کچھ ہنسی کیل نہیں ہے۔

اب ہم مرزا کی ایک غزل کا موازنہ ظہوری کی غزل کے ساتھ کرتے ہیں کہ یہ دو نو غزلیں
 شیخ سعدی کی اس غزل پر لکھی گئی ہیں

”شب فراق چہ داند کہ تا سرخ چہ دست“ مگر کسیکہ بزدان عشق در بند است“

اگرچہ مرزا نے ظہوری کی غزلوں پر بہت کم غزلیں لکھی ہیں مگر چونکہ وہ اپنے تئیں ظہوری کا
 مستحق ظاہر کرتے ہیں اس لئے اس کی ایک غزل کے ساتھ بھی مرزا کی غزل کا موازنہ کرنا ضرور تھا
 ظہوری کا دیوان جو ہمارے پاس موجود ہے اس میں ”یا تو کاہنوں کی تصحیف سے“ اور ”یا نو ظہوری
 کی حیدر بیانی کے سبب“ اکثر اشعار کے معنی سمجھ میں نہیں آتے بہت مشکل سے صرف ایک غزل
 ایسی نکلی ہے جس کے ہر ایک شعر کے کچھ نہ کچھ معنی اپنی سمجھ کے موافق لگائے گئے ہیں اور اسکے تمام
 اشعار کا مقابلہ بعض اصحاب کی معرفت دوسرے صحیح نسخہ سے بھی کر لیا گیا ہے اس لئے وہی غزل
 موازنہ کے لئے انتخاب کی گئی ہے اور چونکہ وہ شیخ کی غزل پر لکھی گئی ہے اس واسطے خیال
 کیا گیا ہے کہ ظہوری نے ہمیں اپنی پوری طاقت صرف کی ہوگی ایک اور وجہ اس غزل کی تشہیں
 کی یہ ہے کہ مرزا نے اپنی تمام غزل میں ایک شعر کے سوا تمام اشعار میں وہی خانیہ باندھے ہیں جو
 ظہوری کے ہاں بندھے ہوئے تھے اور نیزہ دو نو غزلیں بیات کی تعداد کے لحاظ سے بھی برابر یعنی

یعنی دل و دل بیت کی ہیں۔

ظہوری

غالب

چو صبح من ز سیاہی شام مانند

بشق قابل دیوانگی خردمندست

چکویم کہ ز شب چند رفت یا چند

بیزر جملہ کہ آزاد مرداں بندست

ظہوری کہتا ہے کہ عشق میں جو شخص دیوانگی کی قابلیت رکھتا ہے اسی کو خردمند سمجھنا چاہئے پس چاہئے کہ تو سب سے قطع تعلق کر دے؛ کیونکہ جو شخص تعلقات سے آزاد ہے وہی بند عشق کا درد (یعنی اس کے لائق) ہے۔

مرزا کہتے ہیں کہ جبکہ میری صبح تاریکی کے سبب شام سے شبابہ ہے تو مجھے یہ کیا پوچھتے ہو کہ رات کتنی گزری یا کتنی باقی ہے؟ مطلب یہ کہ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک میرے دل پر رات پر تاریکی ہی تاریکی چھائی رہتی ہے؛ پس مجھے کیا خبر ہے کہ کتنی رات گزری اور کتنی باقی ہے؟ ظہوری کے شعر میں اس کے سوا کچھ جدت نہیں ہے کہ اسنے اپنی عادت کے موافق ہمیں بھی صنعت قرار کا التزام کیا ہے یعنی دیوانگی پر خردمندی کا اخلاق کیا ہے اور آزاد پر قید کا (مرزا نے ایک معمولی خیال میں جدت پیدا کی ہے اور نہایت صفائی سے مطلب ادا کیا ہے۔

ظہوری

غالب

نکاہ میر بدل سرزادہ چشمہ نوش

بہ شکر دیدہ تر تر زبانے دارم

ہنوز عیش بازادہ شکر خندست

کہ ز ہر گریہ طرزد وہ شکر خندست

ظہوری کہتا ہے کہ میں دیدہ تر کے شکر میں تر زبان اور طرب اللسان ہوں؛ کیونکہ گریہ کا زہر

مشتوق کے شکر خند کو طراوت دیتا ہے یعنی ہمارے رونے پر اسکو بے اختیار ہنسی آتی ہے) گو یا ہمارے آنسو خندہ مشتوق کی جڑ کو تر و تازہ رکھتے ہیں۔ مرزا کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ مشتوق کو بظاہر ہے ہنسی خوشی کے ساتھ ملتا ہے مگر کوئی دلی محبت کی بات اب تک ظہور میں نہیں آئی جس سے ہمارا دل باغ باغ ہو جائے۔ اس مطلب کو اس طرح ادا کیا ہے کہ ابھی تک اسکی نگاہ مہر محبت نے لذت و حلاوت کی سورت ہمارے دل میں جاری نہیں کی؛ بلکہ ہم صرف اس کے ظاہری شکر خند پر فریفتہ ہو رہے ہیں۔

ظہوری کے اس دلی لفظی مناسبیتیں جیسے دیدہ تر اور تر زبانی یا زہر گریہ اور شکر خند پر نسبت مرزا کے زیادہ ہیں مگر مرزا کا شعور اس سے زیادہ بلیغ و پیرل اور عاشقانہ ہے۔

ظہوری

غالب

نہ گفتہ کہ بہ تلخی باز و پند پذیر

مگر کہ ز خست بے طاقتی شود مرهم

برو کہ بادہ تلخ ترازیں پندست

کہ گوش دل شد گاہ زین گشتہ پندست

ظہوری کہتا ہے کہ دل شد گاہ (یعنی ہم عاشقوں) کے کان ناصح کی نصیحتوں سے زخمی ہو گئے ہیں؛ اُن کے اس زخم کا مرہم ہی ہو سکتا ہے کہ انکو بے طاقتی (یعنی بے حوصلگی اور عدم تحمل) کی اجازت دی جائے تاکہ وہ ناصح سے گلچپ ہو کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔

مرزا ناصح سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اسے ناصح! تو نے یہی نہیں کہا کہ تلخی (یعنی ہمارے نصیحت) سے موافقت کر لے؛ اور ہمارا کتنا مان لے۔ جا! اپنا رستہ لے؛ ہماری شراباں نصیحت سے زیادہ تلخ ہے؛ پس ہمکو تیری نصیحت کی تلخی سے آشتی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قافیہ بجا

جیسا کہ ظاہر ہے۔ مرزا کے ہاں بہ نسبت ظہوری کے زیادہ گرم بندھا ہے۔

ظہوری غالب
چرخم کہ عہد گسل دارد کشا کش ناز
در از دوستی من چاک ارنگند حبیب
کہ ہر گشتی صد ہزار پیوندست
ز پیش۔ دلق فرج باہر از پیوست

ظہوری کہتا ہے کہ اگر ناز و غمر سے کی کشا کش تجھے عہد گسل کراتی رہتی ہے تو کچھ انوس کی بات نہیں؛ کیونکہ ہر گشتی (یعنی ہر عہد گسل) لاکھ پیوند کا حکم رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ جس قدر تو عہد توڑتا ہے اسی قدر پیوند عشق زیادہ مستحکم ہوتا جاتا ہے۔

مرزا کہتے ہیں کہ اگر میری دمازدوستی اور یہ بالی درہم شربی نے دلق فرج و تقویٰ کو کسی قدر بچا ڈالا ہے تو میرا چندان تصور نہیں ہے؛ کیونکہ تمہیں تو پہلے ہی سے ہزاروں پیوند لگ چلے آتے ہیں۔ یعنی خود اہل فرج و تقویٰ ہی اسکی دھجیاں اڑا چکے ہیں؛ مگر ریاکاری سے پیوند لگا لگا کر اسکا عیب ڈھانکتے رہتے ہیں۔ ظہوری کے شعور میں عشق و محبت کے ایک دقیق مسائل کی طرف اشارہ ہے۔ جو عشاق پر ہمیشہ گذرتا ہے۔ اور صنعت نضاد کا التزام نہیں چھوڑا، کہ گیسختن پر اس کے ضد حقیقی یعنی پیوند کا اطلاق کیا ہے۔؛ وجودیکہ ظہوری کے ہاں یہ قافیہ نہایت عمدگی سے بندھا تھا۔ مرزا نے بھی اس قافیہ کے باندھنے میں کچھ کمزوری نہیں دی؛ یہاں تک کہ ظہوری کے شعر کو شکل سے اس پر ترجیح دیا سکتی ہے۔

ظہوری غالب

بگو حدیث وفا تو با دوست بگو
ز بیم آنکہ مبادا بمیرم از شادی
شوم فداے دروغی کہ راست نند
نہ گوید ارچہ برگ من آرد و نند

مرزا نے ماترہ کا قافیہ مطلع کے سوا پھر کسی شعر میں نہیں باندھا۔ اور ظہوری کے ہاں آرزو مند کا قافیہ کہیں نہیں بندھا۔ اس لئے یہ دونو مختلف القوافی میں ایک جگہ لکھ گئی ہیں یعنی دونو کے ظاہر ہیں۔ ظہوری کا شعر بہت صاف اور لطیف اور مرزا کے شعر سے زیادہ نچرل ہے۔ مرزا نے مضمون میں جدت تو پیدا کی ہے مگر۔ یہ سنکر کہ معشوق ہمارے مرزا کا آرزو مند ہے غرضی سے مرعانا۔ واقع کے بالکل خلاف ہے۔

ظہوری غالب
ز اہل مہر و محبت نشان ارم کس
وجود ادھمست و ہستیم ہمہ عشق
بہر خورشید میری تو سو گندست
بہجت دشمن و اقبال و سو گندست

ظہوری کا شعر صاف ہے۔ اول دعوے کرتا ہے کہ مہر و محبت کا دنیا میں کہیں وجود نہیں؛ اور اس دعوے پر اپنی محبت اور معشوق کی بے مہری کی قسم کھاتا ہے جسکی خوبی اور لطافت ظاہر ہے۔ مرزا کا دعوے یہ ہے کہ معشوق کا وجود سراپا حسن و جمال ہے؛ اور میری ہستی سراسر عشق و محبت ہے۔ اور اس دعوے پر رقیب کے نصیب کی اور معشوق کے اقبال کی قسم کھاتا ہے جس میں ظہوری کی قسم سے زیادہ لطافت اور نزاکت پائی جاتی ہے۔ رقیب کے نصیب کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ جو سراپا حسن و جمال ہے وہ بالکل اسی کے جیسے میں آگیا ہے۔ اور معشوق کے اقبال کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ کچھ جیسا شخص اسکے سودا میں عشق و محبت کا پتلا بگیا ہے۔

اسکے سوا لفظی مناسبتیں جیسے حسن و عشق، وجود و ہستی، دشمن و دوست، اور بخت و اقبال یا تمام شعر کا مناسب اجزائیں تقسیم ہونا۔ اسے شعر کو بیت بلند کر دیا ہے۔

ظہوری

غالب

زہر دان تو منزل شمار کہ شمر دو شمار کج روی دوست در نظر دارم
غم از کسے کہ نیک اندازند ہش چہ دست دریں نور دنا ہم کا آسمان چہ دست
ظہوری کہتا ہے کہ تیری راہ میں جو شخص منزلیں گنتا ہے، اور یہ خیال رکھتا ہے کہ کتنا راستے
ٹے ہوا اور کتنا باقی ہے۔ اسکو تیرے رہروں میں کون شمار کرتا ہے؟ پھر کہتا ہے کہ دو غم از
کسی ست، یعنی غم مشوق اس شخص کا حد ہے جسکو اپنے غم کی کمی یا زیادتی کا مطلق شوق نہیں۔
مرزا کہتے ہیں کہ میرے خیال میں دوست کی کج روی کا قصور ایسا جما ہوا ہے کہ مجھے یہ خبر نہیں کہ
اس نور و ہستی کج روی میں آسمان کی کس قدر شرکت ہے۔ مرزا کا بیان کسی قدر ظہوری کے
بیان سے صاف ہے مگر مضمون کے لحاظ سے دونوں شعروں میں کچھ لطافت یا خوبی معلوم نہیں ہوتی۔

ظہوری

غالب

شو گشتہ بایام گرچہ زنجیر ست برنج از پے رحمت نگاہ شدہ اند
اسیر آنکہ تبارنگاہ در بند ست زحمت است کہ پای شکستہ در بند
ظہوری کہتا ہے کہ ایک مدت کے بعد لوہے کی بیڑی بھی کٹ جاتی ہے اور قیدی رہا ہو جاتا ہے
پس در حقیقت قیدی ذہنی ہے جو تبارنگاہ مشوق میں الجھا ہوا ہے جسکو اس قید سے کبھی ہٹا نہیں
مرزا کہتے ہیں کہ یہاں تکلیف میں اس لئے رکھا جاتا ہے کہ راحت حاصل ہو۔ اور اسکی مثال یہ ہے

کہ پاشنگتہ آدمی کو جو چلنے پھرنے نہیں دیتے، اور جیت تک ہڈی بھرنے جائے مقید رکھتے ہیں۔ اس کے
مطلب یہی ہوتا ہے کہ آخر کار اسکو راحت حاصل ہو۔ ظہوری کے شعر میں کسی قدر جدت ہے مگر
شعر کی بندش سست اور ڈھیلی ہے مرزا کے ہاں مضمون میں کچھ ایسی جدت نہیں ہے کہ یہاں
نہایت چست اور ٹھیک ٹھاک ہے۔

ظہوری

غالب

ز بند گاہاں فسرد آرزو خدا نکند اگر نہ بہرمن - از بہر خود غزیم دار
ہمیں بس ست کہ باندہ او خداوند کہ بندہ - خوبی او خوبی خداوند
ظہوری کے شعر میں "خدا نکند" یا تو محض حشو ہے، اور یا اس کے بعد کچھ عبارت تقدیر ہے یعنی "خدا
نکند" کہ آرزو دیکھیں، باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔

ظہوری

غالب

اسیر عشق - ظہوری نشانہ دارد نہاں بود کہ وفا خواہ از جہاں غالب
نشانہ اینکہ بیدار دوست خرسند بریں کہ پرسد و گویند ہست خرسند
ظہوری کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ اسیر عشق کی یہ پہچان ہے کہ وہ دوست کے ظلم سے خوش رہتا ہے
مرزا کے شعر کا یہ مطلب ہے کہ یہ مقصود وفا کی تلاش سے یہ نہیں ہے کہ میں اہل دنیا سے وفا کا طالب
ہوں بلکہ میں اسی میں خوش ہوں کہ میں پوچھوں کہ دنیا میں وفا ہے؟ اور لوگ اسکے جواب میں
کہیں کہ ہاں ہے۔ دونوں قطع ہوا میں مرزا کا بیان پانکپس سے خالی نہیں۔

ہنے دونو شعروں کی غزلوں کی شرح بخوبی کر دی ہے، مگر زیادہ مکثہ چینی کرنا غیر ضروری سمجھا ہے اور دونو غزلوں میں محاکم کرنا بھی ناظرین کی رائے پر چھوڑ دیا ہے۔ وہ خود بشرطیکہ فارسی شعر کا صحیح مذاق رکھتے ہونگے۔ اس بات کا اندازہ کر لینگے کہ دونو غزلوں میں کیا نسبت ہے۔

رباعیات

مرزا کی رباعیاں تعداد میں قریب سو اسی کے ہیں جنہیں سے اکثر شوخی و بیباکی، باد و ناری، فخر و مباہلات، اور شکایت و زاری نامی کے مضامین مشتمل ہیں۔ اور کسی قدر متعصبانانہ، اور چند خاص خاص مضامین پر ہیں۔ مختصات میں ظاہر عریضام کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ مرزا کی رباعی میں نسبت عام غزلیات کے زیادہ صفائی و نیکوئی اور گرمی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ان میں سے کسی قدر رباعیاں بطور نمونہ کے یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ اور جہاں ضرورت ہوگی رباعی کے ساتھ اسکی شرح بھی کر دی جائیگی۔

۱ غالب ہرگز دودہ زاد ششم
چوں رفت سپیدی ز دم چک شہر

گرو گوہر اصل۔ دودہ۔ نسل و خاندان۔ زاد ششم فینگ کے باپ اور تورابن فریدوں کے بیٹے کا نام ہے۔ جبکی نسل میں مرزا اپنے تئیں بتاتے ہیں۔ دم تیغ۔ تلوار کی دھار۔ دم یعنی میر کا نام سپہبدی۔ سلطنت و سپہ سالاری۔ نیا۔ واد۔ نیا گاہ جمع۔ کتاب ہے کہ جب سپہبدی ہماری قوم سے رخصت ہو گئی تو میں نے شکر کشتا اختیار کر لیا، گویا بزرگوں کا ڈھابہ تیر میرا قلم بن گیا۔

۲ شہرست کہ بہر ضبط آداب در سوم
خیزد لب دلا زبانی امام معصوم

ذالجام چہ گوئی بہ علی باز گرے
یہ رباعی مرزا کے تفضیلی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ تشبیح پر، کیونکہ خلفائے ثلثہ پر بخوبی اطلاع حضرات شیعہ نہیں کر سکتے۔

۳ راہیت ز عجب تا حصول باشد
این کوثر و طوبے کہ نشانہ دارد

کتاب ہے کہ بندے سے خدا کی حضور تک ایک راہ ہے، خواہ اسکو دراز سمجھو خواہ کوتاہ سمجھو۔ اور یہ جو کوثر و طوبے ہیں جنہیں اسکی راہ کے کچھ کچھ نشان پائے جاتے ہیں۔ یہ ایسے ہیں جیسے آثار راہ میں چشمہ اور سایہ آجاتا ہے۔

۴ آن مرد کو زن گرفت و انا بنود
دارد بجاں خانہ وزن نیست درو

تیسرے مصرع میں دارد کا فاعل خدا ہے جبکہ نام چوتھے مصرع میں لیا ہے خانہ سے مراد خانہ کعبہ ہے باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔

۵ بادست غم آن باد کو حال ببرد
بگذر اشتہام مخی ز صہبا بہ سپر

کتاب ہے کہ غم ایک ہوا ہے۔ ایسی ہوا کہ تمام خرم کو اڑا لیجائے، اور دانا اور نادان کی آبرو کو بہا لے جائے، اسی لئے میں بیٹے کے لئے ایک شراب کا سٹکا چھوڑ چلا ہوں، تاکہ باپ کے رنے کا غم اسکے دل سے دھو دے۔

۶ اے آنکہ براہ کبیر دے داری لازم کہ گزیدہ آرزوئے داری
نیں گوئے کہ تندے خرامی - دایم درخانہ دین ستیزہ خوئے داری
کعبہ جانے دانے سے کتاب ہے کہ تیرا راہ تو بہت عمدہ ہے؛ مگر تو جو ایسا بھاگا جاتا ہے میں
بجھتا ہوں کہ تیرے گھر میں بدفرج عورت ہے جسکے سبب سے کعبہ جانے میں اسقدر جلدی ہے۔

۷ شاہاہر چنبد وایہ جو آمدہ ام دانی کہ چہ پایہ نغیر گو آمدہ ام
رنگم کہ ہسار راہ رو آمدہ ام آہم کہ محیط راہ جو آمدہ ام
۸ زانجا کہ دلم بوہسم در بند بود باہج علاوہ سخت پیوند بود
مقصود من از کعبہ و آہنگ سندر جز ترک دیار زن و فرزند بود

یعنی چونکہ میں دم میں جو نسبت کو بہت کی صورت میں دکھاتا ہے۔ مگر قاری تھا، اسی لئے
کعبہ کے عزم سفر سے میرا مقصد زن و فرزند کا ملک چھوڑ دینے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

۹ اے جام شراب شاد کامی زوہ در جو دم از بلسد نامی زوہ
یاد آر زن چو بیستی اندر ہے تنہا روستہ حرامی زوہ

حرامی - قراق - حرامی زوہ قراقوں کا ٹوٹا ہوا اس شو میں مشوق کی طرف خطاب کیا
ہے اور اپنی حالت کو اس مسافر کے مشابہ بتایا ہے جو تنہا ہو، مروج ہو، اور قراقوں نے اسے
ٹوٹ لیا ہو، گویا مشوق کو قراق ٹھیرایا ہے۔

۱۰ اے آنکہ ترا سخی برمان سنست منم مکن از بادہ کہ نقصان سنست
حیف ست کہ بعد من میراث رود ایس یک دوسہ تخم کہ درستان سنست

طیب کی طرف خطاب ہے کہ مجھے بیماری میں شراب سے کیوں منع کرتا ہے؛ اگر میں گیا
تو غضب ہو جائیگا، کہ یہ رکھنے دو تین ٹکے میرے کام تو نہ آئیں گے، میرے وارث کو بیچ جائیں گے۔

۱۱ آہم کہ بہ پیادہ من ساقی دہر ریزد ہمہ درد و تلخ آہ زہر
بگذر ز سعادت و خوش - کدرا ناہید بہ غمہ گشت، و مرغ بقہر
ناہید یعنی زہر کو سعد اور مرغ کو غم قرار دیا گیا ہے۔ کتاب ہے کہ سعادت و خوش کے
خیال کو جانے دو؛ میرے حق میں تو سعد و غم کے سارے غم ہو گئے؛ کہ زہر
نے مجھے غم سے قتل کیا اور مرغ نے قہر سے۔

۱۲ شہرشت کہ روی دل خراشم ہمہ عمر خوانا بہ برنج ز دیدہ پاشتم ہمہ عمر
کا فر پاشتم اگر برگ تمون چوں کعبہ سیہ پوش بناشم ہمہ عمر
۱۳ غالب روشن مردم آزاد جدت ز قہار اسیران رہ و زاد جدت
ما ترک مراد را ارم می دایم واں با غمہ ضبطی شداد جدت

یعنی آزاد لوگوں کی اور روشن ہے، اور جو لوگ توشہ اور رسم و راہ کے گرفتار ہیں انکا آدم
ڈھنگ ہے۔ ہم کہ آزاد لوگ ہیں ہمارے نزدیک ترک مراد کا نام ارم ہے؛ اور وہ ارم جس
شہاد و محروم رکھا گیا دم ہمارے ارم سے الگ ہے۔

۱۴ ایس ناہد کہ راحت دل منش آورد سرمایہ آبرو سے درویش آورد
درہرین نمود بد جانے - یعنی سامان نثار خویش با خویش آورد
۱۵ منصور غمش ز کتہ پیناں بود در است خطر ہمتیناں چہ بود

چون عاقبت یگانہ بنیاں داست در یاب کہ انجام دو بنیاں چہ بود
کتاب ہے کہ اگر منظور کو لوگ کہیں کہ سولی پر چڑھایا گیا اور ذلت سے مارا گیا تو منظور کو اسکی
کچھ پروا نہیں مگر تم دیکھو کہ جب منظور جیسے یگانہ بین لوگوں کا انجام وار ہے تو دو بینوں کا انجام
کیا ہونے والا ہے۔

۱۶ ہر کس نہ حقیقت خبرے داشتہ است برخاک رہ عجز سرے داشتہ است
زاہد ز خدا رم بدعوے طلبید شداد ہمانا پرے داشتہ است

کتاب ہے کہ جو شخص اپنی یا انسان کی حقیقت سے واقف ہوتا ہے اسکو عاجزی کرنے کے
سوا کچھ بن نہیں آتی۔ پس زاہد جو خدا سے ارم بدعوے کے ساتھ طلب کرتا ہے اس سے
معلوم ہوا کہ شداد نے بیٹا اپنا وارث چھوڑا تھا۔ کیونکہ اول تو ارم جو کہ مرگہ شداد ہے اسکا
دعوے کرنا، اور پھر خدا کے سامنے اس کے مانگنے میں ہیکڑی کرنی، یہ دونو باتیں اس بات کی
دلیل ہیں کہ شداد نے اپنا وارث حقیقی چھوڑا تھا۔

۱۷ غالب بہمن گرچہ کست ہم نیست از نشہ ہوش سچت اندر نیست
کے خواہی و مفت و فقر و آگہ سیاہا! ایں بادہ فروش ساقی کوثر نیست

کتاب ہے کہ اسے غالب اگرچہ شاعری میں کوئی تیرا ہمسر نہیں، مگر عقل کا نشہ تیرے دماغ میں لگ
نہیں، مشراب چاہتا ہے، وہ بھی مفت، اور وہ بھی عمدہ، اور پھر کثرت سے!!! یہ بادہ فروش
ہے، ساقی کوثر نہیں کہ تیری سب خواہیں پوری کر دیگا۔

۱۸ گردیدن زاہدان محبت گستاخ دیں دست وازی بہ تر شاخ شاخ

چوں نیک نظر کنی ز بر وے نشیہ ماند بہ بہائم و غفلت زار فرخ
یعنی زاہدوں کا بہشت میں بیباک پھرنا، اور جا بجا شنیوں پر پھیلوں کے لئے ہاتھ مارنا،
اگر غور کر کے دیکھو تو اسکی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک وسیع چراگاہ ہے اور اس میں ڈھور
ڈانگر چرتے پھرتے ہیں۔

۱۹ اُس را کہ بود در ستے در فرجام ہم محرم خاص آید وہم مرجع عام
آساں بود کشاکش پاس قبول ز نمار نہ گروی بہ نکوئی بدنام

فرجام۔ انجام اور نکوئی انجام اور رنگ در وفاق کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں رنگ در وفاق یعنی شہر
و ناموری مراد ہے۔ کتاب ہے کہ جبکی شہرت صحیح اور سچی ہوتی ہے وہ ضرور ہے کہ خواص کا
محرم اور عوام کا مرجع واقع ہو۔ مگر پاس قبول کی کشاکش یعنی ہر موقع پر اس بات کا خیال
رکھنا کہ قبولیت میں فرق نہ آئے۔ نہایت سخت چیز ہے۔ پس ہرگز نیکی کے ساتھ بدنام یعنی
شہور ہونا نہیں چاہئے۔ اس موقع پر بچاے مشہور کے بدنام کا لفظ نہایت لطیف واقع ہوا ہے
جس سے ساری رباعی میں جان پڑ گئی ہے۔

۲۰ در عالم بے زدی کہ نخست حیات طاعت نتواں کرد با تمید نجات
اے کاش ز حق اشارت صمیم و صلوة بودے بوجود مالچ جس حج ذرۃ

کتاب ہے کہ بے مقدوری کی حالت میں جبکہ زندگی تلخ ہوتی ہے نجات کی امید پر طاعت
نہیں ہو سکتی کاش ایسا ہوتا کہ جس طرح حج اور زکوٰۃ میں استطاعت اور قبول شرط ہے روزہ
اور نماز میں بھی یہی شرط ہوتی۔

خلاف

نہیں

نہنی

نہنی

نہنی

۲۱ ہر چند زمانہ مجمع جہاں است در جہل نہ حال شاں بیکہ ازل
کون ہمہ لیک از یکے تا دیگرے فرق خرمیسی و خرد قبال است
کتاب ہے کہ اگرچہ زمانے میں جہاں جاہل جہے ہوئے ہیں، مگر جہل میں انکا حال تفاوت
و مختلف ہے۔ کون تو سب ہیں۔ مگر ایک دوسرے میں ایسا فرق ہے جیسا خرمیسی اور
خرد قبال میں۔

۲۲ تائیکش و جوہر دو غنڈہ داریم شان دگر و شوکت دیگر داریم
در سیکرہ پریم کہ تیکش از است در مسر کہ تنغیم کہ جوہر داریم
یہ رباعی منشی جواہر سنگ جوہر اور میر احمد حسین تائیکش کے حق میں کہ دو نومزاکے غریبا گویا
میں سے تھے یکس ہے۔ در سیکرہ پریم یعنی پرینانیم۔ باقی رباعی کے معنی ظاہر ہیں۔
۲۳ دستم بکلید خزانے سے با است در بود تہی۔ بدانے می با است
یا بیج گم کہ کس بقیادے کار یا خود بزمانہ چوں منے می با است

کتاب ہے کہ یا تو میرے ہاتھ میں کسی خزانے کی کنجی چاہئے تھی، اور اگر ہاتھ خالی ملا تھا تو میں
کسی کا دامن ہونا چاہئے تھا۔ جبکہ قوسل سے زندگی بسر ہوتی، یا بھلو کبھی کسی سے کام
نہ پڑتا، اور یا زمانے میں خود مجھ جیسا صاحب کمال ہوتا۔ جو میری قدر کرتا۔

۲۴ دستم نے امید مرست تو لبست دام سراں کلاہ دست۔ دست
گرازش لطف و کرے نیت رباں استحقاق ترخے بہت دست
سراں کلاہ۔ یعنی سراں رشتہ۔ باقی معنی ظاہر ہیں۔

۲۵ گر گرد زنج گیس پر خیند پسند کہ دود از جرے بر خیزد
بنت تنواں نہاد برگدیر گراں بنشین کہ بخدمت درکے بر خیزد

انج گیس گرد آٹھنے کے معنی اسکے خالی ہو جانے کے ہیں۔ کتاب ہے کہ اگر جواہرات کا خزانہ
خالی ہو جائے تو بلا سے، مگر یہ گوارا مت کر کہ کسی کے جرے دھواں آٹھے۔ بھیک مانگنے والوں
پر احسان نہیں رکھا جاسکتا؛ خدا نے انکی خدمت پر بھلو کھڑا کیا ہے، اگر تجھے یہ خدمت
پوری نہیں ہو سکتی تو بیٹھ جا، تاکہ دوسرا اس خدمت کے لئے آٹھے۔

۲۶ اسے دوست بسوی این فائدہ بیا از کوچہ غیسر راہ گزاردہ بیا
گفتی کہ مرا خواں کہ من مرگ توام برگفتہ خویش باش نما خزانہ بیا

ادھر کے دو نو مصرعے صاف ہیں اسکے بعد کتاب ہے کہ اسے دوست تو نے مجھے کہا تھا کہ
مجھے ست بلانا میں تیری موت ہوں اچھا اب تو اپنے کہنے پر قائم رہ اور جس طرح کہ موت
بن بلائے آتی ہے تو بھی بن بلائے چلا آ۔

۲۷ اسے انکہ ہما اسیر دست باشد صاف سے حسروی بیامت باشد
تسبیح بہر اسم انکی کہ بود آغاز از ابتدا سے نامت باشد

یہ رباعی سجان یلخان مرحوم کو جو مرزائے خطا لکھا تھا اسکے اول میں لکھی تھی معنی ظاہر ہیں

۲۸ بازی خور روزگار بودم ہمہ عمر از بخت امید وار بودم ہمہ عمر
بے مایہ بفکر سود ماندم ہمہ عمر بے وعدہ در انتظار بودم ہمہ عمر

۲۹ باید کہ دولت رغبتہ بر ہم نشود از رفتن زردست خوش غم نشود

ایں سیم و درست خواجہ! ایں سیم و درست
دست خوش مغلوب و زبردست۔ کتاب ہے کہ اسے دو تہندہ! چاہئے کہ روپے کم ہو جانے سے
تیرا دل پریشان اور غم میں دبا ہوا نہ ہے۔ اسے حضرت یہ سیم و درست ہے، اور پھر کتابوں کی سیم و درست
یہ غم نہیں ہے کہ جس قدر کھائے جائے کم نہیں ہوتا۔

۳۰۔ دارم دل شاد و دیدہ بینائے
دو کز خی گو شتم بنود پر دئے
خوبست کہ نشوم زہر خود رائے
گلہانک انا ز بکمال اعلائے
کتاب ہے کہ مجھ کو کڑی گوش یعنی نقل سماعت کی کچھ پردا نہیں بلکہ اسکو بہتر سمجھتا ہوں، کیونکہ
اور خود پسندوں کی زبان سے انا ز بکمال اعلیٰ (جو کہ فرعون کا مقولہ ہے) نہیں سنتا۔

۳۱۔ اے کردہ بار آتش گفت از بیج
در زلف سخن کشودہ راہ غم و بیج
عالم کہ تو چیز دیگرش میدانی
ذاتے ست بسیط منبسط دیگر بیج
بیج۔ قصد۔ زلف سخن میں غم و بیج کی راہ کو کہنے سے مراد بیان میں پیچیدگی پیدا کرنی۔ کتاب ہے کہ عالم
جو کو تو نے کچھ اور چیز مجھ رکھا ہے۔ وہ صرف ذات واحد ہے جو بسیط ہے یعنی مرکب نہیں۔ اور منبسط
ہے یعنی تمام فضائیں پھیلی ہوئی ہے۔ میں کے سوا کچھ نہیں۔

۳۲۔ اے تیرہ زمیں کہ بودہ بستر من
ہر خاک کہ باقت ہمہ بزر من
زہر ہر کان و ہر من دانہ و دام!!
اے مادر دیگران و مادر من
ماؤں زہر سو کیلی ماں کو کہتے ہیں۔ زمین سے خطاب کرتا ہے کہ اوروں کے لئے تو تھپڑ مارتا پھرتا ہے
اور میرے لئے دانہ و دام کے سوا کچھ نہیں، گو یا تو اوروں کی ماں ہے اور میری میسر رہے۔ یہ مضمون

تھوڑے تھوڑے فرق سے رودکی اور فرخی نے بھی باندھا ہے، مگر مرزا کے ہاں سب سے عمدہ طور
پر بندھا ہے رودکی کتاب ہے۔ "جہان چہ بین تو از بچکایں چہ کہ مادر گئے گاہ مادر ری"
اور فرخی کتاب ہے۔ "مہر فرزند ی بر خواجه گلندہ ست جہاں"۔ ایں جہاں مادرانیت کہ مادر راستہ

۳۳۔ آزا کہ ز دست بے زری پالت
رسوائی نیز لازم احوال ست
ما خشک لبیم و خرقد آلودہ ہستے
ساتی مگرش پایدا ز غریبالت ست

کتاب ہے کہ نفلس آدمی کے لئے یہ بھی مفرد ہے کہ رسوا اور بدنام ہو۔ چنانچہ مہکودیکھو کہ ہمارے ہونٹ
تو خشک ہیں، اور کپڑے شراب میں آلودہ ہیں، گو یا ساتی کا جام چھلنی کا بنا ہوا ہے کہ نہ تھکتے تھے
ساری شراب کپڑوں پر ٹپک جاتی ہے، قاعدہ ہے کہ نفلس آدمی جو شراب پیئے لگتا ہے وہ بہت طلب
بدنام اور رسوا ہو جاتا ہے، کیونکہ کبھی کلال کی دوکان پر جا کر ماتھ پساتا ہے، اور جو تھوڑی بہت
دل جاتی ہے تو بہت ہو کر اسکی دوکان ہی پر بار بار آتا ہے، اور آنے جانے والے سب اسکو
دیکھتے ہیں، کبھی کلال کے دام چڑھ جاتے ہیں تو اس سے بازار میں ٹکرا ہوتی ہے اور سب لوگ دیکھتے
ہیں۔ حالانکہ کبھی اسکو اطمینان سے سیر ہو کر شراب پنی میسر نہیں ہوتی۔ اس حالت کو اس تشیل کے
پیرائے میں بیان کیا ہے کہ گو یا ساتی تقدیر ہو کہ چھلنی کے پیالے میں شراب دیتا ہے کہ ہونٹ تک تو
نہیں ہوتے اور کپڑے سارے شور و برہر جاتے ہیں۔ ایسی تلخ تشلیس بہت کم دیکھی گئی ہیں۔

۳۴۔ اے دادہ بیاد عمر در لہو و فوس
ز زہر آشوب ز رحمت حق بایوس
ہشدار از آتش حبشتم حق را
تندیب غرض بود ز تعذیب فوس

فوس۔ ہزل و ہتھڑا کتاب ہے کہ مجھ میں ڈانٹنے سے بندوں کو تخلیف دینی مقصود نہیں ہے،

بلکہ جس طرح سوئے کو آگ میں تپانے سے اسکی کھوٹ نکالنی منظور ہوتی ہے اسی طرح آتشِ ہوا سے نفوسِ انسانی کو مذہب کرنا مقصود ہے۔

۳۵ یارب تو کجائی کہ یہ مازِ زمہی بیدر و خدائی کہ مازِ زمہی

نے۔ تونہ غائبی، ونے بیرحمی بے مایہ چومائی کہ مازِ زمہی

اس رباعی میں مرزا کی شوخی و گستاخی حد سے زیادہ گزر گئی ہے۔ دارالاقامین تو قیصرِ اُسپ کفر کا فتنے دیا جائیگا، لیکن ہمارے نزدیک ایسے کلام سے بچاے کفر کے زیادہ تر قائل کے ایمان اور یقین پر استدلال ہوتا ہے۔ صاف پایا جاتا ہے کہ سائلِ معاش کی تنگی و فرخی و خوشحالی و محالی کو محض خدا کی طرف سے جانتا ہے، اور تدبیر و عقل و دانش کو اُس میں بالکل عاجز و درمائدہ سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب معاش سے بہت تنگ ہوتا ہے تو یہ نہیں خیال کرتا کہ بہتے تدبیر نہیں کی، یا تدبیر میں جھٹے غلطی ہو گئی، یا ہماری کالی و سستی سے یہ تنگدستی ہو گئی، بلکہ نہایت تعجب کے ساتھ خدا کی جناب میں عرض کرتا ہے کہ کیا تیرا خزانہ خالی ہو گیا ہے جو ہم کو کچھ نہیں ملتا؟ ہاں اس قسم کے خطاباتِ آدابِ شریعت کے بالکل خلاف ہیں، اور ایسے ہی خطابات کی نسبت کہا گیا ہے۔

”مایدوں را نگریم و سال را مایدوں را بست گریم و حال را“

قصائد مرزا کے قصائد جن میں قطعات، نوحے، ترکیب بند، ترجیع بند، بخش و غیرہ بھی شامل ہیں لکھا باعتبار کثیت اور کیا بلحاظ کیفیت کے انکے اصنافِ نظم میں سب سے زیادہ مرزا مثنوی اگرچہ مرزا کی غزل کا ایک معتد بہ حصہ متاخرین کے طبقے میں کسی بڑے سے بڑے نامور اور مہتمم

استاد کی غزل سے گرا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ اکثر کی غزل پر ہر ایک لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے، مگر اسی کے ساتھ غزلیات کا ایک دوسرا حصہ ایسا بھی ہے جس میں غزل کی شانِ مثنوی عام فہم اور خاص پسند ہونا بہت کم پایا جاتا ہے۔ بخلاف قصیدے کے کہ اسیں قصیدے کی شان جیسی کہ ہونی چاہئے اول سے آخر تک یکساں طور پر جلوہ گر ہے۔

قصائد میں مرزا نے کہیں خاقانی کا تتبع کیا ہے کہیں سلمان و ظہیر کا اور کہیں غنی و نظیری کا، اور ہر ایک منزل کا میاابی کے ساتھ طے کی ہے۔ مرزا کی تشبیب نسبتِ مدح کے نہایت شاندار اور عالی رتبہ ہوتی ہے، اور اسی سے قصیدے کی پستی و بلندی کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ مشرقی شاعری میں عموماً اور ایران کی شاعری میں خصوصاً کوئی مضمون مدح و ستائش سے زیادہ پھیکا سیٹھا تنقید اور بے لطف نہیں ہوا، علی الخصوص ستاخرین نے بلاغہ کی لئے بڑھاتے بڑھاتے مدح کو جو کے درجے تک پہنچا دیا ہے، اور اس کلید سے مرزا کی مدح بھی تشنہ نہیں۔ البتہ عرفی نے مدحیہ مبالغوں میں ایک قسم کا بالکپن پیدا کیا ہے جو اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ جس طرح قدما کے قصائد میں وہ ان نہیں پائی جاتی اسی طرح مرزا کے قصائد بھی اس سے مترا ہیں۔ لیکن مرزا کے اکثر قصیدوں کی تشبیہیں کچھ تنگ نہیں کہ عرفی کی تشبیہوں سے سبقت لی گئی ہیں۔

چونکہ مرزا کے تمام قصائد اور انکے طعقات کے انتخاب کی اس مختصر میں گنجائش نہیں ہے اسلئے ہم ایک آدم پر اقصیدہ اور باقی صرف چند تشبیہیں۔ اور ایک آدم مدح اور کچھ قطعے اور نوحے بطور نمونے کے اس مقام پر نقل کرتے ہیں اور اخیر میں مرزا کا ایک ترکیب بند

انظیری کے ترکیب بند کے ساتھ اس غرض سے نقل کرینگے تاکہ محاب ذوق صبح کو دونوں کے کلام میں موازنہ اور اس بات کا اندازہ کرنے کا موقع ملے کہ مرزا نے اکیس طبقہ کے حمیدہ اور برگزیدہ شعرا کے تتبع کو کس حد اور کس درجے تک پہنچایا تھا۔

توحید

اسے زوہم غیر غوغا در جہاں خستہ
گفتہ خود حرفے و خود را در گماں خستہ
ویرہ بیرون در دل از خوش تیج - دانگے
پرودہ رسم پرستش و سیاں خستہ
نقش بر خاتم زحرف بے صدا آئینہ
شور در عالم ز حسن بے نشان خستہ
چرخ را در قالب ابداع ویران خستہ
عاشقان مہوت دار و سن آدہ
رنگار و طبع ارباب قیاس مخستہ
نکتہ ہا در خاطر اہل بیان خستہ
باچیں ہنگامہ و وحدت نمی گنجدونی
مردہ را از خوشی و یار براں خستہ

دوئی کو مردے سے اور وحدت کو دریا سے تشبیہ دی ہے یعنی جسطرح دریا مردے کو بہا کر لیتا ہے اسی طرح باوجود ہنگامہ کثرت کے وحدت میں دوئی نہیں سما سکتی۔ بالکل نئی اور نہایت بلیغ تشبیہ دی ہے۔

زرد پانے بستہ باد یار کاخے و نظیر
انتپاشے در نہادین دواں خستہ
رفقہ ہر کس تا قدح گاہے و زانکوشیا
پایہ پالہ از منہ از زردباں خستہ
غم جو گیر وخت نتوان شکوہ از دلدار کرد
بہرسانی اساس آسمان خستہ

گل چو ماند ویر گرد و دلش با زار سرد
بہر تہجد بد طرب طرح خراں خستہ
آتش زروے گھماکے بہار از خستہ
شعلہ در جان مرغ صبح خوں خستہ
دجلہ در ساغر معنی طرازاں ریختہ
رستخوار کا سہ دریا و کال خستہ
جزیرہ میں آب آتش ز رشت تلال کرد
کعبہ را جوے بہشت ناوداں خستہ
جزیرہ میں لاس تنواں بچنیں دانہ
رخنہ ادا سلام در کشن خاں خستہ
یعنی آتش ز رشت ہر ایک پانی سے نہیں بجھ سکتی تھی اس لئے میزب کعبہ سے بہشت کی نہر جاری کردی اور کشن خاں ایک ایسا موتی تھا کہ اسلام جیسے الماس کے سوا اس کا بند نہا یعنی اس میں رخنہ ڈالنا نامکن تھا۔

چشم را بخشیدہ چو ناں گردشے کار با پیش
برزیں دانند طبع آسمان خستہ
دوہ از روبرو را بد انسان جنبے کاہل نایس
در تن شمشیر سپہا زند جاں خستہ
اسے ز قلم خاکساران تو از شہر ہما
چوں گلیم کہنہ ظن را براں خستہ
ذوق تمکین گدایان تو گنج مشاہدہ را
از دل گنجور و چشم پاسبان خستہ
تا دیں صورت چشم دشمنان پناں بود
دوست را اندر طلسم امتحاں خستہ
تا علاج خشکی آسایش دیکر وہ
خار ہا در رکھنار سہماں خستہ

مرثیہ ذوق

کفرست کفر در پے روزی تنافتن
ننگ ست ننگ در عنسم دنیا گرستن
گاہے بدائع شاہد و ساقی گداختن
گاہے برگ نامک دبا با گرستن

انجمن
از فقیر
توحید
امامی

مرثیہ
ذوق
ننگ ست ننگ
در عنسم دنیا
گرستن

باید بدو ہرزہ گریستن دگر گریستن
 رشک آیدم بایر کہ در حدیج است
 رفت آن چہ رفت - بایم اکنون گشت
 بالان تھے! لا کہ باند او شست و شو
 خود راندیدال لب نوش بکام خویش
 فرو شفاعت وصلہ صبر و خوں بہا
 چون زرق غیب در دوا عالم کردہ اند

اسے فلک شرم! از ستم پرچاندان مصطفیٰ
 اسے بھرواہ نازاں بیچ میدانی چہ رفت
 سایہ از سر و روان مصطفیٰ نقد بجاک
 گرے بازار امکاں خود طینل مصطفیٰ است
 کینہ خواہی ہیں! لا کہ با اولاد مجاوش کنی
 نیک بنود کو تو بر فرزند ولید شش و دو
 یا تو دانی مصطفیٰ را فارغ از رخ حسین؟
 یا مگر گاہے نہدی مصطفیٰ را با حسین؟
 آن حسین است! کہ گفتے مصطفیٰ روحی کہ

دشتی زیں پیش سر آستان مصطفیٰ
 از تو بر چشم و چراغ و دودان مصطفیٰ
 ہاں چہ برخاک افگنی سرور دین مصطفیٰ
 ہیں چہ آتش میزنی اندر دکان مصطفیٰ
 انچہ باہر کردہ اعجاز بیان مصطفیٰ
 انچہ رفت از مرتضیٰ بر دشمنان مصطفیٰ
 یا تو خواہی نہیں مصیبت امتحان مصطفیٰ؟
 یا مگر ہرگز بنودی در زمان مصطفیٰ؟
 چوں گذشتے تمام پاکشن زبان مصطفیٰ

آن حسین است! کہ سوزی مصطفیٰ چہ پیش رخ
 قدسیں را نفس من و تو غالب ساع

اسی کج اندیشہ فلک حرمت دیں بایستے
 تاجہ افتاد کہ بر نیزہ سرش گردا اند
 حیف باشد کہ فتنہ خستہ ز توں برخاک
 حیف باشد کہ ز اعدا دم آسے طلبد
 تازیان را یہ جگر گوشہ احمد چہ نزل
 ایما القوم! منتزل بود از خود گویم

یعنی یہ تو ادنیٰ درجے کی بات ہے اگر یہ کہا جائے کہ اسے اہل شام کہلا کر اکا میمان خنجر کیسے
 محفوظ رہنا چاہئے تھا بلکہ جو سخن اس موقع پر کہنے کے لائق ہے وہ یہ ہے یعنی جیسا اگلے
 اشعار میں بیان ہوا ہے۔

سحقن انیست کہ در راہ حسین ابن علی
 چشم بدو در ہنگام تماشای خشن
 داخست ناخواستہ در شکار قدوش دادون
 چوں بھران خود را زانی و خود بینی خویش
 یا اسیران سمیرہ پس از قتل حسین

پو یہ از روی عقیدت یہ جہیں بایستے
 رو نما سلطنت روی زیں بایستے
 اگرش ملک و گرتاج و نگین بایستے
 آن مکر ویر کہ از صدق یقیں بایستے
 دل نرم و منش مہر گزین بایستے

چہ ستیزم بقضا ورنہ کویم غالب علم شاہ نگوں شد نہ چین ایست

وقت ست کہ در چرخ و خم نوحہ سرائی سوز و نفس نوحہ گرا ز تلخ نوائی
وقتت کہ آں پر گیاں کز ترہ تعظیم بردر گر نشان کردہ فلک صیہ سائی
از خمیہ آتش زده عیاں بد آئند چون شعلہ دغاں بر شمشاد کدہ روائی
جاننا ہمہ فرسودہ تشویش اسیری دلہا ہمہ خوں گشتہ اندہ روائی
اے چرخ چو آں شد گرا ز بہر چہ کردی اے خاک چو آں شد گرا آسودہ چرائی
خوں گرد و فروریہ اگر صاحب ہدی بر خیز و بخوں غلط اگر از اہل دغائی
تہناست حسین ابن علی و صفت اعدا اکبر تو کجا رفتی و عباس شش کجائی
توقیع شفاعت کہ میر خددا داشت از خون حسین ابن علی یافت روائی
فریاد از اں حامل نشور امانت فریاد از اں نشور اسرار خدائی
فریاد از اں زاری و غنابہ فغانی فریاد از اں خواری و بے برگ و نوائی
فریاد ز بیچارگی و خستہ درونی فریاد ز آوارگی و بے سرو پائی
غالب عکری خوں کن از دیدہ فرو بار گر روے شناس غم شاہ شہدائی

سرو چین سروری افتاد ز پا ہے شد غرقہ بخوں پیکر شاہ شہدائی
بر خاک رہ افتادہ تنہ بہت سرش کو آں روی فرو زنده دامن لعل و تابی

عجاس دلا و کردار اہر دمی شست شمشیر بیکیت و بیکیت لوا ہے
آں قائم گلوں کفن عرصہ محشر واں اکبر خوش تن میدان غنا ہے
آں اصغر دل خستہ پیکان جگر دوز واں عابد غمدیدہ بے برگ و نوا ہے
اے قوت بازوے جگر گوشہ زہرا دست تو شمشیر شد از شانہ جدا ہے
اے شہرہ دامادی و شادی کہ نداری کا فور و کفن بگذازم از عطر قبا ہے
اے منظر افرا کہ بود اہل غفلت سرا دیدار تو دیدار شہر ہر دوسرا ہے
اے گلبن نورستہ گلزار سیادت نمایافتہ در باغ جہاں نشو و نما ہے
اے منبع آں بہشت کہ آرایش غلندہ داغم کہ رسن شد بگلوی تو دوا ہے
بلخ نظران روش دین نبی حیت قدسی گہران حرم شیر خدا ہے
ما تم کہہ آں خیر غارت زدگاں حیت غارت زده آں قافہ آل عبا ہے
آں تابش خورشید ہواں گرم ہوی حیت واں طعنہ کفار دواں شور و غنا ہے
غالب بلامک نتواں گشت ہم آواز اندازہ آں کو کہ شوم نوحہ سرا ہے

بیاد رکھلاتا آں شمشک کاروان مینی کہ دروے آدم آل عبا را ساربان مینی
نہ مینی بیج بر سر غلزان کج عصمت مگر در غار مین ہمارو پو طلیساں مینی
ہمانا سیل آتش بردہ بگا و غریباں را کہ ہر جا پارہ از رخ و سحر از دغاں مینی
بہ مینی خیمہ از آب چوں جوی کنارش را نہ خون تشہ کا ماں خیمہ دیگر دغاں مینی

بہ مینی خیمہ دیگر دغاں مینی

بیتی سرخوش خوابم عیان غازی را
 بهجوم خستگان و سوز و ساز و زنگار
 نمی بینی که چون طالع دارم بیدار
 گزافتم کاینده بینی دلی و چشمه هم
 چه دندان بگر افشوده باشی کز لای دای
 نیاری گردان کوشی که پیش در کبابی
 تنه را کشی گل خار بودی بر زین یابی
 سستایش روزگار

هست از قیز گریه همتا سخاوت دهد
 دوست مرد هر چه کند بے خطر کند
 گلزار را اگر نه فرنگی بستم
 گنج سخن نهد به نمان خانه خیمه
 تار و ز خاک تیره نه گردد ز تشک چرخ
 تا آدمی طالع نگیرد و زیک هوا
 هم در بهار گل شگفتا چسب من
 هم در قهوه میوه فشانند طبق طبق
 آن را که بخت دسترس نبل افشست

تشریح
 قصیده
 بخت
 امام داد

آن را که طالع کف گنجینه پاش نیست
 دایم که آسماں زمیں بچکار کسیت
 چون جنبش سپهر نگران داد و دست
 رنگ انگشت سایه بخت و نواز مرغ
 در نشتر فقره قمر بنام هوازند
 مستغیر با نسیم اگر بلبلی بیابغ
 دار و ز بهر زندگی آمد نه بهر مرگ
 پرویز دیر یا بشه بود در بخت
 فریاد زود میر کس بود در نه دهر
 دارم زر و زرگار نوید که آن نوید
 از داور زمانه باز پیشه درست
 هر گم بس نوشت سر آمد شما عیسم
 سلطان بن محمد مهدی که راسه او

صفت ساکنان طریقت

بر هوا چوں گبر آینه پائینند
 بر چه در دیده عیانت بکامش دارند
 پاسه را پای در آتیز تر پائینند
 نقش کج بر ورق صوفی عقیق پائینند

تشریح
 قصیده
 بخت

یہ شعر گویا حاصل ہے اس قول کا کہ "لیس فی الامکان ان یلحق قاتل کان" یعنی جو نظام عالم کہ اب موجود ہے اس سے بہتر نظام ناممکن تھا۔

دور بیان ازل کوری چشم بد بین ہم دریں جا نگزند انچه در انجا بینند
راز نریں یہ درں چو کہ از دیدہ وری فقط گرد نظر آند سوز بینند
راہیں گرم رواں برس در گرم روی جادہ چوں نبض تپان گل چہ بینند
شرے را کہ ناگاہ بد رخا ہد حسبت زخمہ کردا بر تبارِ رگ خا بینند
قطرہ را کہ ہر آئینہ گہر خا ہد حسبت صورت آلبہ بر چہرہ دریا بینند
شام در کو کہ صبح نمایاں نگزند روز در منظر خفاش ہویا بینند
دشت تفرقہ در کاخ مصور سجند محج افس بننے بست زینجا بینند

کاخ مصور وہ محل جسکو زینما نے وصال یوسف کے لئے آراستہ کیا تھا اور جس میں تمام سامان عیش و کامرانی جمع تھا۔ نئے بست وہ جھوٹا جو یوسف کے قید ہو جانے پر انکی جدائی کے غم میں زینما نے اپنے لئے بنایا تھا اور کہیں رہتی تھی۔ کتاب ہے کہ یہ لوگ مینی اہل اشد کاخ مصور جیسے آراستہ محل میں اس تفرقہ کی دشت کو دیکھ لیتے ہیں جو یوسف اور زینما کے حق میں وہاں سے آخر کار پیدا ہوا اور افس اور بلاپ کو اس نئے بست میں دیکھ لیتے ہیں جو یوسف اور زینما کو اس کے بعد نصیب ہونے والا تھا۔

ہر چہ گوید عجم از حسرت و شیریں شنوند ہر چہ آرد عجز با دماق و عد بینند
یعنی خسرت و شیریں کا قصہ جو اہل عجم بیان کرتے ہیں یہ لوگ اسکو خود حسرت اور شیریں کی زبان سے

سن لیتے ہیں اور دماق و عد را کی روئے دماق جو عربی اسے بیان کرتے ہیں یہ لوگ اسکو خود دماق و عد را کی زبان سے لیتے ہیں۔

نستو ہند اگر ہمدرد محسنوں گردند نخر و شند اگر محل لبے بینند
خوں خورند و جگر از غصہ بدناں گیرند خویش را چوں بسرا نہ تنہا بینند
یعنی جب انکے ساتھ کوئی دوسرا دسترخوان پر نہیں ہوتا تو دانت پیستے ہیں یعنی جو فیض ان کو پہنچتا ہے اس میں اوروں کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں۔

سروتن را اگر از در دستوہ آگازند جان و دل را اگر دوست نکینا بینند
قطرہ آب بہ لب بوئے فشر شمرند پارہ نال بہ گلو ریزہ مینا بینند
یہ دونوں دست و گریباں ہیں مطلب یہ ہے کہ در و طلب سے اکتا جانا اور دوست کے خیال سے فارغ ہونا کبھی نہیں چاہتے۔

فتقہ را رونق ہنگامہ ہند و خوند بادہ را شمع طرہ نجات رسا بینند
یعنی ہر ایک شے کو اپنے اپنے محل پر مناسب و موزوں خیال کرتے ہیں اور کسی چیز سے ازراہ تعجب ناک نہیں چڑھاتے۔

برسم و زمزمہ و فشقہ و زنا ر صلیب خرقہ و سبہ و مساکن مضطرب بینند
برسم و زمزمہ آتش پرستوں کے ساتھ، فشقہ و زنا ہندوؤں کے ساتھ اور صلیب عیسائیوں کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے مصرع میں شعائر اسلام کا بیان ہے کتاب ہے کہ وہ لوگ برسم و زمزمہ وغیرہ اور خرقہ و مصلی وغیرہ میں کچھ فرق نہیں سمجھتے۔

دل نہ بند نہ تیز نگہ درین کو رنگ
ہر چہ بیند بمنوان کتابت بیند
جام جویند وز زندی نگاریند نبرد
سبب انجسم اگر دید بیا بیند
ہر چہ در بون تو اس یافت بر سو یا بند
ہر چہ در جانتواں دید بر جابیند
ہمہ گردند درال پایہ کہ اورا داند
ایں نظر باے گرانہ فراموش کتند
نظر را موجدہ شہر پیہ جواں نمند
گہ پے نقل بصد گونہ تقاضا خواہند
گہ پے خال بصد رنگ تما بیند
یہ از یاد کردنیاست نمود بے بود
ایں دل فرود نو دیکہ دنیا بیند

اس مقام پر اس شعر کی خوبی و جدائی ہے بیان میں نہیں آ سکتی کہ کتاب ہے کہ دنیا کی یہ دل فرود
نمود یعنی ہماری نظم و شریب اہل اللہ کی نظر سے گزرے گی تو وہ انکے دل سے اس
عارفانہ خیال کو فراموش کر دیگی کہ دنیا محض ایک نمود ہے بود ہے۔

صفت موسم بہار

شکر کہ آشوب برفت و باد سر آمد
نامیہ از بند زمسیر بر آمد
کسب ہوا فتح آب خضر رساند
سبزہ جہان را بر بیشہ راہر آمد
یعنی تلخ جنگل کی ہوا کھانے سے وہی فائدہ ہوتا ہے جو آب حیات کے پینے سے ہوتا ہے
اور جس طرح خضر آب حیات کا رستہ بتاتا ہے اسی طرح سبزہ جنگل کا رستہ بتاتا ہے۔
دچینستان کشودہ بارِ فوارِ در
باد کہ باز آریگان بحیرہ و بر آمد

اشتہاں انتظار گل بود اریہ
دیدہ نرگس ز صد چوہی بد آمد
تا نہ چہ دانستہ قریب قدم گل را
سبزہ بہ باغ از شکوہ پیشتر آمد
یعنی سبزہ جو شکوے سے پہلے باغ میں آیا ہے اسے گل کی آمد آمد کہاں سے سن لی۔
بہیدہ بنو خروش مرغ سحر خواں
کو کسبہ گل بگر باغ در آمد
قیس کجا تا کتہ شمارہ محمل
از پس ہر غنچہ غنچہ و گر آمد
غنچے کو محمل سے اور گل کو لیلی سے تشبیہ دی ہے کہتا ہے کہ قیس جو ایک کے سوا دوسرے
محمل نہیں جانتا وہ آئے اور محلوں کو شمار کرے کیونکہ ہر غنچہ کے بعد دوسرا غنچہ اور دوسرے
کے بعد تیسرا دیکھ کر آتے چلے آتے ہیں۔

کثرت انواع گل نگر کہ ہیو لے
رنجہ ز بارِ سنہ و فی نور آمد
یعنی طرح طرح کے پھولوں کی اس قدر کثرت ہے کہ ہیو لے بشمار مختلف صورتوں کی بہتات
سے عاجز آ گیا ہے اور تھک گیا ہے۔

لالہ مسیچہ رنج کوہ گذشتن
دانش ایک از زیر سنگ بر آمد
بسیچہ مینی ارادہ کرتا ہے تیج کوہ قلعہ کوہ دامن از زیر سنگ بر آمدن مصیبت سے نجات پانا۔
نکبت گل شد و باے عام جمل را
ز بخیر ہر شب نہ ہرزہ مویہ گر آمد
جمل ایک جانور ہے سیاہ رنگ جسکو خوشنور اس نہیں لے موسم بہار میں مرجاتا ہے
اور چونکہ گوبر میں پیدا ہوتا ہے اس لئے اسکو ہندی میں گہ لیا کہتے ہیں۔ ز بخیر جھینگہ جرات کو اکثر
ہوتا ہے۔ مویہ گر نالاں و گریاں۔

اشعار
فریاد

فیض
میں
ملکہ

میکند خسر و گلست - رزستان صورت مینا ز غور در نظر آمد
کتا ہے کہ رزستان یعنی انگور کی تپیاں گویا خسر و گل کا شہر نما ہے کیونکہ انہیں نیم خام
انگور لگے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے شراب کی بوتلیں۔

ز توغم تر دامن غور - کہ جہاں را موج گل از حسہ کرانہ تا کر آمد
فتویٰ تھے دادا بر و باد و بسکن شیشہ نہاں بہ کراںہ بگسہ آمد

خدر ششہ کے بعد ملک میں امن ہو جانا اور معافی کا اشتہار جاری ہونا۔

در روزگار ہاں تو اند شمار یافت خود روزگار چہ دریں روزگار یافت
چہ کار تیر گرد فلک در میاں ہیں حق داد و دوح کہ مگر قرار یافت
در ہائے آسماں بزمیں باز کردہ اند ہر کس ہر چہ نصبت بہ روزگار یافت
آمد اگر بفرض ز بالا بلا مسرود بر روی خاک بیچ و خم زلف یافت
چوں حسن ماہ یک شب بینی سداں کہ ماہ پادشہ جاگدازی شبہائی یافت
چوں رنگ دی گل گری - شاہ رنگ گل اجر جگر خراشی پیکان یافت
در خاک و باد و آتش و آب آشتی فردا ایں پردوش کہ خلق در پردہ گرفت
ناچار جز بہ داد اگر ایشیں نمی کند درد ہر چہ صورت ازین چہ یافت
ہر کس بقدر عظمت خویش رجعت ہر شے بحسن جو بہ خویش اشتہار یافت
گر خواجہ بندہ را خطہ اکرانگی نیست ہم پردہ سرای خودش بندہ واریا یافت

در بندہ خود ز خشم خط بندگی درید تو قیج خوشدلی ز خداوند گرفت
بہ دوشی - دہر فردش ز سر گرفت لیل و نسا صورت لیل و نسا یافت
بہرام دل بہترین تیغ و کمر نسا ناہید ذوق در دشمنان یافت
نظیر چہ قنقہ نامی عیاں از نظر مسرود اندیشہ گنجای نہاں آشکارا یافت
جام از شراب - روشنی آفتاب او بزم از بیاطنا دگی نو بہار یافت
روی سخن جنای ناگوش گل گزید باہگ ظلم نشا و نوازی ہزار یافت
بر ہم زدن قاعدہ ہائے کمن بہ در ہر کس نشاط تازہ نہر گونہ گرفت
فیض سحر بہ غالت پادکش رسید ذوق صبح عابد شہ نہ دار یافت
رہزن تلخ خویش برابن لہیل نیست کودک صفا لہو ز آواز گرفت
گزار دست نیز ز من سے بجام برد در مجرم ست نیز شہر بہار یافت
باقنہ ہم مضائقہ در خرمی زلفت خود رخت خواہش زر گل گرفت
دولت سپند روخت کہ شد ملکاتہ رو ملک آفرس سرور کہ دولت مداریا یافت
از انتظام شاہی دایتن سروری سور و سرور و دوش و دوش گرفت
بر خستگان ہند بہ بخشود از کرم و کٹوریا کہ رونق از در گرفت

شکوہ تغافل و عدم توجہ بہ نواب یوسف علیخان مرحوم رئیس رام پور در زمانہ سختی دہلی کی
کہ بعد از قیج دہلی روز کے چند روئے دادہ بود

چون نیست مرا شربت آبے ز تو حاصل
در بادیه برگز غریبان ز چه سوز و
ز اس خسر و خواب چه قدر چشم و نابود
افسانه غم گر بسیرایم بنود عیب
میگویم و مہم زندہ طعنه کہ در تن زن
از طعنه شد مخته دل و از روی عیار
تاکس بنزد و کن به شاہ بودم رسوے
شاہ بود آن دوست کہ اندر غزل و را
من نالم از آن دست کہ در عالم انصاف
او خسر و خواب بود و بندہ گدایش
خود ہر چه سرودم بہر باد و کین پیش
یارب چہ شد اینک کہ نگیرد خبر از من
ای یوسف ثانی کہ بود در ہمہ عالم

مقام خواب پرست علیہاں مرحوم صاحب از لڑکی کے زمانے میں جب تحصیل علم کے لئے دلی میں آئے تھے اس وقت مرزا صاحب سے
بہت ربط تھا مفتی عبداللہ بن خاں مرحوم سے کوئی پڑھتے تھے اور مرزا صاحب سے فارسی مرزا نے اس قصیدے میں اس
زمانے کو یاد دلایا ہے چنانچہ اس قصیدے پر خواب محراب نے سوکھو یہ ماہوار مرزا کے لئے مقرر فرمایا تھا جو مرزا کی ہم دلی
ہمک برابر جاری ۱۲۶
چونکہ تشبیب میں اکثر مشرق کی طرف تھاب ہوتا ہے اس لئے کہتا ہے کہیں اس تشبیب میں دلی و محل کا ذکر نہیں
کرتا یہی مشرق کی طرف میلاروسے سخن نہیں ہے ۱۲۷

تا نزد تو چون آیم و دور تو چہ سانم
اسے کاش بکوسے تو نہیں رہی نمود
چو نیست کہ گاہے نکمی موی میں سو
گر جاں دہم از غصہ تو دانی کہ گیتی
خواہی کہ مرا تنگوی؟ از دور و نفا کے
از صفت استاد ازل مل کہ نہ ہو سکے
غالب سخن نام من آمد از ازل آورد
و رفیق سخن دم مرز از غنی و طالب
من گنج و گردوں گل اندوہ درم را
خود و خود ویرانہ بود گنج گراں بند
باروت فسوں نفس گرم چہ دانند
اں را کہ صریح علم ہوش ریاید
توقع بر بی تو فرخندہ کہ سن نیز
حاشا کہ تا مہر ز قسم قاضی مفتی
بفرست غرور و کساں را بکومت
ہر سال زان شہر میں دایہ رواں مار
اسید کہ لب تشنگی من نہ پسندی
ماندن ز تو شہار و رسیدن تو مشکل
زینیاں کہ فردنہ مرا پای میں گل
از صیت کہ ہرگز نہی دایہ پہ سانل
حرنے غلط از صفی ہستی شدہ زائل
تا نزد تو آرم کیے طائر لبسل
چون قبلہ نما سوی تو ام ساختہ مائل
دانی کہ دیں شیوہ نیم عای و جاہل
ایں آئے خاص ست کہ برین شدہ نازل
مے میں گنج ارچہ شود شہ مشکل
غم نیست کہ آبادی دہلی شدہ زائل
اعجاز ز دہلی بود و سحر ز باہل
دیگر خبر و ذوق زا کو از عنادل
بستم بہ فرہ مندی خوشن از کرشل
حاشا کہ پذیرم عمل شخہ و عامل
در حبیب گداریہ تیلے زند اخل
کز بہر میں گشتہ در اطلال تو شامل
ز اس رشتہ کہ بر صف و فتانی زائل

ماندن ز تو شہار و رسیدن تو مشکل
یعنی از فاصلے تو دانا ماندن

زینیاں کہ فردنہ مرا پای میں گل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

از صیت کہ ہرگز نہی دایہ پہ سانل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

حرنے غلط از صفی ہستی شدہ زائل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

تا نزد تو آرم کیے طائر لبسل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

چون قبلہ نما سوی تو ام ساختہ مائل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

دانی کہ دیں شیوہ نیم عای و جاہل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

ایں آئے خاص ست کہ برین شدہ نازل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

مے میں گنج ارچہ شود شہ مشکل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

غم نیست کہ آبادی دہلی شدہ زائل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

اعجاز ز دہلی بود و سحر ز باہل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

دیگر خبر و ذوق زا کو از عنادل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

بستم بہ فرہ مندی خوشن از کرشل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

حاشا کہ پذیرم عمل شخہ و عامل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

در حبیب گداریہ تیلے زند اخل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

کز بہر میں گشتہ در اطلال تو شامل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

ز اس رشتہ کہ بر صف و فتانی زائل
یعنی در ہوش و بیداری میں گل

ز آن شمع مینی مداو مطلب یکدیر سے ساتھ خط کتابت جاری رہے۔

امید کہ بیزیری و برن نکمی متبر
نیز یرم اگر عزت فرد شافل
امید کہ آں شیوہ نوری کہ بگویم
کرد و دلم فلح و ازین شده غافل

کیفیت آغاز موسم سرما

عید اضحیٰ بسر آغاز زمستان آمد
وقت آراستن حجره و ایوان آمد
گرمی آداب بیرون رفت و مرآت زینوا
محل مهر جہاں تاب بہ میزبان آمد
روزی کا بد و شب بابت ہوا تالیف شد
موسم دیر غنودن بہشتان آمد
آواز فرور و خرد طلسم سیف و بدو
مہر مہ - میر و دایک ہر آباں آمد
ہند و فصل خزاں نیز ہمارے دارد
گوئے گوں سبز و خلی بند خیابان آمد
دیسے و بہین کہ در اقلیم و گرت بند
اندریں ملک گل و سبز و فراوان آمد
نیشکر یکہ صفت آراست کہ در موسم
گفت جانیت و گرسز زہ تیراں آمد
نخل نارنج و زیتونی کہ ہم از میوہ و شلح
گوی و چوگان کعبہ آور و ویدان آمد
تابر و داغ غم ہر شقائق ز دلش
گل صبر برگ بہ دلجوئی و ہفتاں آمد

گر نہ ایس گرمی ہنگامہ تماشا دارد

از چہ زنگس پئے نظارہ بہشتان آمد

صفت موسم بہار

سحر کہ باد سحر عرض بہشتان گیرد
وہ بہ محبت گل حکم تا جہاں گیرد
برات بر زر گل کردہ اند پنداری
کہ خنجر را سپہ سبزہ در میان گیرد
مگر بگرد گل از بہر بایں طہر زہ است
کہ زالہ راز ہوا سبزہ بر نشان گیرد
شادہ سر و دہاں اہتمام بر در باغ
کہ تا بہار و گر راہ بر خزاں گیرد
ز زالہ خنجر بہ سرشت شاہدی ماند
کہ بعد بادہ شکر ریزہ در دہاں گیرد
چمن بر عکس شفق ساکین بن گردد
سمن ز جوش طرب ملک غواں گیرد
ز قند گرمہ آتش بہ خار گل بالہ
کشہ گر ہمہ پیکر زنگ - جاں گیرد
ز انبساط ہوا بعد ازین عجب دارم
کہ مرغ قبلہ ناچار آشیان گیرد
گل بگنہ توان داشتہ دل بہ پیہ عشق
اگر زما نتواند زد دستاں گیرد
چنان بچہ چمن یافتہ ذوق تاعت حق
کہ شیخ شہرچہ ماترک خان ماں گیرد
حاصل جلوہ نگہ در جہم لالہ و گل
چراں گداکے کہ دنبال کارواں گیرد
چنین کہ شلح ہی سینہ بر دین مالہ
چرا کہے ثمر از دست باغبان گیرد

کیفیت صبح

صبحی کہ در ہوا ی پر شاری بر غن
جنبہ کلید یککہ در دست برہمن
در رفت و بید و بر دم گرم ہاں
آرد بر دل گداختہ شمع از لگن

تشریف
بہشت
و از لالہ
ریش
و نیک

تشریف
بہشت
و از لالہ
ریش
و نیک

خیز زمرہ دستہ دشمنان نشسته رو
در آرزوی چیدن بر ستم زلمون
از شور و دیریاں گمان خروش
اموات راز قس تبین برور دکن
رخسدا سارہ از رخ ناسته صم
بالد بفتہ از قد خم گشتہ شمن
بر روی خاک جلوہ کند سایہ درخشنہ
بر روی دوست حلقہ ز نور مخ و چین
خیز دگل تنگفت چو بجز خستہ تن
خیز دگل تنگفت چو بجز خستہ تن
بر جام گل ز دیدہ شبنم گلزار گاہ
بر روی گل ز طرہ سبیل فرد شگل
غوغای روز پرده کشاید ز خوب و شست
آوا کو کس خواب ریای ز مرد و زن

فخر و دوستانی با شکوہ محبت و گردوں

اس مضمون کے کچھ متفرق اشعار ہم مرزا کے ایک ترکیب بند میں سے جو جناب امیر کی محبت میں لکھا گیا ہے نقل کرتے ہیں۔ چونکہ یہ نظم ایک خاص انداز کی منقبت اور خاص طرز کی شاعری پر مبنی ہے جس سے زمانہ حال کے عام مذاق نا آشنا ہیں مگر یاد جو اسکے مرزا کے کلام میں شاعری کی حیثیت سے نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہے اسلئے نہ اسکو اس موقع پر اہل نظم انداز کیا جاسکتا ہے اور نہ وہ اول سے آخر تک نقل کیا جاسکتی ہے لہذا استعداد بندوں میں سے جسے جستہ اشعار و مضمون مندرجہ عنوان احتمالاً کر کے اس مقام پر نقل کئے جاتے ہیں

مذہب ہم جہاد و ایمان و غیر کی چلی تیلی بشت میر کی شائیں جن کو آتش پرست عبادت یا غسل یا طعام کے وقت ہاتھ میں رکھتے ہیں * شمن بت ۱۲

اور جہاں جہاں ضرورت ہوگی شکل مقامات کی شرح بھی کی جائیگی۔

بند اول

اے سخن خیزم کہہ رادربستان دیدہ ام
شب نشیناں رادریں زندہ ایوان دیدہ ام
اس تمام بند میں مرزا نے اپنی سخن خیزی اور جو کچھ اس نور غور کے وقت میں آسمان پر پای زمین
نظر آیا ہے اسکو نہایت بلیغ و جزیل شاعری میں بیان کیا ہے اور آخر کو اس سے ایک لطیف و عجیب
نحال کرنیکا بیت آمیز غز پر بند کو ختم کیا ہے۔ شعر مذکور کا مطلب یہ ہے کہ میں وہ سخن خیز ہوں کہ
میں نے چاند کو اسکی خواب گاہ میں دیکھا ہے اور شب بیداروں یعنی کو اکب یا ملائک کو اس
گردنہ ایوان یعنی آسمان میں مشاہدہ کیا ہے۔

انیت خلوتخانہ روحانیاں کا نماز دو
زہرہ راندر ردائی نور عیاں دیدہ ام
انیت کلہ تیس عجیب ہے یعنی زہے و خے۔ روحانیاں نرشتے۔ آسمان کو کہتا ہے کہ کیا عمدہ
خلوتخانہ روحانیوں کا ہے جہاں میں نے دور سے یعنی زمین پر سے زہرہ کو چادر نور میں
عرباں یعنی بنیر کسی حجاب کے دیکھا ہے۔

ہر کیے خانہ غیر و ہر کیے نازاں بخت
لوئے رادرو عشرتگرہ دو مہمان دیدہ ام
ہرگز اسے ناداں بر سوائی بندنی لکن
ماہ رادرو و کیواں راہ بنیزاں دیدہ ام

ان دونوں شعروں کا سمجھنا کسی قدر بخوم کی اصطلاحات جاننے پر موقوف ہے مجتہدوں نے دور فلک
کو بارہ حصوں پر تقسیم کیا ہے جن میں سے ہر ایک حصے کو بیج کہتے ہیں اور انکے نام یہ ہیں حل،
نور، جزا، سرطان، اسد، سنبہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ (انہیں سے

ہر ایک برج کسی کسی ستارے کا خانہ کہلاتا ہے یا وبال مثلاً جدی و دلو زحل کے خانے اور شمس و قمر کے وبال ہیں اور برعکس اسکے اسد و سرطان شمس و قمر کے خانے اور جمل کے وبال ہیں اسی طرح ہر برج ایک ستارے کا خانہ اور دوسرے کا وبال ہے تو اور میزان جن کا دوسرے شمس نام آیا ہے یہ دونوں زہرہ کے خانے ہیں اور ثور کے تین درجے چاند کے شرف اور میزان کے کہیں درجے زحل کے شرف کے مقام ہیں۔ شاعر کا مطلب یہ کہ میں نے چاند کو اسکے شرف کے مقام یعنی ثور میں اور کیوں مینی زحل کو اسکے شرف کے مقام یعنی میزان میں دیکھا اور چونکہ ثور اور میزان زہرہ کے خانے ہیں اس لئے اس مطلب کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ میں نے ایک بولی زندگی یعنی زہرہ کی دو عشرتگا ہوں یعنی ثور و میزان میں دو ایسے مہمان دیکھے ہیں کہ ہر ایک دوسرے کے حال سے بے خبر اور ہر ایک اپنے حال میں خوش ہے کہ میرے سوا کوئی دوسرا زہرہ کی عشرت گاہ میں نہیں ہے پھر دوسرے شعریں دفع و غل مقدار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس بیان کو کسی برسے معنی پر محمول کرنا چاہئے بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ میں نے ماہ کو ثور میں اور زحل کو میزان میں دیکھا ہے۔

فتہ ام زل میں سیریان و مغازا بیان سر بر ہم خواب زیر بال پناہ میہ ام
بر ہم خواب یعنی جیسا کہ پرندوں کے سونے کا دستور ہے۔ سر زیر بال پناہ یعنی بادلوں
سے گھسائے ہوئے۔

کلمک مویج نہکت گل نم ز گردش نازدہ نامہ فیض بحر توشہ عنوان میہ ام
مویج نہکت گل کو کلمک یعنی ظلم قرار دیا ہے اور فیض بحر کو نامہ یعنی خطا ٹھہرایا ہے۔ کہتا ہے

کہ ایسا سوچا تھا کہ پھولوں کی خوشبو کا ظلم ابھی گردش میں نہیں آیا تھا کہ میں نے فیض بحر کا
مکتوب جیکہ اسکا سرنامہ نہیں لکھا گیا تھا دیکھا۔ مطلب یہ کہ فیض بحر ابھی عام نہوا تھا اور
پھولوں کی خوشبو سے باغ ممکنے نہیں پایا تھا۔

شہادہ باد بحر گاہی جنبش نامہ قرۃ سنبل ببالیں پریشان میہ ام
اس بیت میں باد بحر گاہی کو کنگھی فرض کیا ہے جسکے ملائم جھوکوں سے گویا سنبل کی
ذلت سچ جاتی ہے۔ کہتا ہے کہ ابھی شانہ نسیم صبح کو جنبش نہیں ہوئی تھی اور قرۃ سنبل
بالین راحت پر پریشان پڑا ہوا تھا۔

باد سر ستارہ می جنبید و شہم می چکید غنچہ را در رخت خواب اکودہ ام میہ ام
یہ اس حالت کے بعد کا بیان ہے جو پہلے دو شعروں میں بیاں ہوئی ہے کہتا ہے کہ
ہوا رسان رسان چل رہی تھی اور شہم ٹپک رہی تھی جسکی وجہ سے میں نے غنچہ کو
رخت خواب میں اکودہ دامان دیکھا یعنی اگرچہ غنچہ ابھی دوشیرگی کی حالت میں معلوم
ہوتا تھا مگر چونکہ وہ عنقریب کھلنے والا تھا اس لئے وہ گویا اپنے رخت خواب میں اکودہ
دامن ہو چکا تھا۔

صبح اول گوبروئے کس نیا دراز حیا صبح ثانی را بریں نہنگامہ خندان میہ ام
اب ان تمام عجائبات کی جو آخر شب اسکو نظر آئے انکی قلمی کھوتی ہے اور کہتا ہے کہ صبح اول
یعنی صبح کا ذب جو گویا کہ شرم و حجاب سے ایک جھلکی دکھا کر قاب ہو جاتی ہے اگرچہ وہ حیا کا
اصل بھید منہ پر نہیں لائی مگر صبح ثانی یعنی صبح صادق کو میں نے اس تمام نہنگامہ خندان

دیکھا۔ مطلب یہ کہ یہ تمام نظر فریب سیمائی جلوے تھے جنکو محض وہم نے اختراع کیا تھا اور
اسی لئے صبح صادق اپنے خندہ زن تھی۔ اسکے بعد بند کو اس گرہ کے شر پر ختم کرتا ہے اور
کہتا ہے۔

محرم راز نہان روزگارم کردہ اند تا بحر فم گوش تند غلق خوارم کردہ اند
کہتا ہے کہ اگرچہ چھکڑو زمانے کے پوشیدہ اسرار کا محرم بنایا ہے، مگر اس لئے کہ کوئی میری بات
نہ سنے اور پوشیدہ راز ظاہر نہ ہونے پائیں مجھ کو دنیا میں ذلیل و خوار کر دیا ہے۔

از بند سوم

روشناس چرخ و جمیع اسیرانش منم نور چشم روزن دیوار زندانش منم
کہتا ہے کہ آسمان کے مظلوم اسیروں میں اسکا روشناس اور پہچاننے والا صرف میں ہوں؛
گویا میں اس زندان کے روزن دیوار کی جیسے آسمان کے مظلوم قیدی اسیر ہیں۔
آئکھ کا نور ہوں۔

ثابت و ستار گردون رصد بستم عیلم رشتہ تبیح گوہر ہای غلطانش منم
چونکہ رصد باندھنے سے اکثر ستارے منتظم ہو جاتے ہیں اس لئے کہتا ہے کہ میں نے جو آسمان کے
ثوابت و ستارے کی رصد باندھی ہے تو گویا میں اسکے گوہر ہائے غلط (یعنی کو اکب)
کی تبیح کا دورا ہوں جسکے سبب سے تمام ستارے مثل دامنائے تبیح کے منتظم ہو گئے ہیں۔
نے زندانش کا مباح ذہنی تنگدل شرمسار گوش جیس دکنانش منم
اہل نجوم کے نزدیک برجیں مینی مشتری علم کا نفاضہ کرنے والا ہے اور کیوں مینی زحل

مندی اور مصیبت کا بھجنے والا ہے کہتا ہے کہ میں علم سے کامیاب ہوں اور بدبختی اور مصیبت سے
گھبرانے والا ہوں تو گویا مشتری اور زحل دونوں کی کوششیں میرے باب میں رانگاں جاتی ہیں
اور اسلئے میں ان دونوں سے شرمندہ ہوں۔

دلہنی شمرود ہر از تہمت چرخ رفتہ مسکین از یاد گنج پنهانش منم
کہتا ہے کہ آسمان جو مینی اور غل میں شہور ہے یہ اسکی تہمتی کا نتیجہ ہے کیونکہ اسکے پاس
دیئے کو کچھ باقی نہیں دجو یہ کہ اسکا گنیمہ پنهان میں تھا سو وہ اپنے خزانے کو مینی مجھ کو بھول گیا
ہے۔ مسکین سے مراد خود آسمان ہے جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ غریب پنا خزانہ کیس کھل کر لیا۔
در غری خوش ما ز غنہ در دل می ظلم خورده ام از شبت غم تیر کی کانش منم
یعنی عالم غربت میں بسبب غم کے میں خود اپنے دل میں چھپتا ہوں گویا غم کی شبلی سے وہ تیر
میرے اگر لگا ہے کہ خود میں ہی اس تیر کی بھال ہوں۔

مانند ام تنابنج از دود شرفی اس وضع غائہ دارم کہ پذیرند دبانانش منم
دور باش۔ ہٹو بڑھو کی آواز کو کہتے ہیں جو نقیب اطرد سلاطین کی سواری کے آگے آگے
لپکاتے جاتے ہیں۔ مگر شعرا اسکو اکثر مطلق رک توک اور طاقت و فراغت کے معنوں میں
استعمال کرتے ہیں کہتا ہے کہ پاس وضع مجھ کو گھر کے کونے سے کیس باہر نہیں جانے دیتا
میں میری اپنے گھر پر ایسی مثال ہے کہ گویا اسکا دریاں میں ہی ہوں۔
پایہ من جز چشم من نیاید در شرم از بندہ ای احقرم روشن نیاید در خطر
از بند چپارم

چوں بنیر از مکران مفتوح پیچ پایست
بجز دم نیم زیاں گچرخ کج باز دین
بر تنش دستے تواند بود - زان بالا ترم
دل بنارم - شیر گردون پنج گریز دین

پہلے مصرع کی تقدیر عبارت یہ ہے کہ من ازاں بالا ترم کہ فلک را برین دستے تواند بود، شیر گردوں سے مراد خود گردوں یا سچ اسد یا سچ پنجہ یازیدن دست دراز کردن و حملہ نمودن - دل اناش بچو اس شدن۔

ہر گرا گردوں بلند اواز تر خواہد بہر
نوبت شامی دہد و نگاہ بنواز دین

بنواز دین - یعنی اُسکو میرے ذریعے سے مغرز کرتا ہے دوسرے شعر میں اُسکی تشریح ہے۔

پادشاہاں را سخن گفتن ہمار کہہ رست
دیدہ و رشاہے کہ کا گفتن انداز دین

ور تو گوئی پادشہ را مایہ نمود - نیم نیست
خود بشاہاں یا نیم شہم گریہ باز دین

انگہ چوں در ملک ہستی سکہ شاهی زند
سکہ شاهی بلفراستے پیکار لئی زند

خولعہ پادشہ را مایہ نمود - اس سے یا تو یہ مراد ہے کہ سلاطین عہد اس قدر مایہ نہیں رکھتے کہ میرے

کمال کے موافق میری قدر کریں، اور یا یہ مطلب ہے کہ بہادر شاہ مرحوم جو اس زمانے میں مرزا

کے مدد فرما رہے تھے اور پادشاہ کے لقب سے ملقب تھے وہ گروہی روزگار سے بے مایہ ہیں۔ خولعہ گرا

بہر باز دین - بہر باز کا فاعل دوسری بیت میں واقع ہوا ہے یعنی مدد انگہ چوں در ملک

ہستی آغ مراد اس سے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ہیں جسکی تعقیب میں مرزا نے

یہ ترکیب بند لکھا ہے۔

قطعات

ہزار معنی سرچش خاص نطق من ست
کرال ذوق دل - دگوی ادغسل برد ست

در قہاں بیکے گرتو ارم زوداد
مراں کہ خوبی آرایش غنزل برد ست

مراسم تنگ دے نخواست کان پہن
بسمی فکر سا - جاہاں محسّل برد ست

میر گمان تو ارد - یقین شناس کہ دزد
متاع من زہن نہاں اول برد ست

فحمت اگر ت دست و ہر منتقم نگار
ساتی و تخی و شرابے و سرودے

زہنار اداں قوم نباشی کہ مرید بند
حق را بچودے - دینی را بدردے

اے کہ خواہی کہ بعد ازین باشم
مخلص صادق الولاے تو من

گر ترا شہرہ شاہدی بودے
کردے جان و دلفعلے تو من

در ترا پیشہ شاعری بودے
نودے چشم و دستپاے تو من

در ترا پایہ خسروی بودے
تختے گوہر شہاے تو من

چوں ازیناں - مراچہ ضرور
کہ شوم ہرزہ مبتلاے تو من

راست گویم - بہا چہ دارم
نامع مشفقتسم براے تو من

بسکہ بر مال و جاہ مغروری
نیمہم خوش ازین اداے تو من

نوعی و نواعی
نوعی و نواعی
نوعی و نواعی

نوعی و نواعی

نوعی و نواعی
نوعی و نواعی
نوعی و نواعی

چکنی اکایں فنا دیم و درست
واسے من اگر تو م بجاسے تو من
بتو ہرگز نہ دے نہ دیم
خواجہ اگر بودے خدا سے تو من

ویدی آں بد گزر - و مہر و دلایش پریز
ڈال کہ او خود مہر ابن علی تیغ زانہ
کہ ہنتم آید اگر زشت و پیدش گویند
خواجہ از تنگ نخواہد کہ زیدش گویند
کہ شہیدش بنویند و سیدش گویند
نہاں کہ دگوار کہ شہیدش گویند
گفت زان کہ عزیزاں ہمہ مسلم بودند

کودہ نجدے کہ در ورنے کاشانام
گر بہ جوت رانده با شتم گندہ بارخو پیچ
بتیے از استاد ویدم ذوقکے بخشید - لیک
ہمچہ ترنا قابلے در صلب آدم دیدہ بود
حاش شدہ بودت در صلب آدم است
چرخ در آرایش ہنگامہ عالم نکرد
زاکہ حرفے - زانچہ گنم - خاطر م تر م نکرد
ہمچہ در تسکین نیر و دوزخ شت کم نکرد
ڈال سبب الیس لمعول سجدہ بر آدم نکرد
پیش ہر کس گنم این اندیشہ با دم نکرد

ایا نیاں زودہ غالب کہ از حدیقت
چو لازم ست کہ پروردگار تا دم مرگ
چراست اینکہ زاری ز راز سیاہ و سفید
غیر سد ز تو خار و خشہ ہرچہ سبیل
بود بر رزق ضروریہ عباد و کنیل
چراست اینکہ نیابی بر از کثیر و طیل

قنادہ در سراسر شتہ عقدہ - ورنہ
ز چند سال برگ قوہ تباہی رزق
خزشتہ کہ وکیل ست بر خزان رزق
دوم فرشتہ کہ یادش بجنبہ مقدر باد
لطیفہ کہم از قول شاعرے نصیں
"اگر خدا سے بداند کہ زندہ تو ہنوز
نہر زشت نہر بردہ بان عزیز آئیل"

ہر آدم زن - بشیطان طوق لعنت
وایسکن در اسیری طوق آدم
سپر دند از رہہ تکبیریم و ذلیل
گراں تر آمد از طوق غرا ذیل

اب ہم مرزا کی ایک نظم کا مقابلہ دورہ اکبری کے ایک نہایت ممتاز اور نامور شاعر کے کلام کے ساتھ کرتے ہیں۔ مرزا کے قصائد و قطعات و مسطعات وغیرہ میں صرف ایک نظم ایسی ملی ہے جسکا مولانا نظیری نیشاپوری کی نظم سے بخوبی مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ نظیری نے جلال الدین اکبر کے بیٹے سلطان مراد کا جو عقوان شباب میں گذر گیا تھا ایک مرثیہ ترکیب بند میں لکھا ہے جو اس کے کلمات میں موجود ہے اور چونکہ نظیری کو اس کے ساتھ نہایت خصوصیت تھی اور اس کی شان میں نظیری نے متعدد قصیدے لکھے ہیں اور گراں بہا صلے ان کے جلد میں پائے ہیں اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ نظیری نے اسکا مرثیہ کمال صدق دل سے لکھا ہے۔

مرزا نے بھی مرحوم بہادر شاہ کے بیٹے فرخندہ شاہ کا۔ جو عین نشوونما کے زمانے میں فوت ہو گیا تھا۔ مرثیہ اسی بحر کے ترکیب بند میں لکھا ہے جو مرزا کے کلیات میں موجود ہے۔ چونکہ دو نو ترکیب بند تیموری شہزادوں کے مرثیہ میں لکھے گئے ہیں اور دونوں کا وزن متحد ہے اور ہر ایک میں سات سات بند اور دونوں کا ہر ایک بند آٹھ آٹھ بیت کا ہے اس لئے ہم یہ دونوں نظمیں متقابل یکدگر لکھے دیتے ہیں تاکہ ہر شخص جو فارسی شاعری کا مذاق صحیح رکھتا ہے دونوں میں باتانی موازنہ کر سکے۔ مگر افسوس ہے کہ کلیات نظیری کا کوئی صحیح نسخہ ہیکو دستیاب نہیں ہوا لہذا جیسا کہ لکھا ہوا پایا نقل کر دیا گیا ہے چنانچہ پہلے بند کے بعض شعر بالکل سمجھ میں نہیں آئے جنکی نسبت قلع غالب یہ ہے کہ ان میں کتابت کی غلطی رہ گئی ہے۔

غالب

نظیری

ایدل بچتر منہم حوادث نگار شو لب خوش نگشتہ خندہ رو چنگ میزند
اے چشم از تراوش دل انگار شو در بزم مرگ خندہ بر آہنگ میزند
اے خوں بدیدہ در گذر گذر فرست ہرگز زمانہ جامہ نام بریوں نکرد
اے دم بسینہ دو در چراغ قرار شو تارفتہ شب با من شب چنگ میزند
اے لب بنوحہ نالہ جانگاہ سازدہ وقت گذشتہ را بتاست ز پے عرو
اے سر لہجہ خاک سر بگزار شو کا نیخانش اطعام بفرنگ میزند
اے خاک ارجح گزرتوان زود جادے ایں دہر روز کو رکش ایام ختم باد
اے چرخ با خاک گزرتوان شد غبار شو دست طمع بگیسوی شبرنگ میزند

غالب

نظیری

اے نو بہار چوں تن بل بل غلط دست اجل پہنچ سیاست بیدہ با
اے روزگار چوں شب بے آواز شو از خاک تہر بر دہن تنگ میزند
اے ماہتاب وی بے یلی کبود کن آرایش جنازہ دوستار میکند
اے آفتاب دماغ دل روزگار شو کوئی کہ گل برا خضر اورنگ میزند
اے فتنہ با صبح وزیدہ ایں مخمب ایں چرخ شوخ دیدہ عجب بے بصارت
اے رتخیز وقت رسیدہ آشکار شو بر جام عشرت کہ بے بین شگ میزند
اے ایں چیل بود کہ مار از سر گذشت فرزند شاہ اکبر والا نژاد مرد
تہنا ز سر ملو کہ ز دیوار دور گذشت شیوں بر آورید کہ سلطان مراد مرد

مرزا کے بند میں الفاظ بہت پر شوکت و شاندار واقع ہوئے ہیں اور کوئی شعر صنعت شاعری اور شاعرانہ نزاکت سے غالی نہیں ہے مگر واقعہ کی عظمت جس قدر کہ بیان ہونی چاہیے تھی اس سے برات زیادہ ظاہر کی گئی ہے بخلاف نظیری کے کہ اس کا بیان اگرچہ کچھ پیمکا معلوم ہوتا ہے مگر متانت اور اعتدال کا شریعتاً اسے کہیں ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

بند دوم

غالب

نظیری

بگذر کہ برس و تو حفا کرد روزگار آفاق پر دینج و جہاں ز پند است
با پادشاہ عہد چہا کرد روزگار ایں روز مرگ نیست کہ روزی سیاست

غالب

شاہ حسن سراے مخمور نواز را
 در بزم میث نوہ سرا کرد روزگار
 شانے کہ بود موسم آتش کہ بردہ
 از محل عمر شاہ جبر اکور و زگار
 مرگ اینچنین رخ و تن نازک نریدہ
 کام حبس بیدہ روا کرد و زگار
 شہزادہ خرد سال بود و روزگار پیر
 شوقی بشاہزادہ چہر اکور و زگار
 فرزندانہ نشاندہ معانقہ
 اغوش گور بہرچہ واکر و زگار
 اسے آن کساں کہ خاک زہ شہزادہ
 توجیہ ابرو سے شہزادہ کرد و زگار
 ہر چند بے اہل نتوان بیچ گاہ مرد
 آتش بخود زیند کہ فرخندہ شاہ مرد
 یہ دونوں بند سادگی اور مرثیت میں تقریباً برابر برابر ہیں۔ البتہ نظیری کے بند کا چوتھا شعر

نظیری

حلقے پر اضطراب چہ جای ممکن
 دہرے پر انقلاب چہ جای قیامت
 ایں ماتم کسے ست کا زگریہ تا بشر
 بر جیب صبح و دامن شہا عیامت
 خون می کنند بجوہ دل خلق گویا
 محل جنازہ رستہ ازل محل قیامت
 ہر کس چنیں جلال در آرد شہزادہ
 رضواں گشتن شہزادہ و زگار
 دل از نو بیعت او بزم سور بود
 اکنون ہر اسے ماتم و کوی ملاست
 یا ازل! عجیب کاری از دست دادیم
 بر سر زیند دست کہ وقت نہ دست
 شہزادہ پیریدہ رہ آساں گرفت
 مرغے ز رفتہ است کہ دیگر توں گرفت
 یہ دونوں بند سادگی اور مرثیت میں تقریباً برابر برابر ہیں۔ البتہ نظیری کے بند کا چوتھا شعر

جس رتبے کا ہے ایسا کوئی شعر غالب کے بند میں نہیں ہے۔

بند سوم

غالب

نظیری

اسے قوم باخوش را ایک بیت نکند
 ایں کار را بشیوہ کار آگماں نکند
 طفلت شاہزادہ دورہ خطر نیست
 منقش ز غم رہوی آنجاں نکند
 از سبہ دگل بچہ دلش خواہاں دہید
 از جلد انچہ رای شاہ اداں نکند
 ہر حرف دل نشیں کہ گوئید و نشنود
 آن گفتمہ را بمریدہ خاطر نشان نکند
 در خود زرقش نتوانید بازداشت
 بخود شوید و جامہ ویر و قماں نکند
 گیرید و شنید و گفت و ہم بر جگر زیند
 تا سینہ را زیندہ فزون خوشکماں نکند
 ز شمار پیش شاہ گوئید و بخیر
 تا بوت را بجانب مقرر دامن نکند
 اسے بزم تیرہ و اربع چوں را غواں کجاست
 دس بزم دہی! شہزادہ کجاست
 شوق سجد و حرمت تعظیم کتر است
 آن ناز صدر و سرکشی آساں کجاست
 امر و غم بہ سہ شاہی نشستہ است
 پہلو نشین خسرو ہند و شاں کجاست
 آن حکم ہا کہ بود از وہاب کار کو؟
 دامن کار ہا کہ آمد از وہی جاں کجاست
 دلمان از غم غزراں اچہ واقع است
 یک دل گفتمہ نیت خوشی ہماں کجاست
 ہر جا بسوگن مرگ گروہے نشستہ اند
 زین غم کہ عام گشت نہ از اہل کجاست
 برگ و شکوہ فرخیت۔ نثار از کجا خرم
 بنگشت شاخ و برگ۔ مرا آشیان کجاست

غالب

نظیری

اسے اہل شہر و نواح میں کجاست؟ کس راسخ و درخور میں تفریت بند
خاکم بفرق خواب گاہ خسران کجاست؟ پیدا کنید کا دل میں داستان کجاست
خلعے جیون اندو لگویند حال جیت
صبر سخن شنیدن تاب بیاں کجاست
اتفاق و مصیبت او متعجب شدہ
ایں مرگ باعث الم مرد و زن شدہ

اس بند میں نظیری نے برخلاف پہلے بندوں کے دوشور زیادہ کر کے ہیں نظیری کا بند بلاغت
میں شاید مرزا کے بند سے کسی قدر فائق ہو مگر مرزا کے بین نہایت دل خراش ہیں حتیٰ کہ
نسبت یہ کہنا کہ وہ کم عمر و نا تجربہ کار لڑکا ہے اور راہ میں بہت خطرے ہیں اسکو جانے سے
رود کو وہ جو کچھ مانگے اسکو دے اور جو بہانہ مناسب سمجھو وہ کر دے اور اگر سیدی طرح وہ کہنا نہ مانے
تو اسکو سختی سے سمجھا دے اور اگر یہ بھی کام نہ نکلتے تو رو دے اور پیٹے اور کپڑے بھاڑے اور چٹاں کر دے
اور چٹیں کر دے اور بادشاہ کو اطلاع کئے بغیر تابوت مرقد کی طرف لجا دے یہ تمام پیر کے بیان کے
نہایت مؤثر اور دل خراش ہیں اور گروہ کا شعور سے بند کا پختہ ہے۔

بند چہارم

غالب

نظیری

زناں سبز خطا کہ برینج او نادیدہ ماند
غم غماست - در پالائی از سار انگنید

غالب

نظیری

گروے بمل نشست مہربانے بدیدہ ماند
بستانیاں با تم شہزادہ بخود اند
زین سو بود کہ پیرین گل بدیدہ ماند
خوش گشت و در دل مہر و ستان تمام
آں باد و اسے ناب کو دنا کشیدہ ماند
در مع شاہزادہ سخن ہائے دلپذیر
در واکم تم گفتہ دم تم ناخندیدہ ماند
در وادی عدم تم توں وقت باخشم
ماند انچه بود و صاحب عالم جریدہ ماند
زناں گھنے کو صرصر مرگش ز پانگند
خارے بیادگار بد لہا علیہ ماند
اغلاق شاہزادہ بود نشین خلق
ہوئے اناں شگفتہ گل نو رسیدہ ماند
آں سر و سایہ دار کدانش بود کو؟
واں نو گل شگفتہ کو عارض بود کو؟
خیز بہ تا باں سرتابوت دم ز نیم
عوضے کنیم و کار و دامن ہم ز نیم

اس بند میں مرزا کا بیان صفائی اور سادگی اور لطافت میں نظیری کے بیان سے سبقت

کے گیا ہے جیسا کہ اصحاب ذوق پر پوشیدہ نہیں ہے۔

بندِ بخشیم

غالب

نظیری

دستِ ست امی سپہرِ زارِ ستگری	رفتی و کارِ باہمہ درِ سہم گداشتی
بارے برہم زجر تو پیش کہ داوری	اشتغلی بر مژوم عالم گداشتی
نیزنگ ساز چرخ کہ بیدارِ غوی است	جانمای غم رسیدہ دولہایِ بقرار
با گل کند سموی و با شاخِ صرصری	در پیچ و تاب طرۂ پرچم گداشتی
داغِ زرد زگار کہ شہزادہ بر بخورد	از تو بخوار بردل بیگانه نہ بود
از غمی و جوانی و فرخندہ گوہری	بہرچہ بردل پر ایس غم گداشتی
حیو ست خردش کہ در آیم کو کی	روز و شب بر ہمِ خشیت ستادہ بود
بود او ستادِ قاعدہ بندہ پر دی	در زین خویشِ اشہبِ اوجم گداشتی
شہ دروہ و دو سالگیں کردہ کہ خدا	جمعِ فراخِ خشتِ خد ساختی قبول
با فرخسروانی و قرابِ قیصری	رخسارِ تخت و طرۂ پرچم گداشتی
ناگاہ روز نامہ عمرش دریدہ شد	ہمتِ تریا ملک نیار و سر فرد
امضا پذیرا شدہ تو قیغ شوہری	عالم بہر کہ خواست مسلم گداشتی
جز نو عروس صاحبِ عالم نیافتند	حرمتِ نگاہِ دشتی و جای خویش را
دو تیزہ کہ بیوہ کنندش بدستری	بہر برادرانِ مفت مگر گداشتی

زیبائی و جوانی فرخندہ شاہِ حیت خونِ ست بے تو گم ہوا لعلِ لبت
اں نو نہالِ سر و قدِ کجلاہِ حیت ہر لکے بے تو خوں نشو رنگِ لبت
اگر چہ دو نو بہند اپنی اپنی جگہ نہایت ملیح ہیں مگر ثنات و جزالت کے لحاظ سے نظیری کا
پلہ غالب معلوم ہوتا ہے۔

بندِ بخشیم

غالب

نظیری

اے رہ نورِ عالم بالا چگونہ	اے شاہِ مصر و در ز کفای چگونہ
ما بے تو در ہمیم تو بے ما چگونہ	اے یوسف از جدائی اخوان چگونہ
از سایہ در غم تو یہ پوشش شد ہما	ہر گاہ جلوہ کردہ تقاضا چہ میکنی
اے خفتہ و دشمنِ عفت چگونہ	با حسن شوخ و در تہ زندان چگونہ
زان پس کہ با تو آئے ہوا ای جہاں نشا	اسکندر از عزم تو بطلست نشست
در روضہ جنات بر تماشا چگونہ	در زیرِ گل تو چہ شہرِ حیدواں چگونہ
با گلرخانِ دہر و فائے نداشتی	اے پادہ زجان و جگر گوشہ پر
با حوریانِ آئینہ سیمیا چگونہ	گشتہ جدا از دیدہ و دامان چگونہ
ما بخوداں بجلستہ ماتم نشستیم	ما بارے از فراق تو در خونِ یدہ ہم
از خوشنشینِ گویے کہ تماشا چگونہ	تو در میانِ روضہ رضواں چگونہ
بے مطرب و ندیم و غلامانِ سخن و سال	آوازِ نو طبع و دلِ شفتہ می کند

غالب

نظیری

بے باغ و قلعه و لب دریا چگونہ
اسے بخت خوش بجا پر ثیاں چگونہ
بعد از تو شاہ خیل ترا بر قرار داشت
ایجات کار دستہ و دیوان حادہ
ایجا عنبر یزیدہ انجا چگونہ
انجا بگونہ پریش دیوان چگونہ
اسے بعد مرگ راتہ خوار تو عالمے
ظہر سبک ثبات ترا بجا زینم ست
پروا نہ چسبہ مرغزار تو عالمے
در بحر گل تو نظیرہ باران چگونہ
بشنو کہ باغ بہر تو بر حشری زیند
تا بنگریم در صفت دوراں چگونہ
چوں کار رنگان گر نسبت کار تو
مخمر شتاب میکند از انتظار تو

اس بند میں بھی نظیری کے ہاں دو شعر معمولی تعداد سے زیادہ ہیں۔ نظیری کا یہ بند اس کے تمام ترکیب بندی کی جان ہے اگرچہ مرزا کے ہاں اس بند میں نظیری کے برابر بلند شعر نہیں ہیں مگر شہرت کا رنگ نظیری سے بڑھ کر پایا جاتا ہے۔

بند ہفتم

غالب

نظیری

گفتار را بنوحہ گری چیدہ ام اساس
فردا کلاہ پادشہی بر سر تو باد

چنانچہ تاج پوریں دستہ تھا کہ خاص پادشاہ کی اولاد سے جب کوئی شاہزادہ مر جاتا تھا تو اسکی خواہ اور کوئی جاکر اور اسکی سرکار پر شور مچا دیتی تھی۔

غالب

نظیری

در نوحہ شاعری مکنید از من التماس
رسم الحسل بر دوزخ زاد فقیر تو باد
در پردہ سنجی از دم خویشم رسد گزند
فردا کہ روز حشر بر انگیزی از زمین
در ہر روی دسائے خویشم بود ہراس
دوش دکنار حور و پری محشر تو باد
من یسماں و چرخ سیہ کاسہ نیز باں
روزی کہ کار با ہمہ موقوف حق شود
دردی خور ہلاکم و تلخا بہ نوش باں
جبریل کار ساز و خدا یا در تو باد
باقی نازدہ اشک چہ کریم ہای ہای
وقت سوال گوش و لب منکر و نیکر
از کار رفتہ دست چہ بر تنم لباس
پڑ از قبول نکتہ جاں پر تو باد
سر حلقہ پلاس نشینان ما تم
اں حلقہ کہ آدم از دزل قدر یافت
اندوہ ہمدان شہ از خود کم قیاس
گر رحمت دو کون بود در بر تو باد
چوں بود نرم ماتم شہزادہ بے خروش
مجموعہ عمل چو یہ محشر در آورے
من دم زدم تلخ نوالی بریں پلاس
کار تو راست بچو خط سطر تو باد
از نوحہ عرض طعنے سخن میتوان گرفت
متوازی بخور روی خوارت سطر ست
غالب سخن سرای شہنشہ سخن شناس
بوسہ بہشت ہم نفس محسبہ تو باد
یارب جہاں رفیق تو بارگ و ساز باد
اوم بہاے تو شناسد دریں جہاں
عمر ابو طغر شہر غازی دراز باد
شیخ قدس در دل کاں گوہر تو باد
نخل ریاض ملک کہ باب غریزہ تست
نخل ریاض ملک کہ باب غریزہ تست

نظیری

سر سبز اند عاے ثنا گستر تو باد
کارش بہ حسن شاہ فرخندگی بود
ہر چند بر تو مرگ - برو زندگی بود

اس بند میں بھی نظیری کے ہاں دو شعر معمولی تعداد سے زیادہ ہیں افسوس ہے کہ اس وقت کتاب کے چھپنے کی جلدی میں ہلکوار اس قدر مہلت نہیں ملی کہ کلیات نظیری کے صحیح نسخہ کے ملنے کا انتظار کیا جاتا اور بعد کامل ایڈیشن کے اُسکے ترکیب بند میں جو اشعار حل طلب تھے انکی شرح کیجاتی جس سے ناظرین کو دو نو ترکیب بندوں میں موازنہ کرنے کا زیادہ موقع ملتا لیکن ہمارا ارادہ ہے کہ اگر اس کتاب کے دوبارہ چھپنے کی نوبت آئی تو بشرط زندگی اس نقصان کی تلافی کی جائے گی۔

اب ہلکوار کی کلیات نظم فارسی میں سے صرف شتوی کا نمونہ دکھانا باقی رہ گیا ہے۔ اگرچہ پہلے حصے میں کہیں کہیں مختلف شتویوں کے کچھ کچھ اشعار مقتضائے مقام کے موافق نقل ہو چکے ہیں مگر نمونے کے طور پر یہاں بھی ایک دو تمام کسی شتوی کا دکھانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مرزا نے کوئی مبسوط شتوی نہیں لکھی اُنکے کلیات میں گیارہ شتویاں ہیں جن میں سب بڑی شتوی ۹۲۸ بیت کی ہے اس شتوی میں جبکہ نام مرزا نے ابر گریار رکھا تھا۔ اُن کا ارادہ آنحضرت صلعم کے غزوات بیان کرنے کا تھا مگر چونکہ یہ انکی آخری تصنیف تھی اور اخیر عمر میں طرح طرح کے عوائق اور مولع پیش آئے اس وجہ سے غزوات کے شروع کرنے کی نوبت

نہیں پہنچی باصرف دیباچہ کے چند عنوان لکھنے پائے تھے کہ مرویات روزگار نے گھیر لیا مگر یہ شتوی انکی تمام شتویوں میں ممتاز ہے اور ہم اسی شتوی کے کچھ اشعار توحید میں سے اور کچھ اشعار مناجات میں سے جو نہایت آلفانہ اور زندانہ طور پر لکھی ہے اور کچھ نعت میں سے اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

از توحید

سپاسے کز نامہ نامی شود	سخن در گزارش گرامی شود
سپاسے کہ شوریدگان لہشت	دہندش بیابان قلم دل نہ دست
سپاسے پوزش در آئینہ	ز دل جستہ و بادل آونختہ
سپاسے دوقی سوز کثرت رباعی	سپاسے دل فروز بتیش قزاعی
خدا را سزد کرد دروں پروری	بدیں شیوہ بخشہ شتا سادری
خدا سے کہ زان گو نہ روزی دہد	کہ ہم روزی دہم دور روزی دہد



رضا جوے ہر دل کہ درویش است	ہوا خواہ ہر رخ کہ گردیش است
ز عجب زان قوم خواہستہ گان	نیاید ستوہ از پناہست گان
خرد جنس ہستی فروشنده گان	دہد مزد بیودہ کوشندہ گان
ز بایہ دل آنا ز دل داد گان	کشد ناز لیکن ز اقبا و گان
ز بادے کہ بر دل وزد نہ نفست	زباں را بہ پدید اور آرد بگفت

نگہ را کہ بیرون نباشد ز چشم دہ بال پیدائی ہر چشم
دل و دست با ہم گردوختہ وریں کیسہ کردار اندوختہ
یعنی در کیسہ کہ انہم دوختن دل و دست بھرسیدہ کردار مردم اندوختہ است۔
روان و خرد با ہم آیمختہ ازین پردہ گفتار انیمختہ
نہ زین سو گھر با شمر دن توان نہ راہ اندریں پردہ بردن توان

+++++

بہ نیروی نہ چرخ بر ہم زدن نشاید زدن است او دم زدن
یعنی بقوتے کہ انان نہ چرخ را بر ہم میتوان زد از معرفت الہی دم نمیتوان زد۔
گردہے بہ بند گریافتن فرو بستہ دل در زین کا فتن
یکے را دم تیشہ بر کاں نخورد یکے رہ بہ نایاب گو ہر نبرد
خرد کر جانے ست پیش خبر نباشد ز عنوان خوشیش خبہ
انہ بیند جز این پہنچ بہنستندہ کہ مارا بود آفسہ مینستندہ
نگارندہ پیکر آب و گل شمارندہ گو ہر جان و دل
بگردش در آرنندہ نہ پسر بہ گردوں بر آرنندہ ماہ و سر
رواں را بدانت سرای ساز زباں را بگفتار پیرای ساز
نشا ہی نشانندہ خسرواں نہ بہزن رہانندہ لہرواں
بدانش ہر اندیش فراگان بہستی نگہ دار دیوانگان

بگر را ز خونا بہ آشامدہ نفس را بہ بیتابی آرامدہ
شنا سندگان را بخود رہنگاہ ہر اسندگان را غم از دل ترہاہے
نفسا بہودای اونا نہ خیند بگر با بہ صحراے اوریز ریزد
رگ ابر را شکبای از دست دم برق را بتغیری از دست
زبانای خاموش گویاے او نہانناے اندیشہ پیدایاے او
خرد را کہ جوید شنا سائیش نگہ خیرہ در برق پیدائیش
دوئی بے کفن مردہ در زہش خودی داد گر گشت نہ دگرش

+++++

زہے ہستی محض و عین وجود کہ نازد بہ یکائیش بہت و بود
ز شاخا بہ کرد قلم سے سرودہ بہر تشنہ آشام دگر دہد
بیک بادہ بخشہ ز سپیمانہ بہر آردہ رقصے جدا گانہ
جہانے ز طوقاں بغرقاب در ہنوزش ہماں پس بگرداب در
گردہے رستی بنو غادروں ہنوزش ہماں مئی بہ مینادروں
اسیرش ز بندے کہ بر پایاوست شناسد کہ بر تخت چیں جایاوست
شیدش بخوش از طب بہر مند بجز چشم ز غمش نباشد گزند

+++++

بہرب کہ جوئی نوازے از دست بہر سر کہ بینی ہوا کے از دست

اگر دوسا رست بهوش و هنگ ^{در ساری کلاه}
 به بت سجده زان رور واداشته
 که بت را خداوند پنداشته
 و گر خیره چشمیست تیر پرست
 به پیش ازان راه جنبیده مهر
 که زین روزی در وفان اهریمنی
 ز بس داد تا آشنائی دهند
 به تن با به آذر گرایش کنان
 گروهی سر اسیر در دشت دوی
 ز رست که خود را براں بسته اند
 ز مهری که بخوابت در دل بود
 نظرگاه جمعی پریشان کیست
 که امی کشش کان ازان سونیست
 جهان چیست به آئینه آگهی
 بهر سو که رو آوری سوی اوست؟
 که همواره پیکر ترا شد ز سنگ
 که بت را خداوند پنداشته
 به دوری از جام اندیشه مست
 که زین روزی در وفان اهریمنی
 به آتش نشان خدائی دهند
 بهر لعل خدا را نیایش کنان
 خداوند جوی و خداوند گوسه
 بهر دال برستی میاں بسته اند
 پرستند حق گریه باطل بود
 پرستنده انبوه - ویزداں کیست
 بدو نیک راجز بوی روی نیست
 فضا به نظرگاه وجه الهی
 خداں رو که آورده روی اوست

از مناجات

بروزی که مردم شوند با بختن
 روان را به پیشکی نوازندگان
 شود تازه پیوند جانها به تن
 به سرایه خویش نازندگان

گهر با ستوار پیش آورند
 ز نوریکه ریزند و خرمن کنند
 بهنگامه با این جلگه گشتگان
 ز حسرت بدل برده دندان خود
 دران حلقه من باشم و سینه
 در آب و در آتش بسر برده
 تن از سایه خود به بیم اندر
 زنا سازی و ناتوانی بهم
 ز بس تیر گیسای روز سیاه
 بنجشای بزا کسی با من
 بهوش ترا ز من به بارین
 بگردار سخی میفراسد به رخ
 که من با خود از هر چه سجد خیال
 اگر دیگران را بود گفت و کرد
 چه پرسی چو آن رخ دور از تو بود
 فردی که حسرت خمیر من است
 بسا دایمیتی چو من به یک پس
 فردی سپیده کردار پیش آورند
 جهان را بخود چشم روشن کنند
 در آیند شسته جلگه گشتگان
 ز نعلت سر اندر گریبان فرد
 ز غم با من آیم گنجینه
 ز دشوار من زیتن مرده
 دل از غم به سلسله و نیم اندر
 دم اندر کشش ز پیوندم
 نگه خورده آسیب دوش از نگاه
 تیر دست و در مانده ام - واسه من
 تسخیرده بگذار کردار من
 گراں باری در دهم بسنج
 ندارم بغیر از نشان جلال
 مرا پای عمر به سنج است و درد
 غم تازده در هر روز از تو بود
 دم سرد من ز مهر بر من است
 جمعی دل ز مهر بر من است

پیش مراد ہم افشردہ گیر پر کاہ را صر صرے بردہ گیر
پس انگہ بدونخ فرسادہ وال در آتش خس از باد افتادہ وال
پیش سے مراد باز پرس قیامت ہے۔ کتاب ہے کہ مجھے باز پرس سے مستثنیٰ رکھو اور یہ کہ
کہ مجھ سے باز پرس ہو چکی اور ایک پر کاہ کو باد صر صر اڑائے گئی اور یہ فرض کر لے کہ
دونخ میں بیجا جا چکا اور ہوا سے ایک تھکا دہکتی آگ میں گر چکا۔

وگرچہ نینس ست منہ جام کار کہ سے باید از کردہ راندن شمار
یعنی اگر انجام کاری ہے کہ اعمال کی باز پرس ہونی ضرور ہے تو۔
مرا نیز بار اے گفت اردہ چو گویم براں گفت ز نہار اردہ
دیں خنکی پوش از من مجوسہ بود بندہ خستہ گستاخ کوے
یعنی اس خنکی اور مصیبت کی حالت میں جو کچھ میری زبان سے نکل جائے اس پر مجھ سے
ست چاہنا کیونکہ خستہ مصیبت زدہ غلام گستاخ کو اور بیباک ہوتا ہے۔

دل از خستہ خن شدہ منتفن چہ سود چو ناگفتہ دانی منتفن چہ سود
زباں گرچہ من درم آماز تست بہت ارچہ گندم۔ آماز تست
ہمانا تو دانی کہ کا منہ منم پرستار خورشید و آذر منم
نکستہ کسے را بہا ہر بینی نبرد و کس مایہ دور ہر بینی
گرنے کہ آتش گہرم از دوست جنگامہ پرواز نورم از دوست
یعنی مرث فخر میں ایک عیب ہے کہ میں شراب پیتا ہوں اور اسی سے میری زندگی ہے

اس مطلب کو اس طرح ادا کرنا کہ در آتش گہرم از دوست اور پرواز نورم از دوست
نتہائے بلاغت ہے نشہ شراب سے جو عارضی نشاط اور آسنگ پیدا ہو جاتی ہے اس کو
پرواز نور سے بہتر کسی استعارے میں ادا نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جس طرح چوٹی کی پرواز
اسکی غرت کی علامت ہے اسی طرح نشہ شراب کا عارضی نشاط آخر کار مورت ہلاکت
ہوتا ہے۔

من اندو گین وئے افدہ رہے چمی کردم اے بندہ پروندہ
حساب نے در پیش دنگ دوچہ ز جشید و بہرام و پرویز جوے
کہ از مادہ تا چہرہ افروختند دل دشمن و چشم پر سوختند
نہ از من کہ از تاب بے گاہ گاہ بہ در یوزہ تیج کردہ باغم سیاہ
زبناں سرائے زمینانہ نہ و ستاں سرائے ز جہانانہ
نہ رقص پری سپیکراں بر سلا نہ غرقاے را شکر ایں در سلا
بسا روز گاراں بہ دلہ ادلی بسا تو بیماراں بہ بے باولی
بسا روز باران و شہاے ماہ کہ بردہ است بے سے چشم سیاہ
اتق اپڑ از ابر بچمن نمی سفالینہ جام من از ستے نمی
بیاران ادا من در غم پرگ و ساز در خانہ ازہ بیسنوائی سپر از
جہاں از قفل و لاڈل پری و رنگ من و مجبرہ و دہانی زیر رنگ
دم عیش جز رقص سبیل نہو بہ المازہ خواہش دل نہو

اگر تا فتم رشته گوهر شکست
چه خواهی زد و تیغی آلودن
بنا ساز گاری ز همسایگان
سرازمست ناکساں زیر خاک
بگیتی دوزم بنیواداشتی
نه بختنه شاہے که بام دهر
که چون پیل نازاں جابر انگیزے
نه نادک نگارے که نازش کشم
بریں عمر ناخوش که من داشتم
چو دل زین ہو سها بچش آیدے
هنوزم همان دل بچش اندرست
چو آن نامرادی بیا دآیدم
دے را که کتر شکیب بد بیاع
صبوحی خورم گر شراب طور
دم شب رویناے مستانه کو
دراں پاک میخانه بے خروش
سیهستی ابر و باران کجا

وگر یافتم باده ساغر شکست
بہیں جسم خمیازه منہ سودن
بہ سرمایہ جوتی زبے لایگان
لبان ز خاک بوس خساں چاک چاک
دل مرا اسیر ہوا داشتی
بہر بار ز رپیل بام دهر
ز رش بر گدایاں فروزیزے
بہر بوسہ زلفت درازش کشم
زجاں حنا دور پرین داشتم
ز دل بانگ غم بگوں آیدے
ز دل بانگ غم بگوں اندرست
بفر دوس ہم دل نیا سایدم
در آتش چہ سوزی بسوزندہ دافع
کجا ز ہنر صبح و جام بلور
بہنگامہ غوغاے مستانہ کو
چہ گنجائی شورش نای دوش
خزاں چوں باشد پباراں کجا

اگر جوہر در دل خیالش کہ چہ
چہ منت نہ داشتنا سنا سنا
گریزد دم بوسہ انیش کجا
بزد حکم و بنود لبش تلخ گوے
نظر بازی و ذوق دیدار گو
نه چشم آرزو مست و لالہ
ازینہا کہ پیوستہ میخاست دل
چو پیش رگے را بجا دزدل
بہر جرم کز روے دقت رسد
بفرماے کایں داوری چوں بود
ہر آئینہ بچوں منے را بہ بند
بریں سویہ در روز امید و بیم
شود از تو سیلاب را چارہ جوی
وگر خون حسرت ہدر کردہ
گنہ ختم خستہ امیدیم ہست
کہ البتہ ایں رنہ نا پارسا
پرستار فرخندہ منشور تست

غم بجز ذوق وصالش کہ چہ
چہ لذت و ہر وصل بے انتظار
فریبہ بوسگندہ دیش کجا
دہر کام و بنود لبش کا جوے
بہ فردوس روزن بدیوار گو
نه دل تشنہ ماہ پر کالہ
هنوزم ہماں حسرت آلا مثل
دو صدہ جلد غم تراود ز دل
ز من حسرتے در برابر رسد
کہ از جرم من حسرت افزوں بود
تلافی فراخور بودے گزند
بکریم بدافشاں کہ عرش عظیم
تو بخشی ہماں گر یہ ام آردی
ز یاد اسلش قطع نظر کردہ
سپید ابر روی سپیدیم ہست
کج اندیشہ گبر سلاں منا
ہوا دار فرزانہ و خورشور تست

بہ بند امید استواری فرست یہ غالب خط رنگاری فرست

محمد کز آئینہ روئے دوست جزائش نہانت داناکر است
دہے روشن آئینہ ایزدی کہ دروی نہ گنجیدہ رنگ خودی
زر از ہنساں پردہ برزہ ز ذات خدا معجزے سرزہ
تناسے دیر سینہ کردگار بوسے لرزد از خویش امید و آ
تن از نور پا لودہ سرچشمہ دے بچو متاب در چشمہ
بہر جام از نوشہ جوعہ خواہ بہر گام از و نمونچے ہر راہ
کلاش بدل۔ در فرد آمدن ز دم جستہ پیشی بزود آمدن
غراش بنگ از قدم تشنہ برنگے کہ نادیدہ پایش گزند
بککش سواد رستم نارسا بککش سواد رستم نارسا
دل امید جوی زیاں دیدگاں نظر قبلہ گاہ چہاں دیدگاں
بر قمار صحرا گستاں کنے بگفتار کا فرسماں کنے
بدینا ز دیں روشنائی دہے بیتی ز آتش رہائی دہے
بخوبے خوش۔ اندوہ کا وہمہ بآمرزش امید گاہ وہمہ
زبس محرم پردہ راز بود بنزدیکی حق سہرا فرزند بود
زر از کے کربا وے سر دے سرش صدائیش بودے ز اول بگوش

نچے قبلہ آدمی زادگاں نظر گاہ پیشین فرستادگاں
کسائی دہے نسل آدم بچویش روانی دہے نقد عالم بچویش
بلندی دہے کعبہ بالاسے آو گرامی گن سجدہ سیماے آو
مین روشن از پر نور وے آو ختن بستہ چین گیسوے آو
زبت بندگی۔ مردم آزاد کن جہانے بیک خانہ آباد کن
بحراب مسجد رخ آساے دیر بہ اندیش خویش دودھا گریے غیر
تو گئی۔ زبس دل ز دشمن رباست کہ شک درش شک بہن رباست

نثر فارسی مرزا کی فارسی نثر کو جو مقدمات میں فارسی نظم سے بہت زیادہ ہے اس بنا پر کہ وہ وزن سے مترا ہے صرف ایشیائی اصطلاح کے موافق نثر کہا جاسکتا ہے ورنہ اگر وزن سے قطع نظر کی جائے تو مرزا کی نثر میں شاعری کا عنصر نظم سے بھی غالب تر معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً کلیات نظم کا دیباچہ اور خانمہ، مہر نیروز کے ابتدائی عنوان، تمام تقریظیں اور دیباچے جو لوگوں کی کتابوں پر مرزا نے لکھے ہیں، اور مکاتبات کا ایک مستند بہ حصہ سراسر شاعرانہ خیالات اور پوٹیکل نظم و نسق پر مبنی ہے۔

تاخرین میں ابو الفضل، طہوری، طاہر وحید، اور جلالاے طباطبائی بڑے نثر دانے جاتے ہیں۔ مرزا بیدل کی نثر اگرچہ آنکی نظم کی طرح ایک دوسرا عالم رکھتی ہے مگر وہ بھی اپنی شان اور آکن بان میں بینظیر ہے۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے (اور ضرور

افق
رنگ

تسلیم کرنی چاہئے کہ مرزا نے شاخزین کی طرز انشا پردازی سے استفادہ حاصل کیا ہے تو بھی شاخزین کی نثر میں مرزا کی طرز کا سرائع لگانا ایسا ہی ہے جیسا تھی آم میں پیوندی آم کا مرزا دھونڈنا۔ تقریباً ساٹھ برس گزرے کہ گفتو کے ایک نہایت لائق آدمی نے مرزا کی نثر کی نسبت یہ بات کہی تھی کہ شیخ ابو الفضل اور مرزا بیدل دونوں کے مختلف اساتذوں سے کچھ کچھ مختلف باتیں اخذ کر کے ایک جدا اساتذہ پیدا کیا گیا ہے، لیکن جب مرزا کی نثر کا ان دونوں کی نثروں سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو مرزا کی کوئی ادائیں کی طرز ادا سے میل نہیں کھاتی۔

اگرچہ مقتضای مقام یہ تھا کہ مرزا کی نثر میں جو خصوصیتیں ہر کو معلوم ہوئی ہیں ان کو یہاں مفصل طور پر بیان کیا جاتا اور ہر ایک خصوصیت مثالوں کے ذریعے سے ناظرین کے ذہن نشین کی جاتی لیکن چونکہ لوگوں کو اس قسم کی تدقیقات سے کچھ دلچسپی نہیں ہے اس لئے ہم اس بحث سے قطع نظر کر کے حسب وعدہ ان اصحاب کی ضیافت طبع کیلئے جنگو فارسی زبان کے ساتھ باوجود اسکی کساد بازی کے اب تک کچھ نہ کچھ لگا دھلا جاتا ہے مرزا کی نثر میں سے بطور نمونے کے کچھ کچھ اقتعا کرتے ہیں اور ہر کو امید ہے کہ یہ نمونہ اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ودانی ہوگا کہ مرزا نے نثر فارسی میں بھی اسی قدر بلند پایہ ہر پہنچا تھا جیسا کہ نظم فارسی میں انکو حاصل تھا۔

اگرچہ مرزا کی نثر کو اگلے نامور انشا پردازوں کی نثر پر ترجیح دینا تا دقتیکہ اسکولین زبان سے ثابت دیکھا جائے ایک بے سنی بات ہے لیکن ہر کو ان لوگوں سے جو وجدان صحیح اور

ذوق سلیم رکھتے ہیں امید ہے کہ وہ مرزا کی نثر میں ایک عجیب طرح کی لذت اور شوخی اور ایک نئی طرح کا بانگین دیکھیں گے جس سے تمام شاخزین کی نثریں بالکل متواہیں۔ چونکہ مرزا کی طرز انشا پردازی سے اکثر لوگ نا آشنا ہیں اس لئے جہاں تک ممکن ہوگا ہم انکی نثر میں سے ایسے مقامات اخذ کریں گے جو صاف اور سلیس ہوں اور بانہر جہاں ضرورت ہوگی کہیں بین السطور میں کہیں برکت میں اور کہیں فٹ نوٹ میں حل طلب مقامات کی شرح بھی کرتے جائیں گے۔

مرزا کے تمام فارسی کلام کی الاما میں ایک خصوصیت ہے جس سے اکثر لوگ ناواقف ہیں یعنی وہ بعض الفاظ کو تمام اہل زبان اور زبانداروں کے برخلاف دوسری صورت سے لکھتے ہیں مثلاً صد کو صد، شصت کو شست، غلطیدن اور طپیدن کو غلطیدن اور طپیدن، گزشتن اور گزشتن کو گزشتن اور گزشتن، آذر اور تذر کو آذر اور تذر وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ یہ الاما ناظرین کے ترو کا باعث تھی اور نیز ہم اس املا کو صحیح نہیں سمجھتے اس لئے اس کتاب میں جہاں کہیں مرزا کا کلام نقل کیا گیا ہے وہاں الفاظ مذکورہ قدیم معمولی طریقے کے موافق لکھے گئے ہیں۔

نثر فارسی کا انتخاب

از مہر نیروز

خطاب میں ہوں مہر نیروز کے دیباچے میں حمد اور نعت اور مع پادشاہ کے بعد ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ مرحوم کی طرف خطاب کر کے اپنا درد دل بیان کیا ہے اور اس

خطاب کا نام خطاب زمیں بوس رکھا ہے۔ اسکو کسی قدر صفت و اسقاط کے بعد ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

”قاآن شیوہ خاقانا! و خاقمین خدا یگانا! رُوی آوردن من از عدم بوجود بودای گمرنجی و گمر فروشی بود؛ کالا سے بیش بہا سے من درین چار سو روی روائی ندید؛ و متاع اگر انما یہ مرادیں بازار ارزش ازانی نہ شد؛ ناچار ہرچہ با خویش آوردہ ام۔ چوں گویم کہ با خویش ہی ہم لہجے در سینہ ہا، و پارہ در سینہ ہا میگذازم و میگذازم۔ پس ازین آن گنج نمایاں را اگر ہم باو بیفزگویم، و اگر ہم خاک بخورگویم۔ سینہ آرزو ہا سے جواب پیرا مدفن ست، لہذا ہنگامہ کرم چراغ گور غریباں باد۔

نیاگان نامہ نگار از تمجید افراسیاب و تنگ بودہ اند، و فرماندہاں باقر و فرنگ فروردین چراغ ہستی نور دیدہ تور بباد استین کینہ کینسر و تنگیایں را روز سیاہ پیش آورد۔ خداوندان اورنگ و دہیم را از ان برگ و ساز با جزئی گند ناگوں بگفت نماند۔ بہر مزہ و بوم بیگانہ روی آوردند، و بہر دست خرد تیغ زدن ناں خوردند۔ ہم ازین نیستاں ایوانان کیستار نشین۔ سلجوقیاں دگر بارہ سرا بفسر و فسر گوہر آراستند۔ چنچ گوندہ چنانکہ خوی اوست ایں ناداران کا دوس کوس را نیز از پای افکند۔

در شرب ما خواہش فردوس نجوی در حبس ماطع اسعد نیابی

ہم مرزا اکثر بلکہ تقریباً ہمیشہ ان غفلوں کے بعد تنگے آفریں وادایات ہوتا ہے غیر اصناف کے بھی خدا کی طرز پر اسے زائد کرتے ہیں مثلاً زرد یا سیاہ یا اور جالی جگہ رو سے سوسے پاسے اور جاسے لگتے ہیں۔

در بادہ اندیشہ مادر و نبینی در آتش ہنگامہ ماد و دنیا بی

از واپسیان ایں قافلہ نیابے من کہ در ظلم و مادیار النہر سمرقند شہر سقط الاس دے بود۔ چوں سیل کہ از بالا پستی آید۔ از سمرقند بہند آمد۔ در دفر سید شاہ نشان ذوالفقار الدلہ میرزا بخت خاں توقع نوکری شاہش نوشتند، و بہر گنہ پچاسو برات روزی دے دے سپاہش نوشتند۔ پیرم پیشہ پدر خویش داشت، و ہم در کارزار جاہر گداشت۔ ہمانا گلبن تناسے ترا تو آئیں ذوالیلے ہی بایست کہ مرا ز فرسج دوتا نسراے آفریند۔

رباعی

غالب بہ گہر زودہ زاد ششم زان رو بصفایہ دم نیست دم
چوں رفت پسندی ز دم چنگ شہر شد تیر شکستہ ریا گاہ تسلیم

خاکم میر کہ بفریب پندار آزدادہ روی سخن لا ابا لیا نہ بردا ختم، و اندازہ ارزش سخن و پایہ ولایتی گوہر خویش نشا ختم۔ سینہ من نفی داشت برواں آسائی نیسے کہ از نستر ناز و زوہ زیاں زدہ۔ من کہ دم تجز بہ نابایست نژدم۔ و بتان مرا قلعے بود بہ دجلہ باری ابرے کہ اقبلہ خیزد بیدہ کوش۔ من کہ باران بشورہ زار فروردین ختم۔

بایں فروغ گوہر و رخشاںی نہاد زین ساں سیاہ روز گرا کرد و زگا

باقر و فرنگ بیگانہ، و بانام و تنگ دشمن، بافر و مایگان ہنشین، و باادب باش ہمنگ، پای میرا بہ پوسے، و زباں بعیر فرگوسے، و رنگست خویش گردوں را دستیار، و در آزار خویش دشمن را آموزگار، دل پر از خار خار، و دیدہ نشتر زار نہ دستگاہ خود نمایانہ آراستہ۔ و ز

سرو برگ آزادانہ آسائشے۔ سرگزشت ہر کس ہاں فرماناے امضا پذیرتہ سرفروشت
اوست؛ در انچہ برین رفت دوستاں را باسن چہ جای سرفروش، و مرا با دشمنان چہ
گنجائی پر غاش۔

نگار گشت صرصر کشتی شکست موج دانا خورد و دریغ کہ نادان چہ کار کرد
پس از پنجاہ سالہ آوارگی کہ تیری ز قمار بن از مسجد و تہخانہ گردانگشت، و خانقاہ و
سیکدہ را بیکہ گردو؛ بفرود بخ آں قرۃ ایزدی کہ فریدوں را بہ قریب داد گری دل افروخت
و مرا فرہنگ سخن گسری آموخت؛ ہاں دُر فرو دم آوردند کہ تو نیز چوں حلقہ چخشے ہاں دُر
داری، و بتوانی کہ دیدہ برداری۔ + + + + +

تا ہمسایہ اوم سپہریاں در سایہ من اند، و تا خاک فشین آں درم فرشتگاں در شک پایہ
من اند۔ و در دل و دیدہ ز رخشاں جاے من ست، و بر سر راہ و ستارہ پاسے من۔ و درین
گوشہ گزینی و خوشہ چینی نخست آید رجحتے کہ برین از بالا فرو آند۔ و دوا دین نجنگی زمین بوس
گیماں خدیو خدا داں بود۔ دولت روسے آورد، بخت از خواب حبت، و خوشیم روشنی
گفت، رضواں رضا جوے آمد، چرخ از رفتہ عذر خواست، روزگار از گذشتہ بجلی طلبید۔
نومیدی از تو کفر و توراضی نہ بہ کفر نومیدیم دگر بہ تو امیدوار کرد

کا لبد خاکی مرا چوں پیکر گرد باد جانے در میان نیست؛ ہمیں یک دو دمہ سرگشتگی تماشا دار
مگر عندلیب گلشن تصویریم کہ بیوسے گل ز فرمہ ازوسے نتواند مید، یا سنبہ جو خورشید کہ لایزال

چون اس دُرسے بیان لے ساجا، روزہ مردہ جہاد شاہ کے پیر پتے اور نرائے مکان میں رہتے تھے۔

ستانہ نیار و حمید بکستلی بیوز نشا و کس شد، و خون از دل بچناں در یکدین ست؛ تا پیوند
چہ قدر استوار بود؟ و چہ پایہ بہ زور گستہ اند۔

شے با دل دیوانہ کہنتے ازین ہوشمند تر ست۔ گفتم کہ اگر گفتار نیرودی بشا و ارم کا گاہ
بارگاہ۔ عرضہ دارم کہ آئینہ رازم۔ مرا می توان زدود، و بندہ سخن طرازم۔ مرا می توان بزد۔
گفت اسے ناداں این سخن از جاے دگر بود و ہنگام آں گذشت؛ اکنون اگر بھی توانی گفت
بگوے باکشتہ ام۔ مریم می توان نہاد، و مردہ ام۔ جاں می توان بخشید۔

رباعی

شام ہر چند دایہ جوے آمدہ ام دانی کہ چہ پایہ مقرر کوے آمدہ ام
آیم کہ محیط را بجوے آمدہ ام رنگم کہ بہار را بہ روے آمدہ ام
اگر چنانکہ بہ دوران تو ام۔ بروزگار فرزند جمشید بودے۔ جمشید روزگار را آفرین گشتے؛ و اگر
بر انساں کہ شاخوان شہرایم۔ قریح فریدوں راستودے۔ فریدوں چرخ و ستارہ را گرد
گشتے۔ و راں انجن کہ زردشت آتش افروخت، و زند آورد، اگر من ہم آفریناں
جاداشتے۔ آذر ازیم من زبانہ تزدے؛ و از دلفری بیان من کس بشنیدن تر نہ پیرا
من ہمیں قریح بخت کہ چوں تو خداوند کار فرماے دارم۔ ہر قدر بر خوشیت بنام جادارد؛
سرت گروم! تو نیز ہمیں گرمی ہنگامہ بنار۔ کہ بچہ غالب بندہ آتشیں نواسے داری۔ اگر انا
ہند و اتفاقات می دہی۔ جاے مردک دیدہ ہمین باز گزار، و در دل بروی من کشاے۔
گویند در عہد جہان بانی حضرت مہاجقران ثانی بفرمان آں خسرو دریا دل۔ کلیم را صدر

بسم و زرع و لعل و گهر سخنی اند، من آن خواهم کدیده در آن را و ستوری دمی تا از کشش و
کوشش زنجند، و یکبار گفتار مرا با کلام کلیم بسنجد. ++++++
پیشانی نوائی من در ستایش گفتار خویش اگر خود گزات نباشد، گفتار راست بگستاخی
گزارون هم از انصاف نباشد. آخر نهانم؟ که هر وقت خود را هیچ شمر دے، و هیچگاه بر خود گنا
کمالے خبر دے۔ سرستی ذوق برگزیدن این دل از نظر که برگزیده تست مرا از من برد، و
خاندے پے پروا پے را بدیں روش و آهنگ بخراشش و رامش آورد. ++++++
ہانا بلند نامی سلطان دہر در آفاق چشم داشت، کہ چون منے را کہ یکا دو بیانی شہرہ افتام
بگرداں گزاری گاشت۔ من خود اناں رو۔ کہ دل و زبان این پیدار مترا آیتہ دار و دل و زبان
شاہ است۔ دائم کہ انچه عمدۃ الحکما دیں با بین فرمودہ۔ فرمان شاہ است۔

پادشاہاں را آئنا گفتن نہ کہ بہر کسست دیدہ و رشاہے کہ کار گفتن اندازدین

نامہ نگار کردار گزار را بہ تنومندی توفیق سرا انجام خدمت۔ سعادت جادو دانی، و خاقان را
بہ سایہ سواد این نگار رش کہ طلمات آجہان ست حیات ابد ازانی باد۔

نخریہ فقرے مرزا نے مہر نیمہ وز میں جہاں سببہ تالیف کتاب لکھا ہے اسکے آخر میں ہے
ظاہر کیا ہے کہ کسٹنسی کی معمولی رسم کے برخلاف اگر نین اپنی طرز بیان کی داد لوگوں سے
چاہوں تو یہ کوئی بیجا بات نہوگی بلکہ عین تنقید و تہنیک کی بات سمجھی جائیگی اسکے بعد کہتے ہیں۔
"کالا شناسی را نہ آں آئین ست کہ کوئی کالا سے خویش از نظر اندازند، و پرکار کشانی را

ہم نماند یہ کہ تاریخ نویسی کیلئے محاکم اسن، اشعار و محرم نے تہذیب کیا ہیاں اسی محرم کی طرٹ اشارہ ہے۔"

نہ آں دستور ست کہ بہر یکے کہ خود کشد عشق نہ بازند۔ مگر مانی اُن نقش را کہ خود میرزد
از اعجاز بی شہرہ؟ و انداز اُن بیت را کہ خود می تراشد نماز نمی برد؟ یزدان را بندہ سپاس مگر اگر
باشم اگر قلم را بہ جنبش آفریں گویم، و از سخن بہ ہر اندیشہ سپاس نہ پذیرم۔ رفتار یکب و
تہر و دل از دست یزد، و خرام این رعنا بہت رقاص سرست نکند، و حاشا کہ خراش
کلب بر درق کس مایہ ذوق انگیز تواند بود؛ تیرست کہ بسبیلہ در جالت سرستی تعلیم خود نایہ
بنامی خرام۔ این پاسی آیتہ بہ تازی کہ از زمان چیرہ دستی عرب بر عجم دیکتی پدید آمد۔
خسروی گنجیہ در بستہ بود کہ خاندے من قفل درش را کلید آمد بہر وینکاست تا بنگرہ کہ در
رہر دی کہ ام رہ سپردہ ام، و بہرام کجاست تا فراسد کہ سخن را از کجا بجا بردہ ام۔

خسروی بادہ دیں دور اگر نہوی پیش ماے کہ تہر جہہ از جامی ہست

خود ستانی فرو کم و بند پندار گلم۔ آو خ اناں روزگار کہ از خوبی ہناسازی و از کار بازی ہری
شد، و داد اناں پیدا کہ در دینش افزونی چشم و کام بر روان و ہوش رفت۔ و کار و کار
ایں نگار رش سپاس پذیرم کہ بہر وینک این خط کہ خود را جوں سایہ بازیں ہوار ساختہ ام،
تا پرداختہ ام۔ و با گنجین ایں نقش کہ چشم و دل و نگاہ و نفس با ہم آیتہ ام، تا آیتہ ام۔ دست
از کار ہای دگر کوتاہ ست، و دل از اندیشہ ہاسے دگر بر کن را نہ نگار۔ کہ از کردار گزاری گفتن
در و دل روے آوردہ بود۔ باز بہ پاسے سخن می آید، و جادو کہ نشان دادہ اندے چہا ید۔

مہ تقیم اور اوراق بعین کی اصطلاح میں دو مقابل خطا ہیں۔ جلیب کسی ستارے کا قائلہ مکرر کتاب سے۔ و رو
ہر تکتے ہیں کہ ستارہ اوراق میں ہے اور جلیب قائلہ ۱۷ و تقیم یعنی بہت اوراق کے ۲۴ و تقیم ہر تکتے ہیں کہ
ستارہ تقیم میں ہے اوراق ستارہ کا تقیم میں ہونا اسکی عمدہ ترین حالت ہے۔"

خون ہستی قاجولی بہادر سخت، و سپیش اکو مچی برلاس سپیش کی تیغ افزودت۔
 روزے میاں امیر قرقمن و امیر طراغاسے دربارہ ادویس و قتیون سخن میرفت،
 و فرزند فیروزی فرامیر تیمور دلاور باد پر ہنر باں بود۔ پدر را از گفتار بازداشتہ خود بشکلی سخن سرا
 شد، و دباں ہنجا ز فتنہ چند بر تار گفتار زد کہ امیر قرقمن در ان شیرایانی و کمر افشانی بہر
 دل بست، و باقریں زبان بر کشاد سخن گوے فرومیدہ ادرا پس غنڈہ و ہمدراں بزم او کجاستو
 ترکان خواہر امیر حسین بنیر خوشنشین را بائیں دیں و قانون شرع بے سپرد تا خوشی بر
 خوشی و بیدی افزاید، و آمیزشے چون شیر و شکر در میاں آید۔ امیر جابجوسے پس ازاں
 پیوستہ با امیر قرقمن در بزم ہمیش دہم دم و در رزم پیش تاز و پیش آہنگ بودے۔ از
 نبو انا میاں برلاس و دلاوران چیتا میر کہ آں دست بردگرستے تلغنی فروماندے، و دوست
 مرزاو، گویاں برلاس دست دبا زو آفریں خواندے۔ پس از امیر قرقمن کہ دامادش قلی تیمور
 ناگاہ در شکار گاہش کشت۔ جہاں پہلوان تہمتن توایں بہ تہما دامن بہت والا گرفت، و
 دستخ زنی و ختم انگنی کارش بالا گرفت۔

ہر چند کہ زشت دنا سنا یم ہمہ در عمدہ رحمت خدا یم ہمہ
 در جلوہ دہر چنانکہ ایم ہمہ شایستہ نفیت و بوی ایم ہمہ
 برادر زن صاحبقران ہمایاں امیر حسین نیز بے پیوست، و عمدت کہ ہر چہ اندک مال

امیر قرقمن نام یکے از امرای چیتا تیر ۱۲ * امیر طراغاسے نام چہامیر تیمور ۱۸ * و باغی گویا آئینہ آئیناے
 منصور کی تہید ہے ۱۲

و برگ و ساز گرد آید بر یکدگر بخش کنیم، و با ہم خیمہ و با قوم جزا نرم، و با طلق جزا دند و نرم
 بخون گرمی این دو گرد دلاور و دو سیر مردیم گمر شگامہ گرمی پذیرفت، و گزین دستگا بے
 و سترگ سپاہے قلعہ آمد۔ صاحبقران از سادگی بلکہ از آزادی دل با زبان یکے داشت۔
 امیر حسین ہوارہ و در کین آں بودے کہ انبا زرا از میاں بردارد، و بیکانی علم دارانی افزاد۔
 از دیدہ وری بگا لیشاہے آں نژند اندیشہ ناراستی پیشہ پے بردے، و از فرازنگی و درنگی
 و سچا ہر دنیا و رے۔

ستم بجاں کج اندیش متواں کردن خجل ز راستی خوش متواں کردن
 روزگارے دراز تر از رشتہ مطول اہل۔ بالوک طوائف در کبکدار و فریز و ستیز و آذین گشت
 ہنگام چشم براہ و گوش بر آواز داشتند تا میل اسفند یار نیور را از کد ام سو چشم زخم سیدہ
 و شیرہ امیر حسین کہ جز بریو و غریو درنگ و نیرنگ کار نمی کرد، و در انبا زری و دیساری فتنہ پراکی
 و شعیبہ بازی شیعہ داشت۔ نیرنگ سازی اقبال عدو مال صاحبقران کشور شاں را
 نازم کہ ہم آں گردہ بے شکوہ را سو سو پاسے بنگ خوردے، و ہم آں گرد بے دستہ بردار
 جابجا دست اذکار رفتے۔ صدرہ اتفاق افتادہ است کہ این نفاق پیشگان خرد دشمن
 خوں گرفتہ را از نژاد چیتا خاں دست گرفتہ بر تکیہ گا و خانی و مرزبانی نشانہ اندا و زد و نہ
 و بر شیر بر سرش ساندہ اند۔ تناسے پلکناں ماسند و قطع از پنے ہم متوا بود، و سواسے
 سرواں مانا ز بالکس و خشت گور او پس یکدگر آدہ۔

سیر ستارہ و روشن چرخ نیلگوں
 اینا کند ہر آئینہ در مذہب حکیم

آسان آن نیم که پسندم طریق و رسم
زا خنجر چو شکوه چوں بود خفاستیم
نبود بخیر و بد صفات و شیون حق
صلح و نبرد و فتح و شکست و امید و بیم
تو حق معنویت گرا نصاف درستم
تشریف خسرویت گرا طلسم و گریتم
از حق بود افاضه هستی بهر صفت
جزوایه بود آنچه به سائل دهر کریم

پچنین بارها امیر حسین را از در ماندگی و زبونی کار سخت افتاده است، و سلطان ^{برون} سلام آورد
افراسیاب ^{پانی} همتا - بر لایه گری و دسختن و بیاری و یادوری دل نماده است. کیس با کسی
نمانی امیر حسین آشکارا بود. همه می دانستند، و خدیو هم و اهل از همه قزول ترمی دانست. و ^{دکتر} کمال
و خیر حق پذیر آذریم ناگزیر - می گذشته باشد که گرایست مهر خواست نهشت و کردار با کسی
نگو سیده بگذارد، و جهاندار را در گنار اقی و جانیاں را پس به دراز دستی نیاندارد. آن ^{چون} بود
رافعه از روی کجا که بخشیم و کام میگذارد، و راودانش و داد و درود. در آرد و دل آذریم نهشت،
و در برون ز شکیب، و در کشتن خلق پر دوا.

تو بار ساطعی عاشق و من آن ندیم
کننے بجلقه او با شش آشکار کشد

پایان کار لشکریانش از ناخوشی ستوه آمده آن جوان میر خدا گیر را با هر چهار پیش گرفته آردند
و بخند او ندگار سپردند. دارا به نبرد آواز را آهنگ عاجز گشتی نبود و خون گرمی پاداش
(یعنی جوش انتقام) نداشت. می خواست بر ناخوشی و بیخوشی و گمانان ناخوشیدنی
بخشیدن. از ناخواه اهل نهم خروش برخاست. خاصه شاه محمد زبان به نشان، شمع محمد
آذریم ناگزیر کیلوا و آذریم در دقت چاره نباشد. * خدا که یک نفع خدا گرفتار شده باشد *

بیان سله وز، و امیر کهنه سر - که ریش با کسی نو دنا سورا با کسی کمن داشتند - زخمه تیز تر زودند
و بنوا با کسی خنچکان خوابه نشان قفاں بر آوردند که ماقصاص خوننا به ریخته می خواهم
نه انتقام فتنه با کسی نگرفته که دالی دلایت آن را بجل تواند کرد. ناگزیر بدین گفتار فرجام گیرد
بشع حواله رفت. کاراگاهاں و دانش پناهاں خول ریختن فرمودند، و سادات و
اعلا پر کشتن قوتی دادند.

پنداری چوں خوں گرفته اینها شنیده باشد در دل اندیشیده باشد که خود را بگریختن
از نهنگامه بذر برود. و پس دزدانیه گنایم که همسایه یستی ست روزگار بسیر برود. از آنجا که سلاح
و سلب نداشت سر سیمه از جارت، و از فراگاه برآمد به جنگ سیلی دشت را و گریز پیش
گرفت. خوں خواهاں بخوں گرمی دروے آوختند، و خوںش را که بدویدن گرم شده بود
گر با گرم بر زمین ریختند.

قوی ندیم که مانی قناره روئی خویش
بسبزه که سر از طرف چو نبار کشد
فریب مهرز گردون موز که این به مهر
دهد فشار کس را که در کنار کشد
هو استیج شمی هر کرا بود در سر
سر به بدفن شایان تاجدار کشد

شیر خاں را دل در گزید و زبان در گزید به لایه گری و فصول گسری پیام آشتی در میان
داشت. تا چنان شد که هیچ کس را ستیزه در اندیشه نگذاشته. اناں گل و لاله که در راه بود و چون
و روز و شب از هر دی - آنے نے از شتایوری - نیا سوده بودند، پیاده آذرده پاسه بود،
یعنی از شتایوری گل و لاله

و سوار فرسودہ اندام، دستور پشت ریش، فریب دوستی از دشمن خور و گال (یعنی ہمایوں) و
 لشکر پاش کہ فریب از شیر شاہ خورده بودند) دست از غارت و تالاج غنیم کشیدند، و دم
 آسایش غنیمت شمردند۔ پایا بہ جادہ زہد اسن آشنا شد یعنی پایا اسن کشیدہ بخواب رفتند)
 و پیکر پاچوں صورت و با بہ بستر پیوند پذیرفت۔ سر از بالش بر نی خیزد تا کلاہ و منقر راجہ کنند
 و پیراہن حریر بر تن گران ست تا چلقہ و جوشن کجا برند۔ ہوا نمناک بود، وابر شہ نشاں؛
 تیغ در نیام زنگ بہت، و ندریں بر بارگی گراں گشت۔ سپیدہ دے کتیرگی تار تیغ
 جہاں راستہ و گرفتہ بود۔ ہنگام سازان ہنگام جوے کسیرہ بر غنود گال رختند۔
 شگرت سر آگاہی پدید آمد و طرفہ ہزار ہزار در لشکر افتاد۔ کلاہ از کپڑا و پارہ و دم از ہزار نشاں نماندند
 از دشت خواب جستہ، و بر اسپان بنے زین نشستہ، پرانگندہ ہر طرف تماقتند۔ گردہے
 ہرچہ با داما و گویاں سوارہ خود را بدیازند، و ہنر دے چند ساحل جویاں بنیاد دست دیا
 زدند۔ تاکہ اماں بزخم دم تیغ و کد اماں بزخم موج رود مرده باشند۔ و کد اماں از طوفان این
 دو آب (یعنی آب تیغ و آب رود) جاں بسلامت بردہ باشند۔ شہنشاہ و بحر و بر (یعنی ہمایوں)
 ننگ دشت نور و دیار شگاف دینی اسپ، را از فراز ساحل در آب انگند۔ پاسے از رکاب
 و عنان از دست و اسب از خم راں بدر رفت۔ و شاہ سوارے۔ کد شاہاں ہنگام سواری
 بوسہ بر رکابش می زدند۔ غوطہ در آب خورد۔ نظام نام آزادہ از آب کشان لشکر کہ چہاں
 از غولیش اقبال را چشم براہ و گوش بر صدا داشت دینی بے آگہ خبر داشتہ باشند منتظر
 عروج و اقبال خود بود) و با غولیش در این اندیشہ کہ از ساحل چوں گذرد بر ساحل جا داشت۔

ہوا خوامانہ ہواں جستی کہ کوئی گوے دولت برد۔ خود را آب در زد۔ بارے بدانت کشکال
 بیناں ستاقے سخت کوشے بود، و بہ والا دیدہ معنی آشتایان فرخ سروشے بود کہ جہانباں
 را از گرداب بر آورد و بر جانیان منت نہاد۔

از دستنبو

اگرچہ مرزا کی شتریں عموماً عربی الفاظ بہت کم آتے ہیں لیکن کتاب دستنبو میں جو
 غدر کے حالات پر مرزا نے لکھی ہے۔ التزام کیا گیا ہے کہ تمام کتاب میں کوئی عربی لفظ نہ
 آنے پائے۔ یا وجود اس سخت التزام کے مرزا نے دستنبو میں اپنی طرز خاص اور
 شاعرانہ ادوار یا لکین کو کیس ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ چنانچہ نمونے کے طور پر دستنبو
 کے چند فقرے اس مقام پر نقل کئے جاتے ہیں۔

”دیس روزگار کہ ہر مزہ را بخوار، و ہر کجا سپاہے بود از سپہدار،
 سخن پیوندی بگذارد و بگوے کہ خود روز و روزگار، برگشت۔ اختر شناسان سپہر پائے دینی
 منجماں) بر آتند کہ در اں روزگار کہ بزم نازیزد و جرد شہر یار پائیں از ترکا ز تازیان دہل
 عرب) ہم خود کیواں (زمل) و ہرام (تیغ) در خرچک (برج سلطان) انجن آراے
 و ہنر آدماے بودند۔ اینک ہاں پایہ (درج) سیزدہم از خرچک چچاں ہم پیستن گاہ (پاسے)
 قران) ہرام و کیواں ست؛ وایں شورش و پر قاش و جنگ، و عواری و غولخواری و گز
 و ننگ، نمایہ (ظہور) آست۔

و نامیں گفتارے کرود؟ آں تا حقن لشکرے دیگر بود از کشورے دیگر، وایں بر گشتن

شکرست از خداوندان لشکر چنانکه از داستان باستان پارسایان پارس بهم تماشتن
(عدم مشابهت) این دو ستیزه آورنده بودی دارد و در آن بارگشتن در کیش بود - ایران پارس
بقرة و فرنگ کیش نو دینی اسلام) فرجام آبادی، و از بنید آذربندگی را آتش پرستی آلودی
یافت. در این بار که گفتار و آئین است - هندیاں به چشماشت کدام آئین تانہ شادمان
باشند؟ پارسایان پنج از آتش یافتند، و بسوی خدا راہ یافتند - ہندیاں دامن داوگران
(یعنی اہل فرنگ) از دست دادند، و بچنگور دام ہمدی دواں (دورنگان) افتادند - نمی بینی
کہ از دامن تادام و از دوا دوا دوا چہ مایہ دوری است؟ وادانت کہ اگر امش (راحت) جز در
آئین اگر نیز چشم داشتن کوری است. زخم تازیانہ تازیان از خوبی آن کیش نفع (اسلام)
مرہے داشت؛ روزگار در نور و آس خستگی (یعنی قدر) خستگی اگر میداشت؛ بارانہ از شہر
ولما سے ترند (پیشاں و تباہ) بر میداشت. اگر در اندیشہ راز داناں بہ ہر دانش دوا -
انہیں پس پیش آمدے (بہبودی) ہست بہن نشاں دہند، و بدول اندو گین بہیناک
سپاس ہند. جہانیاں با جہانباں ستیزند، و لشکریاں خون شکر آریاں ریزند؛ و آگاہ
شادی و رزند، و ہر خوشی تین نہ لرزند. ہاں اسے داندگان فرزند بود (حکمت الہی) شکرانگان
زیان و سودا ایں ہنگام بہ آتش خشم خداوند گرم است؛ ورنہ کار بار پارس انجین امید ہوز
و آرزو گداز ہوز.

”چاشنگاہ دوشنبہ شانزدہم ماہ روزہ و یازدہم می سال یک ہزار و شہت صد و پنجاہ و
ہفت نا گرفت در دودیاں بار بار دہلی بجنید و آن جنبش زمیں را فرا گرفت بہن

بہن جنبش زمیں را فرا گرفت بہن

وز زمیں کر ز زلزله سنے رود؛ و راں روز جہاں سوز - بخت برگشتہ و سرگشتہ چند از سپاہ
کینہ خواہ میرٹ بشہر آمدند؛ ہمہ بے آرم و شور انگیز و بختا و بختی تشنہ خون اگر نیز دید باہ
در وازہ ہاے شہر کہ ہر دواں (علاوہ) از ہلوہری و ہم پیشگی تشگفت (عجب نیست) کہ ہم پیش
ہم سو گند نیز باشند - ہم پاس نمک و ہم پاس شہر گداشتند، و مہمانان ناخواندہ یا خواندہ را گرای
داشتند. آن سواران سرگراں سبک چلو (سبک خاں) و پیادگان تند خوے تیز دواں
در ہا باز و در ہاں را مہماں نواز یافتند و دیوانہ وار ہر سوت یافتند، و ہر کرا از فرمانہاں، و
ہر کجا آرا شگاہ آن جہاں، یافتند تا از گشتند و پاک نہ سوختند روے از آن سوی بر تافتند
شستہ گدایان گوشہ گیر، و بخشش اگر نیز تو شہ گزینہاں با ترہ و دودن می خوردند، و شہر
دور انیکہ گر پراگندہ جایجا روزگار ہر سے بر کند دینی رعایاے شہر ہر تیر از تیر شا گداں
و از غوغاے دزد و تیر و شب ہر اندگان، نہ پلاکے در دست، و نہ خدنگے در شست؛
اگر راست پرسی ایں مردم بہر آبادی کوسے و بزن اند، نہ براسے آنگہ بہ آہنگ پیکار
دامن بہ کرزند؛ با اینہ از آن کہ کہ راہ آب تیز زو بہ خاشاک نتواں بست، دست از
چارہ کوتاہ دیدہ ہر یکے در سراسے خویش با تم نشست. یکے از آن ماتم زدگان ہنم کہ در
خانہ خویش بودم؛ چون غریب و غوغا شنودم تا از تیر و ہوش دم زدم، و راں مایہ رنگ کفرہ
بر ہم زدم، آوازہ بخون غلیظین صاحب اجٹ بہادر و قلعہ دار در ارگ، (قلعہ) دودین
سواراں و پیاپے رسیدن پیادگان در راستہ بازار از ہر گوشہ و کنار، بلند گشت. بچہ شست
خاکے نماد کہ از خون گل انداماں از غواں زار شد، و بچہ گنج باغے ہنود کہ از بے برگی مانا ہنم

نوبہار نشہ۔ ہاے ااک جہانزاران واد آموز دانش اندوز نکو خوسے کونام، واکہ ازان
خاتونان پری چہرہ نازک اندام، یارخی چوں ماہ و تنے چوں سیم خام، ودریغ آل کو دکان
جہاں نادیدہ۔ کہ در شگفتہ روی بر لالہ و گل می خندیدند، و در خوشخامی بر یکک و تندر و آہو
مے گرفتند۔ کہ ہمہ یک بار گرداب بخوں فرو رفتند۔ اگر مرگ بر بالین ایں کشتگان بویہ (بگریہ)
خروشد، و دریں سوگ سیاہ پوشد، رواست، و اگر سپہ خاک گردد و فرویزد، و دریں سرگاہ
چوں گرد از جا برخیزد بجاست۔

اے نوبہار چوں تن بیل بخوں بخلط اے روزگار چوں شیبے ماہ تارشو

اے آفتاب روے بیل کو بدن اے ماہتاب دروغ دل ریزگار شو

بارے چوں اک روز تیرہ بنام رسید، و گیتی تاریکتر گردید، سید و زمان خیرہ کشش
(بخیرگی کشتند) ہم در شہر جایجا رخت تن آسانی انداختند، و ہم در ارگ باغ خسروی را آخر
اسپاس و نشیمن شاہی را خواجگاہ و خویش ساختند۔ رفتہ رفتہ از شہر ہاے دور دست آگلی
رسید کہ شوریدگان ہر سپاہ، در ہر فرود آمدن گاہ، (مترل) خون سپہداں ریختہ اند۔
گرد ما گردہ مردم را از سپاہی و کشتا در ز دل کیے گشت، و ہمہ بے آنکہ با ہم سخن بود۔ و در روی
یکدست بر یک کار کمر بستند؛ و انگاہ چہاں پر زور کرے و چگونہ استوار استی کہ جز بہ جنبش
جو خوش خوسے کہ از کمر گذر و کشتا نہ پذیرد۔ پنداری ایں لشکر ہاے بے مژدہ و جویان بشمار
مرا جادوب دار کمر بند کیے ست۔ آوے رفت و روب ہند بوم ہماں ساں کہ آراش و
آسایش اگر جویند۔ با نازہ پر کاہے گاہے نیابند ہمیں جادوب گیتی آشوب ہی خواست۔

ایک ہزار لشکر نگری ہمہ بے لشکر آراے آرستہ، و بسا سپاہ بینی کیسہ بے سپہدار
یخک بر خاستہ۔ توپ و گلولہ و ساچمہ (چھرا) و بارود ہمہ انضامہ انگریز آوردہ، و با گنجینہ داران
روے بتیز آوردہ۔ آئین تیر و ورزش پیکار ہمہ از انگریز آموختہ، و رخ بکین آموزگاران
افروختہ۔ دل ست سنگ و آہن نیست چراستوز و چشم نت رخنہ و وزن نیست چوں نگریہ؟
آوے ہم باغ مرگ فرمانداں باید سوخت، و ہم بر ویرانی ہندوستان باید گریست۔ شہر ہاے
بے شہر یار پیاز بندہ ہاے بے خداوند، چنانکہ باغ ہاے بے باغبان پراز و تھان نابروند۔
رہن از گیر و دار آزاد و بازار گاہ اوتما، خانہ و میرانہ و کلبہ (دکان) خوان لینا۔

از دیباچہ ثنائی در فاش کاویانی

غالب خاکسار ہر زہ کار را از آسمان زمین فرستادند؛ و فرماں دادند کہ دریں مشیخہ کشتاوری
(کاشتکاری) در زد، و ایں فرازاں (فرماں) را بازاں (توقت) نہ پسندد؛ و ناگزیری باست
(مضرت) کمر بستن و زمین خستن، گا در اندن و داند افشاندن۔ ناواں (کشتاوری) نکرد بلکہ،
بسوس در زمین غزل جاں کند و ازاں گہرا کہ با خویش آوردہ بود نیمہ دریاں زمین پر آگندہ
ہمانا (گویا) از ہر داند کہ کاشت ہزار داند چشم داشت۔ از مردارید کہ ور خاک نہاں کشتہ شنیدہ
کہ ریشہ سریزند۔ کاش جو کاشتے تا سود بردشتے۔ دانست کہ ہمہ را خاک خورد؛ (یعنی تلف)
شد ناچار) نیمہ دیگر را پیش شاہان روزگار بردہ دیدند و پسندیدند و خریدند شے باکیے از
رازداناں پرہوش (پریشان) رفت کہ در مہد اقیان منخل نیست؛ ابر بر باغ و ران و صحن و کون
کیساں بار و بار چراست؛ کہ مردم چندے ناوار و اندے (چندے) تو نگزد۔ گفت راست گفتی۔

توقع سرنوشت ہائیکے ست؛ (یعنی کیسا ست) جڑا شناس (دباہ الا تیان اگر ہست خدایں
نیت کہ کار و بار گروہے از ہر یک بر یک ورق و سوز و ساز بگرہ (گر دہے) از ہر کس بر یک
صفیہ نوشتہ اند آماں ورق از دفتر با غیش آوردند و برات روزی از ہر دو کہ مقدر بود و بوند
ایمان۔ از ان رو کہ افشا ک صفیہ از ورق صورت نہ بست۔ تمید ست آمدند و تمی کیستہ بستند۔
گفتہ از صیبت کہ دو چار سوے و ہر ع

بخبت صلیہ مدح و قبول تو غلم نیت

گفت آپ از نیت کہ برات (دجی یا چاک) نیاوردہ و این از نیت کہ سخنامے بلند داری
و بناشنا ساز ہاں (یعنی اجنبی زبان) حرف می زنی۔ گفتہ کہ کم تا از اندوہ باز رہم؟ گفت شکب
کوزو، و خوں گری؛ و آنچه از شیخ علی حزیں شنیدہ می گوئے
کس زبان مرا نمے فسد بہ غزیاں چہ التماس کنم

فشاں وادن اغلاط زبان قاطع پاس می خواست نہ ستیز؛ و قلم و ہند کس نمادہ باشد کہ مرا
بہیں نیکی بد بخواندہ باشد کیے خبر آورد کہ سن قاطع قاطع بر بانم؛ و گرسے افکار آورد کہ سن مخرب قائم
کیست تا از سن بدان جوا ننداں گوید کہ از در بدن و سوختن کاغذ جز حقان و دغاں چہ خیزد؟
بزہ مند گناہگار، شرم؛ اگر د آتش فلکند و ز تیغ دو نیم زندہ بہر دو گزند و خود تم دینی لایق
ہستم) و بہر و سزا سزاوار + + + + +
سخندان راستی جوئے را بایستہ آن کہ از ہر کتاب فرہنگ عبارت جامع آن را بدان گاہ و نیز

چہ کتابیں طبع بران کے جو ہیں لکھی گئی ہیں انہیں سے ایک کام قاطع قاطع اور ایک کا تحقیق قاطع لکھا گیا تھا۔

نکر و کائناتیں تیزی در جو ہر خط فرد و روز تا چگونگی پویندہ الفاظ کہ انگیرش گاہ معنی ست آشکار
شود۔ ہر گاہ آن را بہنجا رابل زبان نہ بیند۔ و اند کہ در سو دے زبان دانی جز نیاں نہ بیند۔
و گراں و اتند و کاراناں؛ مرا نیز خردے و روانے وادہ اند۔ فرازا آوردہ (یعنی آوردہ) نوشتہ
بیگانگان را چوں پذیرم؛ و از نیر دے خرد خدا داد کار چہ انگیرم؟ ہستی بخش را پاس کہ نیر و ترا
دانش من دانستند کہے ست کہ اگر چاہا کہ راز داں بود۔ راز گوئے نیز بودے ششیں سامان
بشار آمدے۔

ز غیشاں بہ بیگانگی شاد مانم	تا نم بکس چوں بکس می مانم
غویم وے روشناس غزیاں	چارہ سرفراز در بوستانم
گرفتہم کہ از تخم افرا سیام	گرفتہم کہ از نسل سلجوقیانم
دل دوست تیغ آزمائی ندارم	رہ در سہم کشور کشائی ندارم
بیدان معنی خداوند بر خشم	بہمنار پسلو زبان۔ پہلو نام
دو سی سال توقع معنی نوشتم	سز و گر نویسند صاحب تہ نام

قاطع بریاں۔ کہ صفت نقشبند خیال من ست، ز نامہ اعمال من ست کہ دریاں جہاں
بہن خواہند سپرد۔ ہدیریں جہاں خواہانند۔ و رول غر و آمد کہ بقاعے چند کلائے چند بقیر کہ
و این مجموعہ را کہ قاطع بریاں نام نہادہ ام۔ سپس در قش کا دیانی خطاب و ہم۔

۱۔ ملاکان مولانا محمد امجد علی صاحب دہلوی صاحب کتاب "تاریخ ہندوستان" نے فرمایا ہے کہ اس کتاب میں
۲۔ اس کتاب میں مولانا محمد امجد علی صاحب دہلوی صاحب کتاب "تاریخ ہندوستان" نے فرمایا ہے کہ اس کتاب میں
۳۔ اس کتاب میں مولانا محمد امجد علی صاحب دہلوی صاحب کتاب "تاریخ ہندوستان" نے فرمایا ہے کہ اس کتاب میں

نازم بجزام کلک طرز ترشش نامست ز تیزی بزم تیغ خوشش
چوں اسم کتاب قاطع بریاں بود گردید درفش کاویانی غلشش
ماشا کہ در هیچ محل از عقیدہ خویش رجوع کردہ باشم۔ سرودن سخماے ریزہ (متفرقہ)
جزا فروزون ہوش انگیزہ (سبب و باعث) نثار دیاراں جفا کنند، ومن بہ ازانے ہر جفا
(بہوض ہر جفا) و فاد زرم، ہمانا لکونی وہی یاراں خواہم و بس۔ بند مند، پند و ہم۔ و دودین
دارند، اندر زورین ندرم۔ سنگ زنت، شرم بارم۔

از لغت لطیات و دیباچہ ہائے

مرزا نے جو تقریظیں اور دیباچے اپنی اور اپنے دوستوں کی کتابوں پر ترشیں لکھے ہیں
ان میں جیسا کہ اوپر بیاں کیا گیا شاعری کا عنصر نظم سے بڑا غالب تر پایا جاتا ہے۔ وہ ہر ایک
معمولی بات کو تشبیل اور استعارے کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں، فقروں اور آئنے اجزائیں
عموماً ایک خاص قسم کا وزن اور قول اور اتر سجع کی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں، اکثر مکملہ صفات
متوالیہ و متناہیہ ایراد کرتے ہیں اور صفات مرکبہ جو نظم کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں اکثر
استعمال کرتے ہیں۔ پس سوا اسکے کہ یہ ترشیں شعر کے اوزان مخصوص سے جنگو اسکی ماہیت
میں کچھ دخل نہیں۔ مگر ایک اعتبار سے ان پر شعر کی پوری پوری تعریف ملتی آتی ہے
چونکہ یہ ترشیں مرزا نے خاص کر اپنے عالی دماغ اور مکتمل سنج معاصرین کی ضیافت طبع
کے لئے لکھی ہیں اور ان میں اپنی نوائیں طرازی اور نادرہ سنجی کا۔ جیسا کہ چاہے۔ حق

ادا کیا ہے اس لئے حبیب تک کہ انکے ایک ایک فقرے کی شرح نہ کی جائے عام ناظرین
ان سے کچھ لطف نہیں اٹھا سکتے اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ کتاب کا حجم زیادہ بڑھ جائیگا
جبکی وجہ سے کتاب کا مطالعہ ناظرین پر شاق گذریگا لہذا ان نثریوں میں سے صرف اس قدر
انتخاب کیا جائیگا جس سے مرزا کی ان جزیل اور گرانمایہ نثریوں کا کسی قدر اندازہ ہو سکے۔
اس غرض کے لئے ہم اول بطور مثال کے مختلف مقامات سے مختلف مضامین کے
کچھ فقرے لکھ کر دکھاتے ہیں کہ مرزا کس طرح معمولی باتوں کو تشبیل اور استعارے کا لباس
پہنا کر بلند منظر پر جلوہ گر کرتے ہیں۔ مثلاً کتاب تیغ آہنگ کا دوسرا آہنگ۔ جو مرزا نے
اپنے نسبتی بھائی علی بخش خاں کی خاطر سے لکھا ہے اور جیسے اپنی طبیعت کے اقتضا کے
خلاف زبان فارسی کے متعلق کچھ ابتدائی قواعد اور ہدایتیں قلبندگی ہیں۔ اسکے اول
میں ایک تمہید لکھی ہے جس میں طرح طرح سے یہ ظاہر کیا ہے کہ اس پچھلے سیمٹھے مضمون پر کچھ
لکھنا میری طبیعت کے بالکل خلاف ہے۔

وہاں ایک جگہ مضمون مذکور کی نسبت لکھتے ہیں ”دینے شور کہ چون ذوق سے در
طیعت زانہ۔ بیج گلین را در انجا ریشہ در خاک نہ دوزد۔ و خاکے نام استوار کہ ہر دیوار کہ دران
رگستاں بر کشد پیش از سایہ خود بخاک افتد“

فارسی دیوان کے دیباچے میں ایک جگہ اس مطلب کو کہ دیوان مذکور اور اسکے
نوادیر افکار میں اور داور تصنیع یا کسی استاد کی بلا و سطر تعلیم اور ہدایت کو مطلق دخل نہیں
اس طرح ادا کرتے ہیں ”بنامیزد یعنی چشم بدو در تختیں نقابے ست از روے شاد ہر

ہر ہفت کردہ معنی مجتہد شمس بر آقاوہ یعنی تنگ کشاکش دست ناکشیدہ۔ باز پسین چہرہ
از گرمی چراغان نیم سوخته پیلوئخ با فروختن دادہ یعنی دلخ مشق خس ناویدہ۔
ایک جگہ اس مطلب کو کہ خدا تعالیٰ نے مجھے جیسا دماغ معنی خیز دیا تھا ویسا ہی معنی کی
قدر و قیمت پہچاننے اور اس کے بیان کرنے کا ملکہ بھی عنایت کیا۔ اس طرح بیان کرتے ہیں
”معنی آفرین خدا کے گیتی آراے راستایم کہ تا نہایتناہ خیمیم را از فراوانی رنگارنگ معنی
پہل و گہر نداشت، باز ویم را از انوی مر جاں بنی و خامام را چنگانہ گہر یابی از انی وقت۔
اب ہم کچھ عبارتیں دیباچوں اور تقریظوں سے انتخاب کر کے یہاں تا فرین لکھیں گے جس
دیوان فارسی کے دیباچے میں ایک جگہ اس مطلب کو کہ لوگ مجھے اکتسابی علوم سے
بے بہرہ سمجھ کر میرے حسن بیان پر غیب اور میرے کمال سے انکار کرتے ہیں۔ اس طرح بیان
کرتے ہیں۔ ”لاے خم میخادہ سردی نسبت ناچشیدگان۔ سگانہ کہ بیچو انے را ایں مایہ سیرانی
نطق از کجاست؛ غافل کہ خم نیم خیمیک فیض ست کہ سبزہ را د میدان، و نہال را سر کشیدن
و میوہ را رسیدن، و لب را از مزہ آفریدن آموخت۔ و بہر تو متاب ازلی ہدایت شبگیر کردگان
اندیشند کہ تیرہ سرانجامے را لہن ہمد و شتانی گفتار چراست، بے خبر کہ قرۃ تابش یک نور ست
کہ شمع را بہ شعلہ، و قدح را بہ دادہ، و گل را بہ رنگ، و دروں را بہ سخن برافروخت۔ + + + +
و اعظم از کوتہ نظر ان تنگ چشم کہ میدان تازہ گل از گیادہ، و درخشیدن برقی بشہائے سیاہ
شگفت ندارند، و خیدین زبانہاے گویا بہ سخن ہائے نغز و شوخ را لکھن و خیمہ شکیں نفس ست،
و باد غالیہ سائے، و گل کشادہ روے، و دلیل نواجہ؛ و یاں چہ گنہ کردہ است کہ سخن ہرے

ایزید
دیوان
فارسی

نبا شد۔ مہر جلوہ بر تابہ، و قرۃ بیابی، و بحر روانی، و قطرہ آتلم، دل را کہ گفته است کہ از شورش
ستوہ آید۔ ہانا براست اس گروہ بادہ درختانہ توفیق ہاں قدر بود کہ حریفان گذشتہ را از دماغ
ساختہ، حالاً بیاض بزم سخن بر چیدہ، و جام و سبہ بر سر ہم شکستہ، و از ان قلزم قلزم را وق تے
بر جاسے نامزدہ، پندارند کہ کاش با بختے۔ کہ من در فردیس نمودہ (یعنی صفت پائیں) بہ حلقہ
او باش قدح می گیرم۔ فرارندہ تا وار سند کہے فراوانست، و ساقی بے دریغ بخش بہ پیادہ
بجرعہ ریز ست، و لہبا العطش گوے۔ و شد و زتن قال۔

ہونواں ابر حست در نشان ست نے و میخانہ با ہر نشان ست

ازے صہبائے سخن بہر دو گارین او گنگلی تند و پر زور ست؛ و شب اندیشہ را بہ قرد میدان
سپیدہ سحری برات فراوانی نور ست۔ ہرگز نہ رنگاں سرخوش غنودہ اندو من خرابیتم؛
پیشینیاں چراغان بودہ اند، و من آفتابستم۔

اس کے بعد ایک جگہ اپنے تمام فخر و مہمات پر افسوس کر کے اس طرح لکھتے ہیں ”انفانت
بالاے طاعت ست۔ در ہوائے کربال بالا خوانی (یعنی خود ستانی) زدہ ام، و در آوازے
کہ خود را بہ شکر فی ستودہ ام، نیمہ از ان شاہد بازی ست؛ یعنی ہوا پرستی۔ و نیمہ دیگر تو اگر ستانی
یعنی باد خوانی۔ میدانیں کہ ہر جا بشانہ سخنے از زلف مرغولہ سواں کشودہ شود۔ بلا درین آدینہ
تا دل بہ پیچاک آن شکن بندے۔ و خواری تلکہ ہر گاہ از خود غافل و از خدا فارغے براؤنگ
سروری کہ نشیند۔ ہوس مرا بر انگیزد تا بہ پیش بندہ وار است آئینے۔ شادم از آزادی کہ سیا
سخن بہنجا عشق بازاں گزادہ ام، و داغ از آرمندی کہ ور تے چند بکردار دنیا طلباں در مرج

اہل جاہ سیاہ کر دسٹم۔ دینا کہ عمر سب سیرختے بہ چاہے وچنگ سر آمد و پارہ بد رفیع و دروغ رفت
فرجام گراں خوابی بر تاخت؛ و آشوب ہوناسکی فرو نہشت۔

خاتمہ دیوان فارسی میں اس بات کا عذر کہ دیوان کی تکمیل میں کیوں اس قدر
لگی کہ اکٹالیس برس کی عمر میں اسکے چھپانے کی نوبت پہنچی۔ اس طرح کرتے ہیں کہ فکر
شائیت خود سوار بلند پروازی اسکی روک تھام میں بہت سائنہ گزر گیا۔ اور اس مطلب کہ
اپنے طرز خاص میں یوں او کرتے ہیں۔

”ہاں وہاں رشتے بہاں توسنی کہ عنان شمس و شامش بوسے بڑھتے، واز
شمسوی (سکرشی) گام بد رازی نناده جز بہ پناہ شتافتے۔ از ترسندہ دلی عنان شمس کشیدہ،
دیر لایہ آواز بوسہ اش آرمیدہ داشتے۔ چوں پارہ از راہ بدیں گونہ کہ بر فخر دم۔ بریدہ شد،
دور بلند گشت؛ ہم جوش شندی توسن فروشت، و ہم دست و پاسے سوار از عنان و رکاب
خستگی پذیر آمد۔ تاب ہمرنجہ دوز مغز در سر سوار گداخت، و تفنگی ریگ بیاباں نعل در پاسے
حقا و زخم کرد۔ رابض را دم و کرتہ را قدم بگذازد آمد۔ ہم آپ بہ آخر گرایند، و ہم ایں را بہ بستر
نیا ز آمد۔ تو تانی بہ چارہ سگالی توسنی سر آمد؛ و در ہنگام گشتہ می خستگی روے آورد۔ +
++++ کیست تا از من پیرسد؛ و اگر نا پیر سیدہ گویم مدوش فرو دآید کہ دیر سی سال
ہمت را با فطرت چہ آویزش با (یعنی جنگ) روے دادہ؛ و پس از انکہ کار بہاں جا رسیدہ
کہ ہمد گراں کو فکلی فرما تہد۔ بیابانی گری توفیق بکدام قرار داشتی اتفاق افتادہ۔ خامہ دیریش
بود، و شوق نود و گراے؛ (جلد باز) گفتار از نسیب دور باش اندیشہ بر از ناسے خامہ

افکار
دیوان
فارسی

دل و زباں خوں شد؛ و اگر ناگہ از دل بڑیاں رسید۔ و الا سچی بہت آں را ہنجا نہ سپرد۔ چہ
منش (طبیعت) کہ ز دانی سر دوش ست در سر آغاز نیز گزیدہ گوے و پسندیدہ جوے بود۔
الہ شیت از فرخ روی (یعنی سبب آزادہ روی) پے جاوہ نشناساں برداشتے؛ و کثری
ز قبا آناں را لغزش مشتازہ نگاشتے۔ تا ہمدراں گجا پویش خراماں را بختگی از شش ہمدی
(یعنی لیاقت ہمدی خویش) کہ درین یافتند۔ ہمزنجید، و دل از زرم (مرگ) بہ درد
آمد۔ اندوہ آوارگیہاے سن خوردند، و کمونگار اندویش نگرستند۔ شیخ علی خریں بجنہ
زیر لپی بیرہر دیہاے مراد نظم جلدہ گراخت؛ و ز ہنگاہ طالب آملی و برق چشم
عرفی شیرازی مادہ آں ہرزہ جنبش اسے نار واد پاسے پھیاسے من بسوخت۔ ظہوری
بسرگرمی گیرائی نقش (تاثیر کلام) حرزے بازو و توشہ بکریست؛ و نظیری لا ابالی خرام
بہنجاہ خامہ خودم بچالش (در قمار) آورد۔

دیوان قفہ کے دیباچے کی تمہید میں ضعف و انحطاط قوی اور اپنے قلب باہیت کو
اسطرح بیان کرتے ہیں۔ ”ہاں اسے غالب تیرہ روزہ زخم اختر کہ بدیں ہستی و کسائی شخت
کہ تراست۔ ہاں مانی کہ دانی در عالم فرمن محال پسندے دیدہ ایم بر آتش آرمیدہ۔ اللہ
چہ مایہ جوش سودا ست (یعنی غلبہ مادہ سودا) کہ ہر نفسے کہے کشی۔ چوں خطے کہ از قطرہ آوزند
ہم رنگ سودا ست۔ آں فکر و اندیشہ۔ کہ از روانی خامہ در روانی گفتار آب و ہوا داشت، و
نفس را فرو رویں پرتسا بود، و چاشتگش را نسیم سحری پیشکار۔ بدیں ناخوشی و زردی ہر
جراست۔ سبزو را چہ افتاد کہ ہم پیدن دل از دست تماشا بیاں نہر، و نمچہ را چہ روے

نویسندہ
دیوان
فارسی

واو کہ بہ دین پرده شکیب نظر گیاں دوزد۔

اں اثر پرده سازت چه شد زمره خارہ گدازت چه شد

اں زنجوں پرده کشائیت کو دلولہ سلسلہ غایت کو

اں نفس نالہ کندت کجاست و اں ہلکہ جلوہ پسندت کجاست

گفتی (یعنی در جواب گفتہ) کہ سوز غم دود از دل بر آورد، و گداز نفس آذر در زباں زد۔

بالے کہ ہر آئینہ نگہ اخت، و باز بانے کہ ہانا سوخت، عذر غم دگی مسوع نیست۔ بتیا ہیں

دل بندہ اٹھ ز نواسے را سخن نیم، و ہمیں زبان کثر نعمت ایں المفسر اسے را بقدر آرم

دینی طوعاً و کرہاً تقریط دیوان تفتہ بزگاریم

زمن جوے در بزد نکو زیستن جگر خوردن و تازہ زوہ زیستن

سمن چیدن و در رہ انداختن دل افشردن و در چہ انداختن

در اداسمن چیدن و در رہ انداختن آنکہ بہ گناہاں اظہار خوشحالی می کنم و اندوہ درونی را

کہ دل افشردن عبارت از اسست و در چاہ می اندازم تا بہر یکس ظاہر نشود

رداں کردن از چشم ہموارہ خون پشور پشستن ز رخسارہ خون

ننگفتن ز داسے کہ بردل بود تفتن شمارے کہ در دل بود

سایش سخن چشم بدوز خلمکہ سخن را شربے ست پر زور کہ زمیں از اس بہ لاسے

(یعنی ببردے) و سپہ از اس برونے آنچناں برقص آید کہ اگر کعبہ را حجر الاسود از دیوار مشرقی

را عامہ از فرق فرد و افتہ شگفت نماید۔

از تفتہ شگفت نماید

انتخاب از مکاتبات

مرزا کی نثر فارسی کا سب سے بڑا حصہ انکے مکاتبات و مراسلات ہیں جن میں سے اکثر

بہت صاف اور سلیس ہیں اسی لئے ہم اس حصے میں سے بہ نسبت اور نثر کے کسی

قدر زیادہ انتخاب کرینگے اور جہاں تک ہو سکیگا شکل فقر وں اور دقیق عبارتوں کے

نقل کرنے سے احتراز کیا جائیگا۔ اور نیز جو امور مرزا کے خانگی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں

انکو بھی چھوڑ دیا جائیگا۔

مرزا علی بخش خاں فیروز پور جگر کے میں ہیں، نواب احمد بخش خاں کا انتقال ہو گیا ہے

اور انکی جگہ شمس الدین خاں مسند نشین ہوئے ہیں۔ مرزا نے علی بخش خاں کو کلکتے پہنچ کر

خط لکھا ہے اس میں لکھتے ہیں۔

”میر فضل موسیٰ خاں نام بارے دہتم، اور انا گرفت (ناگاہ) در عرض راہ بہ مرشد آباد ہوا

در نور و گفتگو ہاے و پرس و جو ہائے گرفت۔ از جا مگذاشتن دینی از مروت (نور الدولہ بہادر)

بہن خبر داد، و باز بہ کلکتہ مرزا افضل بنگ دو گراں برگشتند۔ آو خ! کہ چرخ روشن این دواں

مرد، و شبستان آرزو ہائے توار شد۔ از جانب شما اندیشا کم، و دایم کہ انچہ شمارا پیش آید دلخواہ

بنا شد۔ نا کساں را روز باز خواہ بود، و فرمایاں را گری ہنگامہ زدہ و اگر انجن از ہم پاشند

و پرانگندہ چند گرد آئند۔ دولت روسے گرداندہ و اسودگی بر خیزد۔ زمینار ہوشمندی را کار بایست

و ہموارہ بخود نگراں بایہ بود۔“

ایک اور خط کو جو علی بخش خاں کے نام لکھا ہے اسطرح شروع کرتے ہیں ”جان بہادر

سخن را از افرادی بر روی هم افتادن است؛ و گره در گره گردیدن. و من آن می خواهم که
 انحراف گویم، و سود بسیار دهد، و ششونده آن راز دور یا بد. و این مسیح (قصه) دوائی پذیرفت
 مگر آنکه گویند در آن کوشش که نشستن از گفتن آن مایه بود تر خود که سر این هر دو رسته با هم در
 نتوان یافت؛ و نقش یک در آینه دیگر نتوان یافت. زمانه گوش من دایره و فراسید
 که چه می گویم، و این گفتن چه می خواهم، و شمارا در برابر آن چه می باید کرد، و انداز آن بابت
 تا کجاست، اسکے بعد کچھ خانگی معاملات تحریر کئے ہیں۔

میر اعظم علی اکبر آبادی مدرس مدرسہ اکبر آباد جو میرزا کے ہومن میں اور انھوں نے
 بیس برس کے بعد مرزا کو خط لکھا ہے اور خط نہ پہنچنے کی شکایت کی ہے اسکے خط کا جواب
 اس طرح کئے ہیں۔

امروز شہزادہ بد اعظم زوہ اند
 از کثرت شور عطش منوریش ست
 جنبش خامہ عیسوی ہنگامہ مطلع کرم مخدوم اعظم را نام کہ پاجیاسے ہوسلی سے خود
 ساحت خاطر را عرصہ محشر ساخت، و بازار رستخیز گرم کرد. خار خار دیریں آرزو با سراز
 دل بدر آورد؛ و یاد آمد کہ مرا ہم در گیتی وطن، و از مہربانان بخشنے بودہ است۔ چون شہر پرش
 بہ خرمیشہ فرو بردہ اند یعنی احوال پر سیدہ اند، و خجکانی نوا تا ناشاکوفنی ست۔ و رازی
 زمان فراق۔ کہ بگمان مخدوم شانزدہ سال ست و بدانت نامہ نگار کم از ست سال
 ستریز کرنگے بودہ است کہ نقش آسایش از صفحہ خاطر ہاں ستردہ اند۔ آغاز و رو بہ دہلی

کہ در باد غفلت بہ قدح دہشتم یعنی قبیۃ ہوا و ہوس در سر بود) کئے از عمر بہ پیوندن جادو کا دوائی
 ہوس گذشت، و بے راہ ہر امیدہ شد تا سرازستی بگردید (یعنی بستی سے سر بھر گیا) و
 اندراں بخودی پاسے مصطبہ بجایہ گوے فرو رفت (گڑھے میں اتر گیا یعنی ایک ایسا صدمہ
 پہنچا کہ نشے ہرن ہو گئے) لاجرم در تہم شکستہ سراپاے، و گردانزدہ سر دروے، بر خاستم۔
 ہنگامہ دیوانگی برادر یک طرف، و خوفاسے دام خواہاں یک سو؛ آشوبے پدید آمد کہ نقش
 راہ لب، و گناہ روزنہ چشم، فراموش کرد؛ گیتی بیس روشنی روشناں در نظریہ و تار شد۔
 بالے از جن دوختہ، و خچے از خویش فرو بستہ۔ جہاں جہاں شکلی، و عالم عالم خشکی، با خود
 گرفتہ۔ و از بیدار و روزگار لالاں، و سینہ بروم تیغ لالاں، بجگستہ رسیدم۔ فرمانداں ستر بگی
 و کوچک دلی (یعنی مہربانی و شفقت) کردند، و دل را نیر و بخشیدند۔ آن ہمہ بخشایش کہ شادہ
 رفت۔ امید کشایش آورد؛ و ذوق آوردگی و ہوسے بیاباں مرگی۔ کہ مرا از دہلی بدر آوردہ
 بود۔ بدل نہ اند۔ و ہوس آتشکدہ ہاسے یزد و میخانماے شیراز۔ کہ دل را بسوے خود کشیدہ
 و مرا بہ پارس می خواند۔ از ضمیر بد رجسیت۔ (یعنی بشارتہ شہر کلکتہ جلد ہوسما از خاطر بدر رفت)
 دو سال در آن بقعہ تجا و در بودم؛ و چون گوزن جہل آہنگ بہند و ستاں کرد و پیشاپیش دیدم،
 و بہرہ رسیدم۔ روزگار برگشت، و کار ساخته شدہ۔ صورت تباہی گرفت۔ اکنون ششیش
 سال ست کہ خانماں بباد دادہ، و دل بر مرگ ناگاہ منادہ، بکئے نشستہ ام؛ و در آمیزش برو
 بیگانہ و آشنا بستہ۔

من اگر با اینہم رخ و اندوہ۔ کہ پارہ ازاں باز گفتہ۔ و رنگارش نامتہ و سپارش نامتہ کاہل علم

دکوتاہ دم باشم، دوزرگاں وطن را بیا دنیا رم، در عالم انصاف بزه منہستم۔ آنا گراںمایاں
 بہماں مہر و وفا کہ از دور افتادگان پیر بند و از مرگ و حیات دوستان باز بخونید۔ اگر گفتگوی
 آید، و سمند شکوہ عنان بر عنان یعنی مقابلہ یکدیگر تازد گوسے دعوی چگونہ خواہند برد، و
 قطع نظر از حریت آب و دناں (یعنی حریت مخلوب) کہ تم خدا سے تو انار اچہ جواب خواہند داد۔
 "کس از اہل وطن غمخوار من نیست مراد دہر پنداری وطن نیست"
 مولوی نور الحسن نامے ایک نوجوان نے لکھتے سے مرزا کو خط لکھا ہے اور اس کے
 ساتھ ایک نشر کا مسودہ اصلاح کے لئے بھیجا ہے۔ اس کے جواب میں جو خط مرزا نے
 لکھا ہے اس میں لکھتے ہیں۔ "پیدا آمد کہ خاطر عاظر را بجانب نثر گراشتے، و ہنگامہ اس
 گفتار (یعنی نثر نگاری) را در ایجاد (در کلکتہ) آراشتے بہت۔ بارے ہم دل پر بندیدہ شعلے
 نہادہ آید، و ہم اندر فن گزیرہ روشے پیش گرفتہ آید۔ دم سروی شاد (یعنی کم شوقی شہما)
 بدانش آموزی۔ اچھے دیور (یعنی در زمانہ گذشتہ) یہ کلکتہ دیدہ ام۔ یاد میکنم، و خون گرمی شہما
 (یعنی سر گرمی شہما) در خزانہ وزی۔ اچھے امر و رسمے گرم خود را بدیں شادی کنم، ہمانا در اندیشہ
 نہاے برگزیدہ ام براں زہوی کہ تم از شاخ اقتدار نکلے شدہ، و رطب بار آورہ؛ ہا نے
 ہنگامہ یوسفے در نظر دادم براں خوبی کہ دل از فرشتہ ربایہ از بند جباب بد آمدہ، و ہر ہفت
 کردہ۔ خواستہ آید کہ مسودہ نشر دہر ماہ بین فرستید، و من آن را اگرستہ، و نشست ہرگز نہ مانگیر
 بذکر را بابت کی آراستہ بشما فرستم۔ صاحب بن اگر زانتہ آید کہ گفتار چہ گفتار سو گود، و سخن جز بہ سخن
 شناختہ نشود، ہر چند ارادت شہما ذریعہ سعادت من و خوشندی شہما موجب رضامندی من است لیکن

تحریر در میاں نہ گنجد، و میبائی گری خامہ کار بر نیاید۔ آرسے نگارش یکدست است و گفتار
 تحت تحت۔ ستردن یک لفظ از میانہ، و آوردن لفظ دیگر بجائے آن بر نشانہ۔ و اناشناس
 کہ چہ بایہ گفتگو و چہ قدر پرس وجود دارد۔ و حق این پرسش نتوان گزارد۔ مگر بہرمانی۔ دریں
 تردید کی یکے از برادران۔ کہ در برادران از دوسے عزیز تر نیست۔ سخن ہائے پرانندہ مرا کہ
 عبارت از نثر است۔ گرد آورہ، و صورت سفینہ دادہ است۔ نیز پس اں مجموعہ پریشانی یا
 پیش شہما سے فرستم بتا دستا یہ سگالش در سخن و باز نماندہ اندازہ کوئی فن تواند بود۔ + + + + +
 نواب مصطفیٰ خاں مرحوم نے۔ جب کہ مرزا سے نیانیا تعارف ہوا ہے۔ مرزا کو خط
 لکھا ہے اور اس میں انکی شاعری اور نکتہ سنجی کی بہت تعریف کی ہے، اپنے تلایح افکار میں
 سے کچھ انکو بھیجا ہے اور ان سے تازہ غزلوں کی جو حال میں لکھی ہوں درخواست کی ہے۔
 مرزا نے اس کے جواب میں جو ایک طولانی خط لکھا ہے اس میں ایک لمبی تمہید کے بعد لکھتے ہیں۔
 "تاؤ کا تم در کشادہ بود، و رنگ رنگ متاع سخن بدوسے ہم نہادہ، کس از مشتری یا خلق
 بر در ترد، و سوداے خریداری از بیج دل سر برزد۔ چوں دکان را کالا، و زباں را حرما
 جگر آلا (یعنی اکودہ بخون جگر نماندہ) سوزن گرا نایہ خریدارے (یعنی نواب مصطفیٰ خاں) پیدا آورد
 کہ نقد راج سخن خود را بہ ہائے گفتار نامہ بین می دہد، و گوہر را بہ پلہ بیگانگی خرق می بندد۔
 + + + + ہاں دہاں اسے خریدار دکان بے رونق! از فراوانی مسرت و رود مسود
 ہمایوں نامہ چہ گویم کہ مرا۔ بالاکہ کوئی خواہ خوشیم۔ برین بر شک آورد۔ حوصلہ مرا کہ فرسودہ
 عنہا سے دہرم۔ گنجائی ایں مایہ شادی کو؟ و اندیشہ مرا کہ دل شکستہ دور باش یا رانم۔

فرجام پذیرائی میں ہم قبول کجا؟ روزگار ادا از غولیش چگونہ پیشاں گیرے کہ انجینس
سادہ را بخود در پیرے۔ و دوستاں را کجا قدر ناشناس پندارے کہ دشمنان نقد تالش
در بارہ خویش باور دارے۔ حاکم نہ آسان ست ستودہ شدن بہ زبان شیواییاں (یعنی
قصحا) و دشوار تر از انست اندازہ نمائی با نوازہ واناں

”قبلہ مزہ چل سالہ جلگہ کاوی انست کہ فراہم آوردم، و بر فرقہ فرقاں ساسہ افشاندیم
(یعنی مجموعہ نظم فاسی) کنوں ایم ہیاں روانی و آشم ہیاں گرمی نیست۔ گوئی پس از تختن آں
گنج۔ گنجداں برفتنہ، و آتخن ہرچہ ازل آورد من بود گفتہ شد۔ + + + + +
نواب مصطفیٰ خاں مرحوم نے مذکورہ گلشن بے خار کا مسودہ مرزا کے مطالعے کے
لئے بھیجا ہے اسکو دیکھ کر مرزا نے نواب صاحب کو یہ خط لکھا ہے ”دین کہ زبانم در تالش
بقرار است و اندیشہ در سگالش (مشورہ) گسلخ۔ امید کہ دراپ پایہ بزمہ خوشام گویاں شمرہ
نشوم، و ہمیں پایہ جرأت بزمہ نہ نگردم۔ بنامیز و چشم بہ دور) تذکرہ ترتیب یافتہ مجموعہ فراہم
کہ پیش خالق بلند نامی را نقش و نگار است، و نہال نکو سرانجامی را برگ و بار۔ رہرو نظروں
بہ بیدارے کنار پایہ۔ ایسے فوق سخن کام تماشا بردار و توشہ بہ ازیں بر مکر تو اندہست۔ حضور
یاں ہمہ جلگہ شنگی کہ سندر دشت۔ لبش بر شمعہ اسبے تر نتوانست کرد، و اہل آب از دیو بخشیدن
بود۔ تماگر وہے را از دور و نزدیک سخن زندگانی جاوید بخشیدید، و ایں لختے از عمر کار و گراں
کردن ست۔ جاوواں زندہ باشند کہ سخن گویاں از شما زندہ جاوید شدند۔ و ہنگناں ما بہ نکوئی
نام برآمد۔ باسے گنہ نشستن خامہ و گوہرین نہ گشتن نامہ در رویت الہی بہ نگارش اشعار پرورین شاہ

حضرت آرزوہ از چہ دوست؟ ہر چند ذکر خدام چہیں مقام در جریہ ایں فن نہ سزاوارتاں
فضیلت باشند لیکن اگر بقصاے فرط محبت جراتے بکار میرفت گناہے بنود، و در طلافی
آں بہ پوزیش نیاز ہے اقدا۔

حکیم احسن اللہ خاں مرحوم نے مرزا سے جب کہ وہ کلکتے میں مقیم ہیں خواہش کی ہے
کہ اگر آپ نے اپنی کچھ نثریں جمع کی ہوں تو بھیج دیجیے اسکے جواب میں مرزا لکھتے ہیں۔

”دور مند فوارا! نسیم در و در شکلیں رقم نامہ غنچہ ہیاں را از لہرہ کشاے، و نسیم ایں نوید را
خالیہ ساسے آمد۔ کہ روزگار بہ کز لکب تبطل زمان فراق نقش بے اعتباری ہاسے سن از
صغیر خاطر احباب نہ شمرہ و ترکتا نہ صرصریدا و جدائی خاکسار ہیاے ملاذ یاد غریزاں شمرہ“
”و معرض طلب شرف و ماندہ تر اداں نیز بان بے دستگاہم کہ نا گرفت (اچانک) مہانے

عزیزش از راہ دور در رسد و پچارہ ہیا بگرد سراپاے سرمایہ خوشیتن گرد۔ تا شور باے دور
بچنے و نان کشینے (یعنی نان جویں) فراز آورد من و ایمان من کہ بگرد آوردن نثر پر اگندہ پذیر ختم
و خود را ویریں کشاکش نینداختہ ام۔ چہ پیدا است کہ فرد بخیتہ کلک این کس (یعنی من)
نقشے ست نثر ہذا، (یعنی زشت) یا رختے ست فرہمند۔ (یعنی خوب) در صورت اول چہ لازم ست
خود را بچ فرودختن، و دہال نظارہ کیندگاں بہ سلم قرین؛ و در شق ثانی اندیشہ می سجد کہ
ز قضاں چہ بردہ اند و کدہ شنگاں چہ یافتہ کہ مارا آرزوے آں وایہ (یعنی در پیرہ) بیتا بآرد۔

۴۰ اہل سوریہ میں مفتی صدر الدین خاں مرحوم تھیں، آرزوہ کا ذکر میں کیا گیا تھا کہ مرزا نے جب یہ خط لکھا تو جواب
نے ان کا بھی تذکرہ فرمایا۔

انصاف بالا سے طاعت است۔ بدعوی گاہے کہ تو انانی قبیلت را بفرو میدگی فرنگ
 (یعنی پسندیدگی روش) مسلم داشته، و لہذا فور العین واقع بشیوائی شیوہ (یعنی بوجہ)
 طرز پر افراشته باشند۔ باکہ بایگفت کہ نتائج طبع ماکبائی ست، و مارا چہ لذت دیں بگرغائی
 سطرے چند کہ یہ بیا جلی دیوان ریختہ کسوت حرف و رقم پوشیدہ، و دود و سوداے کہ بکار این سفینہ
 موسوم بہ گل رعنا از سودا جو شیدہ است از مغال می فرستم و از شرم تنگ یا لگی بیکارم و تمام
 شیخ امام بخش ناسخ نے اپنا دوسرا دیوان میر موسی جان کے ہاتھ مرزا کو بھیجا ہے اسکی
 رسید اس طرح لکھتے ہیں "دریں ہنگام کہ فروماندگی از اندازہ گذشتہ دول با فسرولی خود
 گرفتہ است۔ تمام چہ سے نگارم و چہ می نگارم کہ دریں نگارستن نگہ از ناز بیدہ در غنی گنجہ و درین نگارش
 خامہ از شادی و رہنای (سرنگشت) سے رقصہ بخت را برسانی ستایم و چند ام کہ بطور معنی
 رسیدہ ام۔ خود را بگرا نمانگی آفریں گویم و انگارم کہ موسے را بایہ بیضا دیدہ ام۔ اگر مخدوم مرا
 بگرفتہ عیار این دعوی حیرتے روے دہم، و ایں بایہ بالا خوانی و خود نمائی از من عجب آید۔
 گویم ہاں انصاف، سخن بہ کنایہ می سرایم نہ بگوان۔ موسی اشارہ بہ سیدی لکڑی میر موسی جان
 و یہ بیضا عبارت از دیوان فروغانی عنوان۔

نہے دیوان کہ مدتش از دودہ چراغ طورست، و غلامش از دیباے علمہ مخور۔ قلم منی
 را سفینہ است، و جواہر مضمون را گنجینہ۔ +++ سبحان اللہ سخن بہ روزگار مخدوم بایہ
 رسید، و اندہ دوزاروفتی دیگر پدید آمد۔ اینک تا رسیدن نامہ من بجا طر عاطر جاسے گرفت، و شکوہ
 آن بزبان قلم رفت۔ مرا آبرو افرو، و از زبش مراد قلم جلوہ گر ساخت۔ خوشامں کہ دل

چشم و دلم جاسے باشد، و چوں نامہ من نہ بند بہ آرزو وارزد۔ گرد سراس نوازش گرم، و بریں
 پیشش جاں برافشام۔ ++++++

مولانا افضل حق مرحوم کے مکان کے قریب آگ لگنے کی خبر مرزا کو بذریعہ خط موسوم
 لالہ ہیر لال کے معلوم ہوئی ہے اس پر مولانا ممدوح کو اس طرح لکھتے ہیں۔

و قبلہ و کعبہ! اگر نہ ایں بودے کہ لالہ ہیر لال را ہواے دیدن عقدا سر، و ناگاہ
 شاہکاہے نشین تنہائی من گذر، افتادے۔ آں در گرفتن آتش گردا گرد والا کاشانہ، و خوشن
 خانہ و رخت ہسایاں از ہر کرانہ، و ز رسیدن آیسے بلازماں دراں میانہ، از کجا شنودے!
 و اگر نہ شنودے ہر کہینہ ہم حق دوستانہ پیش۔ کہ شیوہ غمخواری و اندوہ ربائی ست۔ ناگزاردہ
 ماندے، و ہم از دوی نیایش کہ لازمہ حق شناسی و پاس گزاری ست بتقدیم رسیدے۔
 ہاں اسے وفادار شمن! بیگا تھاں (چوں لالہ ہیر لال) کا بیاب پیام و نامہ، و آشنایان بگرفتہ
 رختہ خامہ!!

و اسے بریں کہ قریب از تو من بناید نامہ و اشندہ قمریہ عنواں زدہ
 "ہاں آں سوزندہ آذر سرگرمی شوق از من فراگرفتہ بود کہ بتیابانہ گرد سرگردید، و اندراں
 آتشک (شدت) زبائہ و شرارہ و خوشین نگہداشت۔ ہیہات من کجا و ایں ہمہ دعوی بلند از
 اکبا!! خود نمایتاے گمان تاثیر مرود و فاست کہ مرا بیں رنگ ہرزہ لاسے و باذہ سراے
 وارو، ورنہ آں را کہ از شعلہ آہ بگر سوزنکھاں دامن نسوزد، عجب نیست اگر آتش افروختہ
 پیرا من نسوزد۔ شکوہ شکیش، و پیغارہ (طعنہ) بر طوط، خداے توانا را شکر گویم کہ جاسے بی نیما

از بندگان خویش بگرداند، و نابے بصران را دیده و دیده دران را سرمه بدست افتد کشته
نیر وے جبریل و معجزه آسودگی خلیل را در نظر تازہ کرد + + + اگر دوستی کشیش و فرسای
تخو احم کشید، و مرا اندریں حال طلبی برین زبان طعنه دراز نخواهد شد۔ ازاں مخدوم بے عتبات
پاسخ این نامہ و تفصیل این ہنگامہ درخواستی و پرسیدے کہ دران ہنگام کہ آتش و بار زد
و نگہ بسراغ تیرگی و دودے و تابش نمودے فرارسید۔ شاچی کر دید؟ و نور چشم مردی و فرارگی
مولوی عبدالحق کہا بود؟ و پس از آنکہ رتخیز در ہمایہ آشکار شد، و ہزار ہزار غمین افتاد۔ سرگی
و رونق پرستار و بیتابی بردنی ہوا داران چه قیامت آورد؟ و اینہما آشوب چہ پایہ و کشید؟
و فرجام کار کہ فرود آمدنی دادند۔ بر کارخانہ و آب و نیوہ و بار کماران (یعنی اسباب ایشان)
کہ اینہا راجز باطراف کاشانہ محل نیست، و بیشتر از مینا طعنے آتش بلکہ از مینا (پندھن)
آتش است۔ چہ گشت؟ لیکن۔ چون از شش انفات از سن سلب کردہ، و مزائیک و رول
فرود آورده اند کہ حالیا دران گوشہ خاطر مچاسے نامند۔ ہر جگہ نام بطریق آرزو دست در پیش
سوال۔ والسلام

نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کے خط کا جواب جس میں شوق ملاقات اور غزل تازہ کی خواہش
ظاہر کی ہے اسکے اول اور آخر کے فقرے یہ ہیں ”سحر گاہے کہ دلم از در دشانہ چنانکہ موہن
مہریشہ از رخ ہمایہ درآرا باشد۔ بقرار بود، و دستم از اسلم بیانی دل و عشقہ دار فرزندہ سر
از در در آمد، و سپردن بہار سامان نامہ گل بجیب تمنا رخت۔ ہر چند نامہ سپار مس امید الکیا
مہر دل کو زمین سے اور شاد کو ہمایہ سے تشبیہی ہے۔

و دیده ہاں را تو تیا آورد، و تارک اقبال را افسر و پیکر آرزو را ز یو بخشید، لیکن انا بن کہ
اں قدسی مفاوضہ از شعر و غزل۔ چون نامہ اعمال زاہ از ذکرے و شاہ۔ سادہ بود، و دل سوز
یدان تیا سود، و خوارم یدان یکد و جزوہ صبا نشکست۔ بقلم بنے بنے، و نثر و دیدارے کہ دل نشا
اں تو اسبتن، و نہ کہ شمع غزلے کہ لب ز فرمہ اں تو اسبتن۔ + + + امید کہ
ازیں بعد نہ دوند ویر بانشا سے غزل شادم فرمایند، و نوید و بکو تا ہی نہادن روز فراق کہ
اندریں موسم کہ خسرو انجم بہ آشد جاسے دار و عجب نیست۔ بفرستند دولت و اقبال و زانو
جواب نامہ شیخ امیر احمد سر و مخلص مد رسیدن دلمو از نامہ دل را تو مند و شلخ
آرزو را بر و مند ساخت۔ گلا از نارسیدن یا شیخ نامہ ہاسے خویش مے کنید، و از خدا
شرم نہ راید۔ من خود از جانب شامگرانی دشم کہ گاید؟ و چہ در سر دارید؟ بارے پردہ
از روے کار شمار گرفتہ، و دشم کہ یک چند مرا فراموش کردہ بودید، ناگاہ در و جانب
مولانا تراب علی یدان بقعہ افتاد، و شنیدید کہ فلانی (یعنی غالب) از سخت جانی ہنوز زندہ است؟
مگر گمن بجنبید، و خواستید کہ نامہ یا و آورید؟ از فراموشی روزگار گشتہ اندیشہ کر دید؟ لاجرم
دو نئے چند بر ہم بافتید، و آرزو بای دیانچہ نامہ بافتید۔ از حال من پرسیدہ اید، چہ گویم کہ گفتن نیز و چنانکہ گفتہ ام
شکستہ دل ترازاں ساغر بلور شیم کہ در میانہ حق را گنی زرد و زہا
خیرہ سر، و آشفتمہ راسے، نہ زبان سخن سراے، و نہ دل از سراسر مگی بر جاسے۔

۴۔ بخند زبانی اس وقت لکھا ہے جب آفتاب برج اسد میں تھا چنانکہ اسد مرزا کا تخلص اور نگہ نام کا جزوہ ہے جس نے آفتاب
برج اسد میں ہونے سے متعلق بابہ کا یہی وقت میں آپ کا مجھے لکھا پتہ در نہیں ہے۔

چار سال می گذرد که مقدمه من با جلاس کونسل پیش است، و دلم از تفرقه بیم میداد
ریش حکم که قطع خصومت تواند کرد بنیاده، و هنگام به پایاں رسیدن تیر و شتاب میداد
در نیامده. حالیا براں سرم که چون جزو اعظم کونسل اشرا لامی لارڈ ولیم کوئینس بنیاد
بدین دیار در آید بدامنش در آوریم، و داد خواهیم، و استدعاست صدور حکم اخیر کنم که اگر
بر آند که نواب عالی جناب بدلی نخواهد آمد، و هم از اں رگدز با جمیع خواهد رفت. اگر
بچینست بدلی من و روزگار من، و آنچه از دوری راه و درازی کار من.

خواسته اید که نتایج طبع والا ستان بگرم و از ترویج بهای کام و زیان خود بنمایان
فرستم. فرصت آن کجا؟ و دماغ این کو؟ آمد نواب گورنر، و دیروزه اخبار از هر دو تریب
افراد مقدمه، و تمیز نگارش مال، سنجیدن اندیشه بهای رگدز رنگ، و سگالیدن اندازه
بیاں. آن مایه دستکاری و مخواری از کس چشم ندارم که چون در تنی انشا کرده باشم نقل آن
تواند برداشت؛ با چوں و دفتر از بهر نگریستن پریشان کنم آن اوراق پراگنده را فراهم
تواند کرد. بهر رنگ چند روز در مسافت دارید؛ و تا زمانیکه من پیوندد گاه گاه به نام
رنگ نداسے آئینه و داد باشد + + + + +

مولوی سراج الدین احمد لکھنوی جو کلکتے میں کسی عمدہ خدمت پر متمنا نہیں اور فرار کے
مناسبت پتے اور گھر سے دوست ہیں انکو نواب امین الدین احمد خاں مرحوم کے باب
میں جبکہ وہ ریش فیروز پور جہر کے کے خلافت اپنے مقدمے کی پیروی کے لئے کلکتے گئے
ہیں۔ اس طرح لکھتے ہیں دو محمد و غالب! اگر ناندہ مترگ بند بر دلم منادہ بودے من

و اتم و دل کہ در شکوہ چہ روش مایجاد و در گلہ چہ عریہ با بنیاد کردے. صرفہ شما (یعنی خود
شما) و ناکامی من است (جبکہ سبب سے شکوہ کرنے کی فرصت نہیں ہے) ورنہ اگر تاج توں
داشتے آن قدر با شما در آؤ غمتے کہ شما را دامن و گریباں بزیان رفتے، و مرا سر و دستے.
آخر از خدا بترسید، و از روستے و او سنجید کہ کار من و شما بد اں رسد کہ روز با یکدیگر در دنیا
یا دنہ گردم. گفتم (یعنی میں) او پر کہ چکا ہوں) کہ در بند گردار ش اندوہے تازہ ام شکوہ کجا
بخطا نداشتا دے رسد. اگرچہ اندرین درق گنجائی ایں دو سطر نیز بود لیکن اندیشہ براں
بچید کہ مبادا دوست و دانشا من مرا از خود غتر سند و ایہ و بدین گماں از قافی فارغ
باشند و من زیاں زدہ جاوید و گستہ امید باشم.

بالجملہ دریں نامہ نگاری دعاے اصلی بدین رنگ ست کہ برادر صاحب مشفق
نواب امین الدین احمد خاں بہادر ابن محمد الدولہ دلاور الملک نواب احمد بخش خاں
بہادر در ستم جنگ را ہماں موج بلا کہ ز در قلم شکستہ بود یعنی تقدی ریش فیروز پور خانہ
اسلاب فنا داد. خون و فایم گردن کہ دریں سفر از ہما پیش بازماندم. و اما ندکی و
بیچارگی من از اینجا تو اں سنجید کہ دندان بر جگر نم، و امین الدین احمد خاں را در سفر متنا
گذادم. اگر قاضی محبت بدین جرم بر نظم نشاند، و بہ تیغ بے دریغ خورم ریزد، سزا دارم.
و لطفت دریں ست کہ ہر چند درین باب گفتار گرایم، و ہنگامہ پوزش آرایم، تسساری
بیشتر گردد، و خجالت افزاید. مگر سراج الدین احمد تملانی برخیزد تا از گرائی تشویر فرستد
سکہ دوش گردم، و گرد خجالت از چہو بر افتانم. یعنی مکر یہ غمخواری و رہرو نوازی استوار

بندید، و خود را دوست ویرینہ امین الدین خاں دانستہ آنچنان چارہ سازی و گناہگری
بجا آید کہ ایسے دو منہ دروازہ خاں (یعنی امین الدین خاں) اسد اللہ رو سیاہ را فراموش
کند، و شمارا بجا ہے اوداند، و نیز برادر والا قدر گفته شدہ است کہ چون بہ کلکتہ رسید شمارا
دریا پر۔ داند کہ اسد اللہ پیش از دیہ کلکتہ رسیدہ است۔ قطع نظر ازین، مباح کہ بر محمد۔ آخر
خدا تھے ہست و دادے ہست۔ افسانہ کا کامی و تم کشی ایسے فروغ ناصیہ سعادت یعنی
امین الدین احمد خاں خارہ رادل بگدازد، و اہن را آب گرداند،

دوسرا خط مولوی سرانج الدین احمد کے نام اس طرح شروع کرتے ہیں "گوہر گیس
نامہ و لنوا میں از روزگار سے دراز رسید، دیدہ و دل را فروغ و فرخ بخشید، ناریدین
نامہ مرا بافسردگی شوق حل کر دید، چرا بہ مرگ من حل نہ کر دید؟ تا از دانشناسی بے شمار
بودے، و شمارا اہل دل ددانشور شروعے۔ من دایمان من کریشہ ہر شاہ مغز دل ویدہ،
و محبت شمارا جاں دراختہ تازندہ ام، بندہ ام۔ و فائزین من ست، و مودت دین من ست۔
اگر دنگارش نامہ درنگ روے دہر بر فراموشی محمول نشود۔ و رد واد دل، و ہنگامہ
در نظر، و تفرقہ با در خاطر، و سودا با در سر، چہ گویم چہی کنم، در دزد شب چگونہ بگری برم۔"
ایک اور خط میں مولوی صاحب موصوف کو استرنگ صاحب فارن سکریٹری
کو برنٹ ہند کی وفات پر اس طرح لکھتے ہیں مد عمر من و جان من! پس از رسیدن
اگر ای نامہ در بند آں بودم کہ پاسخ گزار شوم و اجزائے خود شرح دہم۔ ناگہاں دی کی
دو شنبہ پانزدہم ذی الحجہ بود آوازہ درآقا کہ مجموعہ مکارم اخلاق را شیرازہ وجود

از ہم گیسخت، شمع ایوان سروری مرزد، و نہال باغ آگہی را برگ و بار فروخت۔ و گویہ و مانگہ
را دست از کار رفت، و گرہ کشاے بستہ کاراں را تھے بناخن شکست۔ خاتم بدین۔ چگونہ
گویم؟ و اگر من نہ گویم کیست کہ نمیداند؟ کہ مستر اندر استرنگ مرزد، و از گیتی جز نام نیک
با خود نبرد۔ کاش روے گداختہ دیکھلی ہوئی کافسی، بر دزدہ گوشتم رنجمندے تا نشود
کہ چہ شد۔ اکنون امید غمخواری از کہ بایدیم داشت؟ و دل را بجایال گردش چشم کہ تسکین داد۔
رپوئے کہ فرانسس ہاکنس بہادر در خصوص وادخواہی من بہ صدر فرستادہ است۔
چگونہ کہ چہ پایہ امید کاہ و اندوہ فراے بودہ است تکیہ بر کار سازی آں چابک حسرت
بیدارے قادیانی استرنگ، دہتم اکنون از شش سو فلک بام دشمن ست۔ زمینار در
پانچ ایں نامہ درنگ روادارید، و بنوسید کہ آں والا گہر را چہ روے داد، و آں گلشن
روضہ مریدی را کہ ام تند باد از پا نگند، و پس ازوے سر انجام دفتر کہہ چہ شد و جایش کہ
گرفت۔ اللہ بس ماسوی ہوس۔

ایک اور خط میں مولوی صاحب موصوف کو اپنے ایک کلکتے کے دوست مرزا احمد بیگ
کی تعزیت اس طرح لکھتے ہیں "والا نامہ رسید، و فوید فراق دائمی مرزا احمد رسانید۔
چہ پایہ سنگیں دل و سخت جانم کہ نامہ و تعزیت دوست انشائی کنم و اجزائے وجودم
از ہم نمی ریزد۔ ہی گفت کہ بدلی می آیم، وعدہ فراموش بے مروت راہ گرداند، و تاقہ
بسر متزل دیگر راند۔ گرفت کہ خاطر دوستاں عزیز نہ داشت۔ چہا بحال خرد سالان خود
نہ پرداخت، و سایہ از سرشاں باز گرفت۔ و اے بے یاری یارایں وے، و درینا

بے پردی سپران وے، ہر خیز از مرگ نتوان نالید، گشتن تار و پود پندارستی
 را چارہ نتوان کرد لیکن انصاف بالاے طاعت ست، ہنوز ہنگام مردن مرزا احمد بود
 چرا آن قدر صبر نہ کرد کہ بہ کلکتہ رسیدے، وروے نظارہ فروش در گاہ دیرے۔ چرا آن
 وزنگ نہ وزید کہ حامد علی جواں گشتے، و کار ہا با نذرہ و افش وے رواں گشتے، چھٹ
 کہ ہمیں سپرش خود سال ست، و باشد کہ حقیقت سراپہ پردہ وانا، و گرد آوردن زر ہاے
 پرانگندہ توانا، نباشد۔ و باشد کہ چون آں سراپہ بہ چنگ آرد بیاد دہد، و بر فردستان خود
 ستم کند، و کہیں برادران رانا کام گزارد۔ ہر آمینہ دیں حال آئینے بایہ ہوشمند و حق شناس
 اگر گرد چارہ بر آید، و مخواری بے پردہ ماندگاں نماید۔ شدہ دژ من قاتل ہے
 مرا باشد از در دھنلاں خبر کہ در طفلی از سر بستم پردہ
 داشتہ کہ تیار کاں بچاں کاں عین فرض و فرض عین ست ہم ہر شاد ہم بر مرزا ابوالقاسم خاں
 بیکیسی ایں جامعہ در نظر باید داشت و غافل نباید بود۔ ان اللہ لا یضیع اجر الحسین
 ایک اور خط میں مولوی سراج الدین احمد سے دوستانہ شکایت اس طرح کرتے ہیں
 "دو زینہار صدر ہینار اے مولوی سراج الدین! تیرے اصنافے جہاں آفریں کہ چون تیرا
 قائم گردد، و آخر پر کار بشینند، من گرایاں و ہویہ کنایاں دلاں ہنگام ایم، و در تو آویزم،
 و گویم کہ ایراکس ست کہ یک عمر مرا حبست فرقت، و ولم برد، و چوں من از سادگی برد فا
 تکیہ کردم، و ایں را از دوستاں برگزیدم۔ نقش کج باخت، و بمن بیوفائی کرد۔ خدا را
 بگو کہ آں زماں چہ جواب خواہی داد؟ و چہ عذر پیش خواہی آورد؟ و اے برین کردگار

گذرد و خبر نہ داشتہ باشم کہ سراج الدین احمد کجاست و چہ حال دارد۔ اگر جفا بیاداش
 و فاست بسم اللہ ہر قدر توانی نفیر اے۔ کہ انجا ہر دو فادان ست، لاجرم جفا تیرے بایک
 فادان باشد۔ و اگر خود ایں تغافل بہ باد افراہ (یعنی بیاداش) جسے دیگرست سخت گناہ
 خاطر نشان باید کرد، و انکاہ انتقام بایک شیدہ تا شکوہ در میاں نہ بخند، و مر از ہرہ گفتار نباشد۔
 ستم کہ معاش من از گونہ گون بخت و رنگ رنگ عذاب بہ معاد گفتار ماند، و خون در جگر، و آتش
 در دل، و خار در پیراہن، و خاک بر سر پہنچ کا فرہیں روز گرفتار مباد، و پہنچ شوم
 ایں خواری مینماد۔ راست بہ تنہا روی مانم کہ در صحرا پائیش بگل فرورد، و دہ جہنم
 خواہد کہ بالا جہد نتواند و فرود تر رود۔ و الا قدر نواب امین الدین احمد خاں بہادر
 کہ گیتی را بر رویش دیدے، و دصالحش را زندگی دانستے، بہ کلکتہ رہگرا شد۔ و گزشتہ زندگی از ہر
 خواہم و دل را بیدار کہ شادماں دارم۔ و اماندگی من از انجا نتوان سنجید کہ تو ستم ہمیشہ
 کردی، و روا داشتم اورا تنہا گذشتن + + + + +
 ایک اور خط میں مولوی سراج الدین کو اپنے مقدمہ کے بگڑ جانیکا حال اس طرح لکھتے ہیں
 "کارسین بہ داد گاہ دہلی۔ چنانکہ دانستہ باشید۔ تباہی گزید۔ حالیا براں ستم کہ اگر مرگ
 اماں دہ باز بدیاں در زمین در سپریم گورنمنٹ) ستم، و در دہل بدیاں رفیرہ فروریزم کہ غفل
 ہوا و ماہیان در بار بر خود بگرایم۔ بیہات! اگر معاش من ہیں پنجہزار روپیہ سالانہ ہم
 بدیں تفریق۔ از روے دفتر سرکار ثابت شدہ بود بایستے کہ صاحبان صدر مرا از پیش
 رانندے و گفتندے کہ ہرزہ مخروش؛ آنچه تو باز یافت و انودہ یافتنی از ان افروں تر

نہیں، وقرار دانیہاں ست۔ لاجرم دیوانہ بودے اگر میں کشور باز آمدے، و با
 ایک قبیلہ (یعنی با جمعی کثیر) کہ خوشیاں و برادران من اندر بہ ستیزہ بر تاختے۔ وہ
 باطل ستیزی نام برآورے۔ + + + + +

چکنم کہ کار برگشت، و روزگار برگشت۔ خدا را بگو، وہ در دل من دامن کو لبرگ
 تہو سطر کربل بہتری املاک برن مہرباں شود، و پوٹے کہ خوشتر از اں نتوان اندیشید۔
 بصدرفرستد، و جوابے کہ سودمند تر از اں نتوان بخجید۔ از صدر حاصل نماید، ہنوز
 آن جواب در راہ باشد کہ کو لبرگ مغزول گردد۔ و ہاکنش کہ بجائے کو لبرگ نشیند۔
 آنچه بر ہم زدن ہنگامہ سلطنتے را پس باشد۔ از بہرین بصدرفرستد، و من در اں دوری
 (معاملہ) از ستر استرنگ چشم یاوری داشتہ باشم، ہنوز اں پوٹ بصدرفرستد باشد
 کہ ستر استرنگ رہزور راہ عدم گویہ باشد۔ چوں از بہر گیل، و دامن بلج سوشین
 بنا و راویم، گرم از جا برخیزد، و دامن بر شغل جانانی افتاند۔ بجان اللہ!
 مغزول نگردد مگر کو لبرگ، برگ ناگاہ نہی دگر استرنگ بولایت زود مگر بلج سوشین
 در خور ایں صدمہ ہاے جاں کاہ نباشد مگر اسدا اللہ و ادخواہ۔ + + + + +

مولوی سراج الدین احمد کے نام ایک اور خط۔ دہلیو از نامہ پس از عمرے
 رسید، و عمرے دیگر بخشد، تا عمر باندہ سپری شدہ رات لانی تواند کرد۔ اما شاد گردن مے
 کہ ندادش بہ غم سرشتہ باشند نہ آسانست۔ ہم کہ چوں نامہ شمار رسیدے مستانہاں
 بر جیتے، و جہاں جہاں نشاط اندوختے۔ اینک تا چشم بسوا دایں صحیفہ دوچار شد گیتی

و رقطرم تیرہ و تار شد۔ نخست آنچه بنظر درآمد خود آشوب خبر مے بود کہ دل تا جگر خوں کرد۔
 یعنی از جہاں رفتن خواہم عزیز تھا۔ ہے ہے! ایں مخدومہ مرحومہاں ست کہ تا در ملکستہ
 خبر بخوری وے شنودہ بودید دل از دست رفتہ بود، و سر ایگی سراپاے خاطر را فرو گشتہ
 و رقطر دارم کہ از مردنش بر شاہ قیامت گشتہ باشد۔ تو انا از دپاک شمارا شکیب عطا
 فرماید، و تونمندی دل و توفیق ثبات ارزانی دارد، و ایں ساجد را در روز نامہ عمر شمس
 خاتمہ مکارہ و قطع مصائب گرداند۔

آتشکارا شد کہ مخدوم مرا از علاقہ تازہ خشنودی نیست۔ ہر آئینہ انکشاف ایں معنی
 بخار ملال بردل فرد بخیت۔ خدا را دلنگ نتوان شد، و ملکستہ را غنیمت باید پنداشت۔
 شارتانے (محمود) بدیں تازگی و گیتی کجاست۔ خاک نشینی اں دیار ازاد رنگ آرائی
 مرز بوم دیگر خوشتر من و خدا کہ اگر متاہل نہ بودے، و طوق ناموس عیال گردن نہ داشتے،
 دامن بر ہرچ ہست افتاندے، و خود را در اں بقعہ رساندے، تا زیستے در اں مینو کہ ہوئے،
 و از رنج ہوا ہاے ناخوش آسودے۔ زہے ہوا ہاے سرد، و خوشا آبہاے گوارا،
 فرخا بادہاے تاب، و خراثر ہاے پیش ریں۔

ہمہ گرمیہ فردوس بخوانت باشد غالب کں ابنہ بنگال فراموش مباد
 مولوی سراج الدین کو مرزا صاحب نے کسی واقعے کا قطعہ تاریخ لکھکر بھیجا ہے
 اور انھوں نے بغیر خواہش مرزا صاحب کے وہ قطعہ بہت سی طرح و تاش کے ساتھ خیار
 آئینہ سکندر میں چھپوایا ہے۔ جب وہ پڑھ کر مرزا کی نظر سے گزرا ہے تو اسکا شکریہ اور

ایک اور خبر کے درج کرنے کی درخواست اس طرح کی ہے دو گناے رانا مور
لسا خنق، ویسچے راہمہ پند اشتن، غایتے ست سرگ و مرتجے ست بزرگ، خاقانہ کہ
اں سرگ غایت بے ابرام داعی روکے ناید، و اں بزرگ مرتجے بے استدعاے
سائل بطور آید۔ مگر نہ اگر دیدہ حق میں دارد۔ بنگر کہ واجب تعالیٰ شانہ اجزائے ممکنہ
را کہ در کتب عدم متواری بودہ اند۔ بعض غایت پیرایہ وجود بخشیدہ، و براں معدومات منت
نہادہ۔ تھا کہ اگر تاملے بسز کردہ شود رقم گشتن قطعہ تاریخ در آئینہ سکندر انیس عالم خبر
می دهد۔ و چون ناخواستہ انجمنیں نوازش بمیاں آمد۔ ہر آئینہ روانی خواہش را چگونہ
چشم تماشا داشت۔ لاجرم در گزارش مدعا فصلے بمیاں نہادہ آرزو را سر انجام گفت۔ مگر
دادہ می شود۔

نفسہ بباد کہ قدر شناسی حکام رنگ اں رحمت کہ فاضل بے نظیر داعی یگانہ مولوی
فضل حق از سر رشته داری عدالت دہلی استغفا کردہ خود را از تنگ و عار وار باندہ۔ تھا کہ
اگر از پایہ علم و فضل و دانش و کنش مولوی فضل حق اں مایہ بکاہند کہ از صد یک دامانہ
و باز اں پایہ را بر سر رشته داری عدالت دیوانی بخند، ہنوز ایں عمدہ دوں مرتبہ دی خواہد بود
بالجملہ بعد از ایں استغفا نواب فیض محمد خاں (رئیس مجسمہ) پانصد روپیہ نامانہ برائے مصداق
تقدیم مخدومی معین کرد و تر خود خواندہ۔ روزیکہ مولوی فضل حق ازیں دیاری رفت و بخیرہ
دہلی صاحب عالم مرزا ابو ظفر بہادر مولانا را تا پیرود کند۔ سوے خود طلبید، و دو سالہ بلوچ
خاص بدوش و سے نہاد، و آب در دیدہ گردانند، و فرمود کہ ہر گاہ شامی گوئید کہ من

رضعت می شوم۔ مرا۔ جز اینکه بپذیرم۔ گزینہ نیست۔ آما ایزد دانا دانکہ لفظ و دل از دل نہاں
نی رسد الا بقدر جبر ثقیل، تا اینجا سخن ولیمہ بہادرست۔ غالب مستہام از شامی خود
کہ واقعہ توفیق مولوی فضل حق، و اندوہ ناکہ ولیمہ بہادر، و بدر آمدن دلساے اہل شہر
بنہارتے روشن و بیانیے دلاویز در آئینہ سکندر بقالب طبع در آید، و مرادیں تفقد
منت پذیر نگارید۔ والسلام

مولوی سراج الدین احمد نے خط اس مضمون کا بھیجا ہے کہ مرزا صاحب کچھ حالات
پاریسوں کے اسلاف کے کہیں اور کوئی ایسی کتاب نشان دیں جس سے آئینہ فضل
حالات معلوم ہوں۔ تیر کسی تذکرے میں درج کرنے کے لئے مرزا کے اشعار کا انتخاب و
خود مرزا کا ترجمہ طلب کیا ہے اسکے جواب میں مرزا لکھتے ہیں۔

”ہر نیسے کہ ز کوئے توجہ لگم گذرد۔ یادم از ولولہ عسکر سیکاز دم
رسیدن مہر فز نامہ دل برد، و جاں بخشید۔ اگرچہ اں جاں باسن نہاد، و ہم بر سر اں نامہ
بقشانن رفت، لیکن پاس دلربائی و جاں بخشی باقی ست۔ اسید کہ تا جاں بخشیدہ
یزداں در تن ست گزاردہ آید۔

مخدوم من در رسیدن نامہ پیشین دو دل (دشود) چراست؟ ہنوزم نشا طرود و
اں نیتہ در دل، و سواد سطور اں صحیفہ در نظر جا دارد۔ چون فرماں چاں بود یعنی ڈاڑھ
پیشین، کہ غالب خوشین شناس۔ تھے از رسم و راہ سرگاں پارس برگوید، و کتابے
انہاں گردہ نشان دہ کہ اراں دیں کش، و ساز ایں باستانی نہاں۔ انان اوراق

توان یافت، لاجرم دانش من (علم من)، اندازه سرخجام پانچ آن بر تافت (تخل نکرد) چون دوباره
گفتند که خواہش جنین است۔ ناچار تہ خوشی از دہاں و پرودہ شرم نادانی از میاں برواشتہ میگویم کہ
روائی این خواہش از یکس چشم نتوان داشت، و خود را بنیادش پرورش و تلاش خستہ نتوان
نگارند و بتان مذاہب با اینہ لانت آشادونی (واقعیت) آنچه میگوید نہ ہست و نہ ہر جای خود
(یعنی نہ مکمل است و نہ سراپا صحیح است) پارسیانیکہ در صورت و بطنی آشیان دارند نہ ہزار گمان نبری
کہ اژاں گروہ یعنی از شرکان پارس) جز نام نشان دارند۔ آن پویدہ اں ہزار یعنی اں و ش
و اں طریق، و اں نگارش و اں گفتار ندارند، و جز نمونہ و نژاد از روئے شیوہ پیاریاں
نمانند۔ پارسیاں از گرانمایگان روزگار، و برگزیدگان دادار بودہ اند، و بہ روزگار فرمانروائی
خویش داشتہ اسے سودمند (علوم مفیدہ) و کشماے خرد پسند (اخلاق پسندیدہ) داشتند۔
کشایش بہ از خواہش ہفت سپہر و نمایش اندازہ گردش ماہ و صہر، پدید آوردن نشندہ گہر
از تہ خاک، و بد کشیدن بادہ تاب از رگت تاک، پرورش اسباب خستگی و رنجوری، و گزارش
احکام پزشکی (طبابت)، و چارہ گری، پرودہ کشائی فرست اسرار گیائی (سلطنت) و فرمانبری
و رصد بندی تقویم آثا بہ بندگی و فرمانبری، عنوان بیک در بستن رنگ رنگ گہر، ہنجار
سزہ کردن گود گوں ہنر، دارو گیاہ فراخو بہر درد بکار اندر آوردن، و پرندگان ہوا
و درندگان دشت را شکار اندر آوردن، با کوتاہی سخن۔ والائی اندازہ ہر گونہ بنیش، و پیدائی
اندازہ کمال آفرینش، ہمہ در آئینہ اندیشہ ہمیں فراخاں روئے نمودہ۔ و انگیزش
بایستگی گفتار و کردار کہ اکنون بہ اندکے اژاں بسیار نازند۔ از مغرورانش این فرہنگیان بہت۔

گنجینہ خسروان پارس را از ہر علم و قدرے بود، و ہر قدر از گرانمایگی گنج گوہرے۔ چون
دولت اژاں طائفہ روسے بر تافت، و سکندر ابن فیلقوس بر ایراں دست یافت، گنج نامہ
خسروی بتبارج رفت۔ اما آنچه پراگندہ بود و گنجان بہر گوشہ و کنار داشتند۔ بر جامانہ۔ تا برگزگان
پیروزی تازیان در اں کشتش و کوشش از ہر جا گرد آمد (فرام آمد) و بفرمان خلیفہ۔ افزودنہ گنج
گراہاسے (عامہ اسے) بغداد شد۔ چنانا احکام آذر پستی ہم آذر باز گشت۔ زبان آذران
عرب پاری را بہ تازی انجند، و زبانے نازہ بر انجند۔ اکنون کیست تا بدان زبان کسن
سخن درست تواند گفت، و اژاں دیریں آئیں برستی خبر تواند داد۔ و پند ہندہ ایں راز را
کام دل بر نیاید، و من عناصر کہ ہر حیہ پس از فراوان جستجو فراہم آورد۔ نہ انچنان باشد کہ
دل بدان توان نہاد۔

دیگر انچ کلک شکبار ہاں رفتہ کہ نتجے از گفتار نارواے خود بہر نگارم، و نختے از باجرا
خود بہر گزارم۔ اندیشہ را بہ لب گردین و خرد را بہ شگفت نثار (و محل تعجب) افکند۔
چگونیم از دل و جانے کہ در بلاست ستم رسیدہ یکے نا امیدوار یکے
از چہ بدان از نرم و مرا ایں پایہ از کجا باشد کہ ستودگان مرا ستایند، و گفتار مرا دیند کردہ
شعر جاد ہند۔ از فرجام فرہندی ہستی (یعنی از شان و شکوہ ہستی) و سرور برگ پیدائی۔
کہ نزد کشکارا بنیان نمودن وال، و بالادید یکتا گزیناں (یعنی قائلان وحدت وجود نمودن)
بے بودست۔ انچہ من دادہ اند زبانے ست یا فرسے و خامہ ایست ہیودہ پوسے۔
من ہم از بے یابی چوں کو دکاں کہ درم از سفال سازند و بہ گنجینہ داری نازند۔ سرودہ زبان

و پیودہ خامہ را (یعنی کلام خود را) پارہ پارہ بہم بستہ و ریزہ ریزہ یکجا کردہ، بگمان نام آوری کہ دل از تاب اندو و ناروائی آں خوں ست۔ دیوانے ترتیب دادہ جایجا بنظر گاہ التفات یار آں فرستادہ ام۔ بزرگانے کہ بہ پیش غالب مستند روئے آرنہ۔ سوادہ ہر غزلے کہ خواہند از آں ادراق بردارند، کہ انتخاب و انتقاظ اشعار حوالہ ہر اسے نامہ گرد آور (یعنی مکتوبت مذکورہ) است، نہ باشند و ایماے سخنور۔ + + + + + اما اگر گزارش حال سخنور ہوس ست، خود ایں مایہ بس ست کہ چوں در جریہ آں فن از من سخن راستہ سخن را در ستایش من پس گوئے بہ گری نشاند کہ از ناکسان روزگار و بیکیان دہلی و یار سلمان ایست کا فرما چرا، و گریست سلمان نما، کہ از غلط نمائی غالب تخلص میکند و بدین گہ تراش می نماید۔

خوشتندی غالب بنور زینہ گفتن یک بار بغیر اسے کہ اسے بچکس ما پیناں نماناد کہ در اصل آفرینش از دودہ روز فرورفتگان، و طلقہ بخت بر گشتگان۔ سترہ دروے ہی نادیدہ کسم، آرایش سخن پیش دینی برفت (مگر) ترا دم، و نسب من با فراسیاب و تشنگ مے پیوند۔ بزرگان من از آنجا کہ با سلجوقیاں پیوندم گوہری داشتند، و بعد دولت ایناں را بہ سردری و سپہبدی افراشتند۔ بعد سپہی شہنشاہ دیکا و چاندی آں گروہ (یعنی سلجوقیاں) چوں ناروائی دیکسا و باری (و بنیوائی) روئے آورد۔ جسے را ذوق رہنمائی و غارتگری از جاے برد، و طائفہ را کشادہ زری پیشہ گشت۔ نیاگان مرا بہ توران زمیں۔ شہر سر قندار اشک گاہ شد۔ از آں میانہ نیاسے من از پدر خود بخندہ آہنگ ہند

کرد، و بلا ہور ہجرا می معین الملک گزید۔ چوں بساط دولت معین الملک در نوشتند۔ بہر ملی آمد، و با ذوالفقار الدولہ میز انجفت خاں بہادر پیوست۔ ز آں پس بہر محمد عبداللہ بیگ خاں شہا ہجماں آباد ہو جو ر آمد، و من بہ اکبر آباد۔ چوں پنج سال از عمر من گذشت۔ پدر از سرم سایہ برگرفت۔ عجم من نصر اللہ بیگ خاں چوں خواست کہ مرا بہ ناز پروردنہ ناگاہ گمش فرز آمد۔ کما بیش پنج سال پس از گذشتن برادر پیچہ نہیں برادر برداشت، و مرادیں خرابہ جاتنا گذشت۔ و ایں حادثہ کہ مرانشاہ جان گدازی و گردوں را کینہ بازی بود در سال ہزار و ہشت صد و شش عیسوی بہنگام ہنگامہ لشکر آرائی و کشور کشائی مصمام الدولہ جرنیل لارڈ لیک بہادر بروئے کار آمد۔ چوں غم مرحوم از دولتیان دولت اہل فرنگ، و بلا ابوہی چارہ سوار بر کاب مصمام الدولہ، با سرکشاں سرگرم جنگ بود، و ہم انجبتش با سرکار انگلیزی دو پر گنہ سیر حاصل از مضافات اکبر آباد بہ جاگیر داشت۔ سپہ سالار سرکار انگلیستہ بہ خوں بہاے آفتاب (یعنی نصر اللہ بیگ خاں) کلیتہ تارگدایاں را چراغ، و ما بینوایاں را بعضی جاگیر شہا ہرہ از خار خاجی جوئے و جرمعاش فرغ بخشید۔ تا امر و نہ کہ شمارہ نقش شماری زندگانی بہ چل و چار میرسد۔ بدایاں رات بہ خرمدم، و بدایاں فافع و سخن از پرورش یاقتان مبدای قاضم، و سواد معنی را بفرغ گوہر خویش روشن کردہ ام از پنج آفریدہ حق آموزگاریم بہ گردن، و بارہنت رہنمایم بردوش نیست۔

غالب بہ گزند و دودہ ز او شستم
ز آں و بعضای دہم نیست دہم
چوں فست سپہبدی ز دم چنگ شہر
شد تیر شکستہ نیاگان قلم

نامہ بیابان رسید، و شرم پراگندہ گوئی و دراز نفسی بر من آشکم کرد و دیدہ وراں دانند
کہ گفتنی فراواں بود، و افسانہ پریشان تا کجا اندک گفتے، و گفتار را از درازی نگاہشتے
مرا ورا پنچہ رفت گناہے نیست. و اگر خود گناہ است، دوست کریم ست و کرم خد خواہ. و السلام
منشی جو اہر سنگہ جو بہر تخلص کے باپ را سے چھیل دہلوی نے مرزا کو جیکوہ کلکتے
میں ہیں ایک رئیس کی نسبت جو اپنے باپ کی جگہ مسند نشین ہوا ہے۔ لکھا ہے کہ وہ حکیمانہ
طریقہ رکھتا ہے اور سخاوت اسکی جبلت میں ہے۔ اسکے جواب میں مرزا لکھتے ہیں۔ و ایک
گفتی غلامی روشن حکیمانہ دارد، و دنیا را کار آبا گاہی گذار دہا اس ہمہ اندوہنا کی خندہ ام
در گرفت، و عنان ضبط خویش از کفم بدر رفت. ندانی کہ بر اسپان باد ز قمار پر نشستن، و
گرد با گردہ مردم را پیشاپیش دو انیدن، تن را بلباس ز گانگ بر آستن، و معدہ را
بہ الوان خوردنیہا متلی گردانیدن، شہوہ از اندازہ بیرون راندن، و غبار مصیبت برفق
انساندن، از حکمانیاید، و پرتشکاں را شاید کار وانشوراں چیت، و دنیا را آبادی و دین
کو بہ نشستن، و دانش حببت در رویہ ظالمتن، تن را بر ریاضت فرسودن، و
پیاں را بہ بخردی پالودن. ہر کہ حکیم خود گزین ست کار و بارش این ست. بے برگ نہوائے
از شکیبہ گوناگون حسرت بدرجہتہ بہ فراخ ناسے سرخوشی دستی رسیدہ است، باز کجا کار آرد؟
و بالطبع کریم بود. ہنوز اوعیہ منی از ریح غلیظہ صالحہ کبدیہ متلی وارد، ہر آئینہ بفرمان باد
ست. روزے چند باش تا بنگری گرہ بر کینہ زر زناں، و در حسرت زرتلف کردہ زاری
کناس. ایں کہ فلاں دہماں را از زود خویشتن راندہ است۔ حقاکہ روسے در صلحتے

نداشت، و ہر چہ کرد از بخردی و اہلبی کرد۔ چہ۔ اگر دانا بودے، و خرد داشتے۔ آناں را کہ
راندہ است نہ راندے، و کار را آناں گرفتے. و ایناں را کہ با خود در یک پیرہن جادادہ
است۔ چوں غبار از دامن افشاندے، و ہرگز ہوا سے ایناں نہ رفتے. کودکی و بچا اصلی
در زید، مگر در سایہ صاحبزادگی و ولیمہ دی آناں دے پرداشت، و با ایناں نہتے رام بود
از آناں دل بدیں خیرگی خالی کردن، و در دام ایناں بدیں کوری درآمدن۔ نہ بفرمان نش
ست نہ بفرمان بنیش، حکیم کہ امیگوئی؟ و کرم پیشہ کہ امیخوانی۔ + + + چوں سخن دریں
باب بسیار ست نامہ بدعا ختم می کنم. دیدہ زنیستہ دست و دل را دانستے سودمند روزی باد۔
مولوی محمد علی خاں صدرا میں باندہ جن سے مرزا باندے میں ملکر کلکتے روانہ ہوئے
ہیں۔ کلکتے میں پیچکر انکو سفر کی تمام روئداد لکھی ہے اسکے آخر میں لکھتے ہیں۔ در روز شنبہ
چارم شعبان پارہ از در زبر آمدہ در کلکتہ رسید. غریب نوازیہا سے و باب بے منت را لازم
کہ در جنس دیار خانہ چنانکہ باید، و ہر گونہ آسائش را بکار آید، ہم اورا باندازہ فراغ خاطر از کمال
ضنائے، و ہم اندر ومانند دہاں آزدنیا طلباں بیت الخلائے، و در گوشہ صحن پر آب شیریں
چاہے، و بر طرف بام در غور اہل تنم آراگاہے۔ بے آنکہ جستوائے رود، یا گفتگوئے شود و محبت
و بے زحمت بکرا یہ وہ روپیہا باندہ ہم رسید، و آدم و چاروہ آتیکہ گاوار آتش گردید. و دو روز
از برج راہ آسودہ منشور لالہ النور (یعنی سفارش نامہ مولوی محمد علی خاں) را شعل را و عکاس
ساختم، و در شتی نشستہ آہنگ، ہلکی بندر کردم. لطف ملاقات نواب علی اکبر خاں طباطبائی
اگر گویم کہ مرا از بخت عجب آمد۔ رواست، و اگر گویم کہ مرا برین بر شک آوردنیز جادارد۔ بخت نہیکہ

خرد آفریدہ و خرد و برگزیدہ۔ بدیں گرانایگی و صاحب دلی درنگا گہ دیگرے نخواہد بود۔ یارب ایس
گوهر گرامی از کلام کان ست، و ایس گرامی گوهر گرامی ذات) از کلام ایس دو دواں۔ پارے
چون نخستین صحبت بود۔ بچاره جوئی و مصلحت پرسی در دسر نام، و دوسه ساعت نشسته نگردد
باز آیدم، آفرخ (افسوس) کہ دیس روز انواب را با حکام بھکی در خصوص زمینے کہ وقت نام باره
است معارضه در پیش و دل سرگرم فکر کار خویش ست۔ و بشد و راقائل
ہمہ را ماتی حسرت دنیا دیدم چوں بشارت کہ گہ و مسلمان فتم
روز کار فرما خبر و بخت فرماں پذیر باد۔

ایک اور خط میں مولوی صاحب مدوح کو دیگر حالات کے بعد کلکتے کے شاعروں
اور اپنے معترضوں کا حال اس طرح لکھتے ہیں: "از نوادر حالات اینکہ مخموراں و نکته بیان
ایس بقعہ پس از ورود خاکسار بزم سخن آراستہ بودند۔ در ہر ماہ شمسی اگر نیزی روز کیشنبہ نخستین
سخنگویاں در ہر سہ سرکار کپنی فراہم شدہ تھے، و توکلماے ہندی و فارسی خواندہ تھے۔
تا گاہ گراں مایہ مردے کہ از ہرات سفارت رسیدہ است و راں انجن می رسد، و اشعار را
شنودہ بباگ بلند می ستاید، و بر کلام نادرہ گویان ایس قلم و قشتم ہاے زیر بی می فرماید چل
بلبل بالذات مفتون خود دانی ست چنگاں حسدی بزند، و کلانان انجن و فرناگان
فن برد و بیت بن اعتراض نادرست بر آورده آں را شہرت می دہند۔ و بے آنکہ مرا
زباں بیایخ آشنا شود۔ از دانشوراں کہ خندوی و ملاذی نواب علی اکبر خاں و کرمی و طاعی
مولوی محمد حسن از انانند۔ جوابہای یابند، و پس زانوے غوشی سے نشینند۔ چنانچہ ہم

یہ فرمان ایس دوہر گوار مشنئے انشا کردہ ام، و بعد از اظہار عجز و انکسار خویش جوابہاے
اعتراض در اں ایات موزوں ساختہ؛ و آں شتوی (یعنی شتوی با و مخالفت) پسندیدہ طبع
عالمے افتادہ است۔ انشا اللہ العظیم زین بعد عریضہ کہ بد الاذمت خواہد رسید و رتے
از اں ایات در نور دآں خواہد بود۔"

نواب ضیاء الدین احمد خاں اکبر آباد گئے ہوئے ہیں مرزا آنکواپنے قدیم وطن اکبر آباد
کی یاد میں دلی سے اس طرح لکھتے ہیں: "جان برادر! اشک و آہ غالب نامراد، یعنی
آب دہواے اکبر آباد بہ شمساز گار باد و گزتم کہ خود را بسفر گرفتہ (یعنی فرض کردہ اید) و زور
خود (یعنی بدانت خود) از من دور تر رفتہ آید؛ اما چوں ہنوزم در وطنید، ہمانا کہ نزدیک
ہا منید۔ شادوم کہ شوق دور اندیش دیدہ و دل را دریں سفر با شتا و شتا و تا ہمدیں غربت
(یعنی درد ملی) داو شادمانی دیدار و وطن نیز تو انم داد۔ زمینار اکبر آباد را بچشم کم (یعنی چشم خات)
نگرند، و از رگہ رہاے آں دیار احفیظ گوئی، و آلا مان سراسے، گذرند؛ کہ آں آباد چہ ویراں
و آں دیرانہ آباد بلزی گا و چوں مجنونی، و ہنوز آں بقعہ را در ہر کف خاک چشمہ غونی ست۔
روزگارے بود کہ در اں سرزمین جز مر گیا (نام ستی) نہ رتے، و بیج نہال جز دل بارنیا و رز
نسیم صبح در اں گلکدہ (یعنی اگرہ) بہستانہ وزیدن دہارا آں مایہ از جابر انجنئے (یعنی بشورش
آوردے) کہ در اں را ہواے صبحی از سر و پا ریاں رایت نماز از ضمیر فرود رختے۔ چہ
ہر ذرہ خاک آں گل زمین را از تن پیامے بود و نشیں، و ہر برگ آں گلستاں را از جال
مرد و بے بود خاطر نشان؛ تا تا رگی وقت شمارا در نظر داشتہ در و پردہ شور و شیل انجنئے بود۔"

چشم براہداشت کر کے نویسندہ و درخ گنج گاہ نوشتند کہ خوش نگین یعنی اسپ نگین
کہ در اکبر آباد معروف است دعا سے مرا بکدام ادا پذیرفت؟ و دریا پیاسخ سلام من زبان مع
چہ گفت؟

نواب عبداللہ خاں صدرالصدر میرٹھ برادر نواب محمد سعید خاں مرحوم رئیس رام پور نے
مرزا کو لکھا ہے کہ میں مہرج کی شان میں قصیدہ لکھ کر اس زمانے میں مرزا پریشاں بہت ہیں اس
آنکے جواب میں لکھتے ہیں وہ خدام بلند مقام کہ سراجاں قصیدہ از غالب بے نوا چشم داشتہ اند
مگر آن فرسودہ رواں افسردہ دل را کہ ہنوز زمرہ است - زندہ پنداشتہ اند۔

لگان زیت بود بر پشت زبید روی پست مرگ وے ہزار لگان تو نیست
کاش کشائش این کار چوں صنعت نقاشی و گلستہ بندی تنہا بکشش دست و بازو صورت
بستے تا چشم از خشکی دل پوشیدے، و فرماں پذیرا نہ در پردازش کار کو شیدے کہ کم چوں ہیں
رشتہ در دست دل ست - تادل بر جاے نباشد زباں سخن سراے نباشد دیدہ و ران
صاحب دل دانند کہ چہ قدر با دیدہ و دل بہم کیغختہ شود تا نقشہ - ہواں شگرفی کہ بالغ نظر اں
پسندند - آئینہ نشود - ایں دل شکستہ بہم نہ پیوستہ کہ در سینہ من، و ہمان دشمن دیرینہ من ست -
ز ہمارا سخن گسری نیاید، و منی اکفر منی را نشاید + + +

قاصی عبدالجلیل بریلوی نے کچھ غزلیں اول ہی مرتبہ اصلاح کے لئے بھیجی ہیں اسکے
جواب میں اصلاح کے تعلق لکھتے ہیں: و خواہش حکمت و اصلاح مرا فرود چنداں دیدہ بدل
سواد و ختم نازیبا صورتے بنظر در نیامد، بخار و روش خود از زیر و پاس دورنی ست - آری

نے خامہ در بنان ہر کس خراسے دیگر دار و آموزش را دیں پردہ را نیست و اگر گویند
ہست، ہر آئینہ سے تو ائم گفت کہ نیست مگر نیم شبینی و ہم زبان آموزگار، و بسر بردن روزگار
در سرہ کردن گفتار چوں صحبت صورت ندارد، و گفتہ آمد کہ ہر چہ بہر خط گفتہ اند نہ غلط گفتہ اند
می باید حلقہ بر دور دل زود، و بہت از سبب قیاض در یوزہ کرد - بکثرت مشق، و فراوانی درش
و چہ روی را ہر وہاں راہ داں، کشائش ہا روے خواہد نمود، و اندیشہ را دستگاہ و گفتار
را سرمایہ خواہد افزود،

مولانا فضل حق مرحوم کو ایک خط میں خطہ بھیجے کی شکایت لکھی ہے اور ایک قصیدہ
جو حمد میں عرفی کے سب سے پہلے قصیدے پر لکھا ہے خط کے ساتھ بھیجا ہے اور اسکی
داد چاہی ہے وہ خط بھیجے لکھا جاتا ہے "سبحان اللہ! بالکے از فراموش گشتگانم، و دہم
کہ دوست مرا بہ دو جو بلکہ نیم خوش برگیرد - ہر گاہ باز دادن آہنگ گلہ روے آرم، و سخم
کہ ایں پردہ (یعنی نعمہ) را بے پردہ (یعنی بے حلف) می توانم سرود، و از تہرماں اندیشہ
دور باشی (یعنی امناسے) در میاں نیست - ہر آئینہ - بدیں شادمانی کہ ہنوز ہم با دوست
روے سخنہ هست - آنچناں بر خوشیتن مے بالم کہ غم جاں گداز فراموشی فراموش، و لباز
ز غمہ کہ دل در بند سرودن آنست (یعنی شکایت) خاموش می گردد۔

از خوشیتن بدوق جفا با تو ساختیم بامادگر مساز کہ با تو ساختیم
دیں روزما ہواے آں در سراقا دکبتیے چند در توحید تجیبا لعلنی گفتہ آید - چوں
کوشش اندیشہ بجائے رسید کہ نہ عرفی را محل ماند، و نہ مرا جاے - ناگزیراں ابیات را بر کسے

عرضہ میدارم کہ چون من صد و چوں عرفی صد ہزار را بہن پرورش تواند کرد، و پایہ ہر یک
بہر یک تواند نمود۔ والسلام

یہاں تک ہم نے مرزا کے مکاتبات میں سے جو بجا سے خود ایک دفتر طویل الذیل ہے
کسی قدر صاف اور سلیس عبارتیں انتخاب کر کے لکھی ہیں اگرچہ اس قسم کی اور بہت سی باتیں
اور خطوط مرزا کے مکاتبات میں سے انتخاب ہو سکتے ہیں مگر کتاب کا حجم بہت بڑھ گیا ہے
اس لئے ہم اسی قدر قلیل پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس انتخاب کے بعد ہر کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کی پسندی کے لئے ان مشہور
آستادوں اور نشانہ دلوں میں سے جن سے ہندوستان کے لوگ بخوبی واقف ہیں چند مخصوص
کی نشر کا مقابلہ مرزا کی نشر سے اس طرح کیا جائے کہ عبارتیں مرزا اور دیگر اشخاص کی نشروں
میں متحد المضمون پائی جائیں انکو ایک دوسرے کے محاذی لکھ دیا جائے اور اس بات کا
اندازہ کرنا کہ کون سا بیان کس پایہ کا ہے اور کون سا کس درجے کا۔ ناظرین کے ذوق و
وجدان پر چھوڑ دیا جائے۔

سب سے پہلے ہم دو متحد المضمون مقام سنہ نشر اور مہر عمر و ز سے نقل کرتے ہیں ظہوری
نے دوسری نشریں ابراہیم عادل شاہ والی بجا پور کی نو مفتیں الگ الگ بیان کی ہیں
جن میں سب سے اول معرفت انہی کا ذکر کیا ہے اور شاعرانہ بیان کے ساتھ اپنے
ممدوح کو اس صفت سے موصوف کیا ہے۔ مرزا نے مہر عمر و ز کے دیباچے میں ممدوحیت
کے بعد بہادر شاہ مرحوم کی وجہ کے موقع پر اپنے شاعرانہ انداز میں انکو پادشاہی اور درویشی کا

جاس قرار دیا ہے اور مثل ظہوری کے نظم و شعر و نویں یہ مضمون ادا کیا ہے۔ چنانچہ ہم دونوں
کتابوں سے وہ مقامات متقابل یک دگر نقل کرتے ہیں۔

غالب

ظہوری

آجا جہاری لفظ و معنی چہمت شناسی تا رنگ نیست از آنجا کہ بعد ہر وہ طور سے دیگرست، و پس از ہر بجا
کہ سخی خلیل خود بینی ابراہیم عادل شاہ را ہر منہ تمام سرخجامے جدا گانہ، و ہر عہد عہد اسے دیگرست
بہ نہ صفت بگاہ و ممتاز گردانیدہ اول معرفت یعنی اسے دیگر از اسامے انہی و در ہر وقت و جا
کہ با وجود حجب کثرت در شاہدہ شاہد وحدت کشائش طلسمے دیگر قوۃ از دی (شان انہی) کہ شہید
معنی کلام معجز نظام "گوشت انطا نلما از دشت را بنام آوری شکوہ خود غما از سیا و خشیہ، و انکہ
یقیناً، و وصف حال او ساختہ، گلتا نیت را بہ نشانندی فقر و فاقہ و غنچہ بیدے۔ منظرے
دوستان عقیدہ تش از حسن و خاشاک شک و شبہ کامل و مرتے۔ و شن خواست تا دماں منظرہ ظہور
پرواختہ مجموعہ عرفان موحدان فردے از بہر و رنگ، و دریاں طرقت رنویت بہر و صورت یکبارہ
و فقر شناسائش، معرفت و اشتکام سوے رود ہند۔ اورنگ و منبر کے شد، و وسادہ و سجادہ
سپندیدہ طبع توانائش، بہ توضیح بیانش دوئی از میان رفت۔ درفش کاویانی کہ نشان پادشاہی
نشان نامے بے نشان (یعنی ذات بی نشان) ست از عصا و دراکہ ہر دو شمار درویشان ہر دو
ہمہ دلہنیش و خاطر نشان۔ بہ اتفاقاں گرو درفش جمع آمدہ ہمت پذیریت کہ پندنی من بہ پند
تاکید نظر بر دو بیتاں زندا ختن، و یقیناً این و جزو بار بستہ است، و عصا و در و درفش اسباب
تندید بہ احوال احوال نپروا ختن۔ زتارہ گفت کہ دریں صفحہ (یعنی در درفش) نقش حبیبت ما

غالب

بایستجہ نہ پیوندیت کہ گیسختنش برکت کش
کشیشان (یعنی قیساں) نہ خند و کفر را
بایماں نہ سرسیت کہ صداعش مند اچار
از پیشانی برہنماں فبرود از صد تر و حیر
دوئی در کی گریختہ، وہ علاوہ بر بزمش خودی
در توئی آویختہ گوشتے حق شنو، چشے حق ہیں
دے حق جو، خاطرے عرفاں زبا، سینہ
سرفت خیز تار کے آسماں سا، جیسے
سجدہ ریز۔

مثنوی

پاسے رفعت بر آسماں دارد
سر خدمت بر آسماں دارد
در عبادت پر گشتن بودین
طرز او طرز حق پرستیدن
خلوت دیگران و صحبت او
وحدت این و آن و کثرت او

مثنوی

اسے کہ از از منماں آگاہ
دم مزین از رہ کہ مزدور نہ
در ہزاراں مرد و مردہ یکے است
آدمی بسیار آما شہ یکے است
ور تو سے پرسی کہ مردہ کیست
جز سر لاج الدین بباد شاہ کیست

ظہوری

در دلش این و آن نے گنج
بچ جعز حق در آن نے گنج
بیت شکن گشت چون غلیل تخت
بادش از زانی اعتقاد درست
گھر در فکر حکمت بر سر فاس
شرک و شرک نمیت اینماں
طینتش لاج خواہ طینت
نیتش پادشاہ نیت
در عبادت زہمے تو مندی
بندگی در خور حسد او ندی

سر وحدت بمنز برد از پوست
ہمہ آؤ کرد خویش را ہمہ پوست

غالب

در طریقت رہنما ہے ہر وہاں
در خلافت پیشوا ہے خسواں
انگہ چوں از راز وحدت دم زند
و قبر کون و مکاں برہم زند
انگہ چوں در نئے نوارا سر دہ
نے شود تھلے کہ شبلی بر دہ
شبلی از منبر دہ آواز عشق
شاہ ما بر تخت گوید راز عشق
عشق دارد پایہ ہر کس نگاہ
منبر از شبلی و تخت از پادشاہ
انچہ ابراہیم آدم یا فقت
بعد ترک مسند جم یا فقت
شاہ دارد ہسم در نہروی
خرقہ پیری و تاج خسروی
شاہی و درویشی اینجا باہم است
پادشاہ و عہد قطب عالم است

۴۱۲ مثنوی کا شعر شاہی ہے اور اس کے ہر مصرعہ کے ساتھ ایک بیت غالب کا ہے۔

شیخ علی حزیں اور مرزا کے طرز بیان کا مقابلہ

شیخ نے جو اپنے دیوان کا دیباچہ لکھا ہے اسیں وہ فخریہ فقرے جو آئے اپنے دیوان اور اپنے کلام کی شان میں لکھے ہیں اسی قسم کے فقرے مرزا نے بھی دیوان فارسی کے دیباچے میں انشاکئے ہیں۔ سو دونو دیباچوں میں سے ہم ملتے جلتے فقرے انتخاب کر کے اس مقام پر مقابلہ کیا کر لکھتے ہیں۔

حزین

غالب

ہالیوں خطہ بیت لباب از جو ابر کل، دجا کل
روح پرور ہو امیش ربیعی اعتدال، و جد اول
سطور شادمانی مال، خاکش نکش نکش
و شمشیر عین گیس، آتش نماز تنگ و شمشیر
سیح آئیں، از صبحی فیضی کہ ساقی کلکش مپودہ۔
سیاہ مستاب حروف سرور کنایہم غنودہ اند، و از
نشتہ ہوش پردازے کردست فکر در جام و سبک
انفاس رخبتہ، خردستان معنی شیر شوق سرودہ
بنام ایند حسن لیلی ست کہ از طرف قیام الفاظ
سیر بر زوہ در جلوہ گری ست، یا شور مجنون ست
کہ از وادی تفسیرہ دل برخاستہ در پردہ درست۔

۴۱۴ کا کو اس لئے کوہ کا غزیرہ قوم ہیں کاغذی یہ چون کہا
ہے اور کاغذی چیرن داد خواہ کہتے ہیں دوسرے فقرے ہیں
ساقی کو کہنے کا لگی روختی حروف کی سیاہی میں پوشیدہ ہے
منزل کہت اور یہ پوش کہا ہے ۱۱

حزین

غالب

یوسف تانے ست از گل پیر نہاں در صبح،
نگار تانے ست سییں بدنامش فرج در فوج۔
سی پکارتند در خیابان سطور و شادوش،
نماں شیوہ دلبر تانہ از بادہ ناز گرم شادوش،
نازک بناتند حجاب پرورد، گل پیر نہاں تاند
تتاگرد پختہ معز تاند پر شستہ پوست،
بیگانہ نقر تانہ آشنا دوست، صوفیا تاند در
وحدت غامض عشق مست سماع، نتوگ تاند
سپند آساست و دواع، درویش تاند
تجرہ کیش، فروکش تاند از ہمہ در پیش،
شیر صولتا تاند از جوشن خطا پلنگینہ پوشش،
در یاد لانا تاند از شور شش عشق در جوش و
خروش، آئینہ پکارت تاند آئینہ تاب،
پاکیزہ گوہر تاند کیس خوشاب، گلبرگ تانے
غنیم زوہ بہاری ست، خراشیدہ فالماے
بیل شاخارست۔

چوں پیکر تصویر از حیرت واقعہ خاموش (یعنی
اپنی بے قدری سے حیران ہیں) مشعل کیمت گز تانند
(یعنی فخر دیا تاند) چوں آذر از دود و دل سے پوش
نگویم دود و چرغست یا لالہ و دلغ، اما سوختگی را
سرگزشت است و خشکی را رویداد، گویم تجلی و طو
یا جنت دعو رہا، اما نازش را طرقت و آتش
را سواد (نوح) طلسم شعلہ و دوست باز بستہ زرد
خیال، شعلہ نہاں، دود و پید، اول لوح طلسم
وزبان طلسم کشا، ہنگامہ ابرو باوست براگینہ عبادی فکر
ابر گریش، و باد الماس نشان، اندیشہ طو مار ننگ
دل بانوں خواں، دود کبابیت بانہ از چو قبابے کما
شعلہ و دل افتادہ ست، براہو آتش بستہ چیل غراست
بسامان خبشہ کہ در گیس گاہ رو دادہ است باز
دام بد بستہ، جمالیست در پردہ نمایش خوش شاد
حقیقی را تائیش نگار نہاں ست در حایہ و زندی
خوش تھلند ازل را پاس گزار۔

مرزا اور ابو الفضل کی طرزیان کا مقابلہ

مرزانے مہر نیر وزیں اکثر تاریخی واقعات وہی لکھے ہیں جو شیخ کے اکبر نامہ میں مذکور ہیں؛ مگر چونکہ مرزانے ان واقعات کو کسی قدر کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر کے ساتھ اپنی خاص طرز میں لکھا ہے اس لئے دونوں کتابوں کی طرزیان میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ ہم یہاں ایک سیدھا سادہ واقعہ دونوں کتابوں سے نقل کرتے ہیں۔

اکبر نامہ

مہر نیر وز

ترک بزرگترین فرزندان یافت بود ترک ابن یافت نشان جامہ داری یافت و ترکاں اس ترکاں اور یافت او غلاں گویند والا شکوہ را۔ ازاں رو کہ بترکی شہر یار جوان را او غلاں و بہوشیار دلی و کار گزاری و عیش و پی گویند۔ یافت او غلاں گفتند۔ داد و دانش آئیں دشت، از ہمہ برادران امتیاز داشت۔ دوریں ہر دو شیوہ و شہسائے گرین دشت۔ غانی و مرزانی ہمہ از عیلت پر بر تخت فرمانروائی رافرننگ با پدید آورد، و فرمانہی و فرمانبری را اندازہ نشست، و داد و مردمی و مردانگی و بر تباد۔ و ترنگا و سیلول با سلیقہ را۔ کہ چشمہ ہاے رواں معلوم پرستی داد و در جائے کز کاں و گل و میوہ فرواں دشت۔ از بہر آراش گزیدہ از نے و اورا سیلول با سلیقہ کی میگفتند، و غلت و چوب و گیاہ نشین با افزائے، و پوست دام و دود را پوشش تن ساختے۔ گویند نمک برونگار و سے پدید آمد؛ و نہ انراں پیش ترے و گوشت ہمناں بے نمک ہی خوردند۔ عافیت بخش و مرغزار ہاے دلکش ترکاں شمشیر زن را بفرمان فرزند شیر انگن (یعنی یافت او غلاں) داشت اتاعت فرزدہ۔ از چوب

اکبر نامہ

مہر نیر وز

گیاہ خانہ با اختراع کرد، و خرگاہ پدید آورد۔ و از پوست بہائم و سباع لباس پوشیدنی و دخت، و نمک در زمان اظہار شد۔ و در یائین اواں بود کہ پسر را بزرگ شمشیر میراث بندہ و تمام خواستہ دختر را باشد۔ و گویند کہ او معاہدہ کرم مرث اول ملک عجم و او ادا دل سلاطین ترکستان است۔ و عمر او دویست و چهل سال بود۔ انجہ خاں بہترین فرزندان ترکی بود۔ چہل پانچ زندگی ترکی پرورش گرفت اورا بمشورت بزرگاں بر تخت سلطنت نشاندہ۔ او خورد و دریں را پیشواے خود ساخت و در عدالت گستری روزگار گذرانہ۔ چوں پیر شد عزت اختیار خود گیاہ خانہ و قرار داداں بود کہ ازاں ہمہ بزرگ و سوار کار فرزدہ فردی (میراث) باز ماند بزرگ شمشیر پسر نہ ہند و ہمہ بدقتہ بازرگاراں کہ ہر اکثرتین جوہر و دار فردہ مرث گنجیدہ سیم و زر بلکہ کلید فتح ہفت کشور است۔ ساگر بریں پلارک الماس گول و دسترس ست فردا دست مایہ ناز میں ست۔ بالکلہا میں ہمہ رسم و آئین نہاد و پائین کار پس از دویست و چهل سالہ بیداری بخوابید عدم سر بر زمین نہاد۔ و بزرگان دودہ پس از یافت او غلاں، بفرزند بخت بلندش المیتجہ خاں چشم روشنی گفتند۔ کھج نہاد و راستی پستہ گزیدہ۔ ہی پسر امون دلش نگزشتے، و با بیاں ہمناں گشتے۔ آزادہ ز نو بود و دل بیاد بزرگ و گرد دشت۔ تلخ و تنہ و گیس و زندگانی خویش، بہ نو بادہ باغ کارانی خویش و بیابانی خاں جو اس بخت نوجواں سپرد۔ و خوافیں خاز را دامن بر چیدہ۔ و با فرین خانہ کہ تو اں را صومہ گوئی آئید۔ و دود پنج سال پارہ بنو داری اقبال پارہ پتہ پتہ از الجلال در جہان گذراں ماند، و ہنگام ناگزیر در گذشت۔ و بیابانی خاں کہ ہمہ در نظر گاہ و پراور ملک ای بود۔ از ملک خسر

اکبرنامه	مهرنیمروز
<p>و بیابانچی بعد از غلبت پدر و اشارت عالیش فرماں روا شد. کیونک خاں فرزند رشید اوست. پدرش و همگام پدر کردن جہاں سریر خانی باو عطا فرمود. او قدر سلطنت را دانست در لوازم آن اہتمام بجای آورد النجہ خاں پسر اوست در آخر عمر پدر ولیعهد شد. داد داد و دہش را از اندازہ میر برد. و ترکاں در زمان دولت مست دولت شدہ از راہ خرو عدول نمودند. و چون مدتی براں بگذشت اوداد پسر بیک شکم آمد. یکے را منخل نام کرد و دیگرے را تاتار. و چون</p>	<p>را بنعلی تازہ آراست. اما بدایاں دانشوری و دادگری کہ جز دانش نہ حجت و جز داد نہ کرد. روزنامہ عمرش چل رقم یک صد و ہشتاد و شش سالگی پذیرفت و نوشتند. و بارنامہ کچلی و گروکشی بنام پسر فرخ انترش کیونک خاں نوشتند. ستودہ ستایش در خور بکار آگاهی آبروی پادشاہی افزود. و یک صد و چیل سال از مرگ ماں یافت. فرزندانہ تاز شاہی نشان یافت جہاں از بخوشی و شہود می جہانیا نرا بہر لوازم نگاہداشت. سرانجام کار جہان و جہانیاں را بفرزند خویش النجہ خاں گذاشت. بہ تہمتی دریا کشت. و بہ پسر نجہ خانی بر کرد و بود. دہش را بر داد و دہش را (زیر دتاں) را بدیش از خواہش بے نیاز ساخت. بسکریان را بد بروت (یعنی بہ کرد و خورد). از جہاں رفتند. داد و از راہ کیش و لش بدزدند. آراستہ داد (یعنی انتظام) کنار گرفت. و بہت پرستی صورت پذیرفت. باقوی این فرمانرواے بابرگ و نوا و پسر توام نداد. او رنگ نشین (یعنی النجہ خاں) یکے را منخل خاں و دیگرے را تاتار خاں نام نهاد.</p>

اکبرنامه	مهرنیمروز
<p>بجہ کاروانی رسیدند ملک خود را بہ دو حصہ بخش کرد یک نصف را بہ منغل داد و نصف دیگر را تاتار. و چون پدر بزرگوار ایشان دوست حیات سپرد. فرزندان با یکدگر مواقت نمودہ ہر کدام در ولایت خویش خود آرائی می کردند.</p>	<p>ہر دو را بناز پرورد. چون بہ برنائی رسید قلم خویش را دو نیم کردہ نیمہ بہ منغل و نیمہ بہ تاتار نامزد کرد و خود یکصد و ہشتاد ہفت سال در گیتی درنگ و رزیدہ سپے رنگاں برداشت اللہ اللہ ایس را نیز چون روز فرورنگاں دگر روز فرورفت رہزد آن برگ وایں گل افشانند ہم خراں ہم بیمار و در گذرست</p>

خاتمہ

مرزا غالب مرحوم کی لائف اور انکے کلام کا انتخاب جس قدر کہ یہاں اسکا دکھانا مقصود تھا۔ ختم ہو گیا، مگر ابھی چند ضروری باتیں لکھنی باقی ہیں۔ ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ کتاب ان تصنیفات میں شمار نہیں ہو سکتی جنکی اصل ملک میں ضرورت سمجھی جاتی ہے، اور جو اہل وطن کی موسمی بیماریوں کے لئے براہ راست دوا اور علاج کا کام دے سکتی ہیں۔ کیونکہ اس معنوں کے لکھنے پر ہلکوا س اندھی اور بھری دیوی نے مجبور کیا ہے جسکی زبردستی اور حکومت کے آگے مصلحت اندیشی کے پر جلتے ہیں۔

ساتھ سخن میر سدا زول باب ما
عشق ست کہ ربتہ زبان ادب ما
راقم کو مرزا کے کلام کے ساتھ جو تعلق بدو شعور سے آج تک برابر چلا جاتا ہے اسکو چاہو اس مقدانہ جوش خصیت کا نتیجہ سمجھو جو انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے، اور چاہو اس یقین کا غمہ خیال کرو جو نہایت زبردست شہادتوں سے حاصل ہوتا ہے، بر تقدیر یہی وہ چیز تھی جسے ہلکوا اس کتاب کے لکھنے پر آمادہ کیا پس نہ ہلکویہ دعویٰ ہے کہ تہنہ اس تالیف سے ہلک کی کسی بڑی ضرورت کو رفع کیا ہے، اور نہ یہ خیال ہے کہ محض ملک کی خیر خواہی اس کے لکھنے کا باعث ہوئی ہے۔ لیکن یہ ضرورتیں کہ جو کام محض

طبیعت کے اقتضا سے نہ کہ عقل کی صوابدید سے سر انجام کیا جائے اس سے کو کون کو بواسطہ یا بلا واسطہ کسی طرح کچھ فائدہ نہ پہونچے، ہو اور اپنی موج میں چلتی ہے، اور دریا جو اپنے جوش میں بہتا ہے۔ گواں کو خود خبر نہیں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اور کیوں جا رہے ہیں لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ انکی سعی محض بے حاصل اور انکی کوشش سراسر بے سود ہے۔ اسی طرح کوئی ذرہ ذرات عالم میں ایسا نہیں جو اپنی اضطراری حرکت سے نظام کلی میں کچھ نہ کچھ دخل نہ رکھتا ہو۔

”اے تو کہ بیچ ذرہ را جزیرہ تور و نیست
و طلبت تو اں گرفت بادیر را بہر سی“
یادگار غالب کو ہم نے دو حصوں پر منقسم کیا ہے۔ پہلے حصے میں مرزا کی لائف یعنی انکی زندگی کے حالات اور انکے اخلاق و عادات کا بیان ہے اور دوسرے حصے میں انکے کلام کا انتخاب ہے۔ اگرچہ مرزا کی لائف میں۔ جیسا کہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں۔ کوئی مستم با نشان واقعہ انکی شاعری و انشا پر داری کے سوا نہیں پایا جاتا، با انہیں انہیں بہت سی مفید قضیتیں بھی اہل وطن کے لئے موجود ہیں۔

ماہرین کو یاد ہوگا کہ مرزا پانچ برس کے تھے جب باپ کا، اور نو برس کے تھے جب چچا کا انتقال ہوا۔ انکی تنہیال۔ جہاں انھوں نے پرورش اور نشوونما پائی۔ اسودہ حال تھی۔ باپ اور چچا کے صغیر سن چھوڑ جانے سے نانا اور نانی کی لائف اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہوگی۔ خود مرزا کی طبیعت میں گرمی اور جودت کی ایک آگ بھری ہوئی تھی جسکے بھڑکانے کے لئے تھوڑی سی اشتعال کافی تھی۔ باپ اور چچا کا

سایہ تربیت بچپن میں سر سے اٹھ جانا، تخیال کی مرقد الحالی، نامانائی کی ناز و داریا
اور خود مرزا کا ذکی الحس ہونا، یہ تمام اسباب ایسے تھے کہ عقوان شباب میں انکا جادہ تنقید
سے تجاوز نہ کرنا نہایت دشوار تھا۔ مرزا کی ابتدا بگڑی اور ایسی بگڑی کہ جب تک تخیال
کی تمام املاک اور وہیات کی صفائی نہ ہوتی تھی نہ ہر نئے۔ اگرچہ مرزا بہت دیر میں
سنبھلے مگر وہ جو مشہور ہے کہ "صبح کا بھولا شام کو آجائے تو بھولا نہ جانو" انھوں نے
اپنے فضل و کمال، حسن معاشرت، شرفیادہ خصائل، اور کربانہ اخلاق سے جو کہ
انکے ذاتی جوہر تھے۔ وہ عارضی وجہ سے اس طرح دھو ڈالے کہ گویا کبھی ان سے دامنِ جودہ
نہوا تھا جس فن پر انھوں نے لڑکپن میں ہاتھ ڈالا تھا اسکو اخیر عمر تک نبھا دیا،
عقالت اور بہت سی کے عالم میں بھی اسکا خیال نہ چھوڑا، اور باوجودیکہ زمانہ قند دانوں کے
خالی تھا اسکو اس درجے تک پہنچا کہ چھوڑا اسکا منتہا کمال تھا۔

اگرچہ معاش کی طرف سے وہ کبھی زیادہ تنگ نہیں ہوئے مگر مصلہ اور بہت کے
موافق کبھی استطاعت نصیب نہیں ہوتی، بلکہ جن آلتے نفلوں میں بچپن اور جوانی گزری
تھی اسکے لحاظ سے یہ کتنا چاہئے کہ وہ اخیر دم تک خور و برد الگوریں مبتلا رہے۔ اسکے سوا
امراض جسمانی سے کبھی فرصت نہیں ملی اور اپنے ہنر کی کسادبازاری کا بچہ ہمیشہ سوانح
ربا۔ باوجود اسکے زندہ دلی اور شگفتہ طبعی مرتے دم تک انکی رفیق حال رہی۔ اگرچہ
نظم و نثر میں جو زار نالیاں انھوں نے کی ہیں وہ بظاہر بے صبری اور تنگ حوصلگی
پر۔ جو ایک اخلاقی کمزوری ہے۔ دلالت کرتی ہیں، لیکن حقیقت یہ انکی شاعری و

آتش پر دازی کے میدانوں میں سے ایک میدان تھا جسکی زمین انکے پانو کو لگ گئی تھی۔
اول تو خود یہ مضمون ہی ایشیائی شاعری کا جزو اعظم ہے، دوسرے ہر شاعر ایک خاص
راگنی کا کلاوت ہوتا ہے۔ چنانچہ عرب کے شعراء میں امر القیس گمڑے اور عورت
کی تعریف اور عیش کے بیان میں مشہور تھا، اے شے حسن طلب اور جمع شراب میں
ضرب المثل تھا اور اسی طرح ہر شاعر کی شہرت کسی خاص بیان کے ساتھ مخصوص تھی۔
علیٰ ہذا القیاس ایران میں فردوسی رزم کا دہنی تھا، نظامی بزم کا، اور سعدی
مغوشت کا۔ چونکہ مرزا کا مکر پنج و مصیبت کے بیان میں یدِ طولی رکھتے تھے اس لئے
یہ مضمون اکثر ان کے قلم سے تراش کر تا تھا۔

اگرچہ مرزا اپنی شاعری کا سکھ اس وجہ سے کہ زمانہ اسکا اندازہ کرنے سے عاجز
تھا پہلک کے دلوں پر جیسا کہ چاہئے تھا نہیں بٹھا سکے، مگر وسعت اخلاق حسن
معاشرت اور صلح کل سے انھوں نے ایک عالم کو مستحضر کرایا تھا۔ قطع نظر شاگردوں
اور مستفیدوں کے دوستوں اور ہوا خواہوں کی تعداد بھی سیکڑوں سے گذر کر ہزاروں
تک پہنچ گئی تھی، اور ہر ایک کے ساتھ انکے برتاؤ کا طریقہ ایسا مہر انگیز تھا کہ ہر شخص
اپنے تئیں انکے مخصوص ترین دوستوں میں سے شمار کرتا تھا۔ غریبوں اور محتاجوں کی
اپنی دسترس سے بڑھ کر خیر یعنی نوکروں اور لگے بندھوں کو عسرت کے وقت اپنے
سے علیحدہ نہ کرنا، دراصل انکی دوستوں کی امداد کرنی اور انکی مصیبت پر شل گانوں کے
افسوس اور انکے ساتھ ہمدردی کرنا، ہر حال میں پاس وضع اور خود داری کو ہاتھ سے

نہ دنیا، نہ ہی تعصبات سے پاک ہونا اور ہر مذہب و ملت کے دوستوں کے ساتھ یکساں صفائی اور خلوص سے ملنا، یہ اور اسی قسم کی وہ تمام خوبیاں جو دار الخلافہ کی قدیم سوسائٹی کا زیور سمجھی جاتی تھیں انکی ذات میں جمع تھیں۔ خصوصاً وفاداری، خوشناسی اور احسان مندی کی خیریت نعلت جو ہندوستان کے قدیم خاندانوں کا شعار تھا مرزا کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ چونکہ انکے چچا نصر اللہ بیگ خاں لارڈ لیک کی سمات میں شریک رہے تھے اور انکی وفات کے بعد گورنمنٹ نے انکے پس ماندوں کے لئے جنہیں سے ایک مرزا بھی تھے۔ کئی ہزار روپیہ سالانہ بطور پنشن کے مقرر کر دیا تھا مرزا نے۔ جیسا کہ انکی تحریرات سے ظاہر ہے۔ اخیر عمر تک گورنمنٹ کے اس احسان کو فراموش نہیں کیا۔ تمام عمر ملکہ معلکہ اور دایسراؤں اور فٹنٹ گورنروں اور دیگر حاکموں اور افسروں اور تمام انگلش قوم کی مدد سرائی میں بسر کی، بعض افسروں کی وفات پر درودناک مرثیے لکھے اور ہمیشہ محضر کے ساتھ اپنے تئیں وابستگان دامن دولت انگلشیہ سے جگتے رہے۔ غدر کے زمانے میں فرج باغی کے ظلم و ستم سے جو اثر انکے دل پر ہوا تھا وہ انکی کتاب دستبوس سے۔ جو غدر کے حالات پر اسی شور و غنہ کے زمانے میں انھوں نے لکھی تھی۔ ظاہر ہے۔ سلسلہ امین ولیم فرزیر صاحب رزیدنٹ و کمشنر دہلی کے بے گناہ مارے جانے پر جو سخت مدد انکو پہنچا تھا وہ انکے اس خط سے جو شیخ امام بخش ناسخ کو اس واقعہ کے ہوتے ہی انھوں نے لکھا تھا۔ ظاہر ہے۔ وہ اس خط میں لکھتے ہیں ”دیکھ ارسنگران نا خدا ترس۔ کہ بندگان ابھی گرفتار باد۔ ولیم فرزیر را

کہ رزیدنٹ دہلی وغالب مغلوب را مرتقی بود۔ در شب تاریک تفنگ گشت، و مرا غم مرگ پر تازہ کرد۔ دل از جا سے رفت، و سترگ اندوہ سے سراپا سے اندیشہ افزو گرفت خرم آرمیدگی پاک مہوخت، و نقش امید از صفو ضمیر سرا سر سترزدہ شد، اگرچہ مرزا کے کلام میں مدح و تحسین کی مقدار تمام اصناف سخن سے زیادہ معلوم ہوتی ہے اور انھوں نے جا بجا اس بات پر افسوس کیا ہے کہ عمر کا بہت بڑا حصہ اہل جاہ کی بھٹی میں صرف ہوا، مگر ادنی تاقل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو فن مرزا نے اختیار کیا تھا اسکی تکمیل انکے زمانے کے خیالات کے موافق زیادہ تر اس خاص صنف یعنی قصیدے کی مشق و مہارت پر موقوف تھی، کیونکہ فارسی شاعری کی ابتدا اصنیف سے ہوئی اور کوئی شاعر جسے قصیدے میں کمال بہم نہیں پہنچا یا وہ سلم الثبوت نہیں سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ حکیم سنائی، شیخ سعدی، اور امیر خسرو جیسے بزرگوں کا دامن بھی اس لدگی سے پاک نہیں رہا۔ خود مرزا کا قول تھا کہ جو قصیدہ نہیں لکھ سکتا اسکو شعرا میں شمار کرنا نہیں چاہئے اور اسی بنا پر وہ شیخ ابراہیم ذوق کو پورا شاعر اور شاہ نصیر کو ادھورا جانتے تھے۔ بڑی دلیل اس بات کی کہ مرزا نے جس قدر قصیدے اہل دنیا کی مدح میں انشائے ہیں ان سے محض فن کی تکمیل مقصود تھی۔ یہ ہے کہ انکا مدح مخاطب صحیح ہو یا نہ ہو، اور اس سے حسن کلام کی داو ملنے کی توقع ہو یا نہ ہو۔ وہ ہمیشہ قصیدوں کے سرا انجام کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کرتے تھے اور ہر قصیدے میں اپنا کمال شاعری اسی طرح ظاہر کرتے تھے جیسے تہنیتی۔ سیف الدولہ کی یا عرفی خانہ اہل

کی تعریف میں کرتا تھا۔ مع ذلک چند قصیدوں کے سوا۔ جو دوستوں کی ترغیب و تحریض سے انہوں نے کسی امید یا توقع پر ہندوستان کے بعض رئیسوں کی طرح میں لکھے ہیں۔ باقی انکے تمام قصائد یا توحید و نفعت و منقبت میں ہیں، یا اپنے مغز اور لائق معصروں کی تعریف میں، اور یا ان لوگوں کی شان میں جنکو وہ اپنا مرنی اور ولی نعمت سمجھتے تھے اور جنگی مدد سرائی کا فرض بطور شکرگزاری و منعم پرستی نہایت صلہ و انعام ادا کرتے تھے، جیسے قلعہ دہلی کے بادشاہ و ولیعہد، یا ملکہ مغلیہ اور ایسے کشور ہند اور دیگر اعیان دارکان سلطنت انگلشیہ، یا فرمانروایان ریاست رام پور والور وغیرہ۔

بایںہم جس مؤثر طریقے سے مرزا نے اہل دنیا کی مدح سرائی پر افسوس کیا ہے وہ ملاحظہ کے قابل ہے۔ وہ دیوان فارسی کے دیباچے میں اپنی شاعری کے متعلق بہت سے فخریہ فقرے لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ بال بالا خوانی زودہ، و در ادائے کہ خود را بہ شکر فی ستودہ ام یعنی جس دیوان پر میں نے اس قدر فخر کیا ہے، نیمہ ازاں شاہد بازی ست یعنی ہوا پرستی (اس سے مراد غل سرائی ہے) و نیمہ دیگر تو نگرستانی ست یعنی باد خوانی (اس سے مراد قصیدہ گوئی ہے) بیدادیں! کہ ہر جا بہ شانہ۔ غمے از زلف مرغولہ مویاں کشودہ شود بلاء در من آویزد تادل بہ چاک آں شکن بندے، و خواری نگر کہ ہر گاہ از خود غافل و از خدا فارغے بر او نگ سردری کج نشیند ہونں مرا برا گزند تا پیش بندہ دار است استے شادم از آزادی کہ بیا سخن بہ بخار

عشقبازاں گزار دستم، و داغم از آزادی کہ در تہ چند بکردار دنیا طلباں در موج اہل جاہ سیاہ کردستم۔ در دنیا کہ عمر سبک سیر نہتے بہ چاہند و چنگ سر آمد، و پارہ بہ ترفع و دروغ رفت، یہاں تک جو کچھ کہ مرزا کی لائق کے متعلق ہلو لکھنا تھا لکھا گیا۔ اب ہم چند سطریں انکے کلام کے انتخاب کی نسبت لکھنی چاہتے ہیں۔

ہم نے اس کتاب میں۔ جیسا کہ مکرر بیان ہو چکا ہے۔ مرزا کے کلام کا انتخاب صرف اس غرض سے درج کیا ہے کہ شاعری و اشعار دوازی کی غیر معمولی استعداد جو مرزا کی حضرت میں رکھی گئی تھی۔ ہمانک کہ انکی نظم و نثر اس پر شہادت دے سکتی ہے۔ صاحبان ذوق سلیم پر واضح و لایح ہو جائے۔ اگرچہ فی الحقیقہ طریقہ مذکور سے ان غرض کا پورا ہونا نہایت دشوار ہے لیکن اگر بالفرض اسکا پورا ہونا تسلیم کیا جائے تو بھی بظاہر اس سے کوئی فائدہ متصور نہیں۔

زمانہ حال کی ترقیات نے جس طرح علمی دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے اس طرح کی حالت بہت کچھ بدل ڈالی ہے۔ قدیم طریقے کی شاعری اگرچہ ابھی تک اسکا نظم و نثر بدل پیدا نہیں ہوا، روز بروز نظروں سے گرتی جاتی ہے۔ نظم و نثر میں بہاے صنعت الفاظ اور محض خیالی باتوں کے سادگی اور حقیقت طرازی کی طرف طبیعتوں کا میل زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ جو باتیں پہلے محاسن کلام میں داخل تھیں اب انہیں سے اکثر داخل عیوب سمجھی جاتی ہیں۔ اگرچہ ہندوستان میں قدیم لٹریچر کا تسلط ابھی بہت کچھ باقی ہے اور پبلک کا مذاق عام طور پر نہیں بدلا مگر زمانے کا رخ قدیم شاہراہ سے

یقیناً پھر گیا ہے؛ اور آئندہ تمام قافلوں کو جو اس وادی میں قدم رکھنے والے ہیں زمانے کے ساتھ ساتھ چلنا ضرور ہے۔ پس اگر مرزا کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کا شاعر فرض کر لیا جائے تو بھی اس زمانے میں انکی نظم و نثر کے نوئے پبلک کے سامنے پیش کرنے اور انکے مبلغ کمال کو لوگوں سے روشناس کرانا بظاہر ایک ایسا کام معلوم ہوتا ہے جس کا وقت گزر گیا۔ لیکن ہمارے نزدیک زمانہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے اسکو قدیم نونوں سے کبھی استغنا حاصل نہیں ہو سکتا؛ خصوصاً ہندوستان کی لٹریچر میں ترقی جس قدر مشرقی زبانوں کے قدیم لٹریچر سے وابستہ ہے اسی طرح موجودہ لٹریچر سے نہیں ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کے بعض نامور شعرا مشرقی شاعروں کے کلام سے اب تک استفادہ حاصل کرتے اور اس سے صدمہ و غلو ب بیان اخذ کرتے ہیں تو ہمارے ہموطن کیونکر اس سے استغنا کا وعوے کر سکتے ہیں۔ جس طرح زمانہ حال کے انجینیر قدیم عمارتوں اور پرانے کھنڈروں سے انجینئرنگ کے متعلق صدمہ مفید نتیجے استخراج کرتے ہیں اسی طرح اس زمانے کے ناظم اور ناظر قدیم لٹریچر سے بہت کچھ لٹریچر میں فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمنے مانا کہ انگلش لٹریچر کی ترقی منہائے کمال کو پہنچ گئی ہے اور ہمارے لٹریچر نے اسی کی بدولت کچھ عرصے سے آگے قدم بڑھانا شروع کیا ہے مگر جب تک لوگ یہ نہ سمجھیں گے کہ ہکوا انگلش لٹریچر کون سی باتیں اخذ کرتی چاہیں اور اپنے قدیم مشرقی لٹریچر سے کیا سبق لینا چاہئے اسوقت تک ہمارا لٹریچر اصلی ترقی سے محروم رہیگا۔

مرزا کے فارسی کلام کا نمونہ جو ہم نے اس کتاب میں دکھایا ہے اگرچہ ممکن ہے کہ وہ زمانہ حال کے مذاق کے موافق نہ ہو لیکن اس سے مرزا کے کمال شاعری میں کچھ فرق نہیں آتا۔ خود ایران کے بڑے بڑے نامور شعرا جو اپنے زمانے میں مسلم الثبوت تھے۔ اہل زبان انکی طرز شاعری کو نام رکھتے ہیں؛ خصوصاً متوسطین کے طبقے میں جو لوگ جامی کے بعد ہوئے ہیں اور جن میں تقریباً وہ تمام شعرا داخل ہیں جنہوں نے صفویہ اور مغلیہ کے عہد حکومت میں ایران یا ہندوستان میں علم امتیاز بلند کیا تھا انکی شاعری کو جیسا کہ رضا قلی خان ہدایت نے اپنے تذکرہ مجمع الفصحا میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے۔ اہل زبان میں کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ سب قدما کی روش کو پسند کرتے ہیں اور انہیں کے قبیح کا دم بھرتے ہیں۔ حالانکہ متوسطین کے طبقے میں بڑے بڑے نامور شعرا گذرے ہیں جنکے کمال اور اسادہ کا انکار نہیں ہو سکتا۔ پس درحقیقت کیسی شاعری یا افتاب پر دازی کا پبلک کے موجودہ مذاق کے خلاف ہونا اسکے سوا کچھ معنی نہیں رکھتا کہ جو شے پہلے ایک خاص وضع کے سانچے میں ڈھالی گئی تھی وہ اب دوسری وضع کے سانچے میں نہیں سما سکتی۔

اگرچہ مرزا کی شاعری نے شعراے متوسطین کے محدود دائرے سے قدم باہر نہیں رکھا؛ وہی چند میدان جن میں انہوں نے گھوڑے دوڑائے تھے ہمیشہ مرزا کو جولا نگاہ رہے؛ لیکن جس درجے کا ملکہ شاعری انکی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا اس سے پایا جاتا ہے کہ جس طرح دریائے تونج چہ حریح کرتا ہے اودھ اپنا رستہ برابر نکالتا چلا جاتا ہے

اسی طرح وہ جس میدان میں قدم رکھتے اسکو کامیابی کے ساتھ طے کر جاتے۔ وہی بارود جو آتشبازی میں پتھروں کا جی بھاتی ہے جب اسکو دوسری طرح کام میں لایا جاتا ہے تو بڑے بڑے قلعوں اور پہاڑوں کو پرکاہ کی طرح آڑا دیتی ہے۔ اور وہی ایک چیز تھی جسے کہیں صرف اجاب کے جلسوں اور امیروں کے درباروں کو گرم کیا اور کہیں ملکوں اور قوموں میں حب وطن اور قومی ہمدردی کی آگ لگا دی۔

اعلیٰ درجے کا ملکہ شاعری کسی خاص زمانہ یا خاص ملک کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتا؛ پس یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ شاعری کی اعلیٰ قابلیت جیسی قدیمیں ہوتی تھی ویسی متاخرین میں نہیں ہو سکتی؛ یا جیسی ایران کے شعرائیں ہوتی ہے ویسی ہندوستان کے شعرائیں نہیں ہوتی۔ ملکہ شاعری کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسی مصوری کی قابلیت یا سُر ملی آواز؛ جس طرح ان دونوں صفوں کا ہر زمانے اور ہر ملک میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجے پر پایا جانا ممکن ہے اسی طرح اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کا ملکہ شاعری ہر زمانے اور ہر ملک میں مختلف اسباب سے مختلف صورتوں اور مختلف شانوں میں نمود کرنا ہے؛ اور سب سے بڑا اور زبردست حاکم جو شاعر کو ایک خاص رنگ پر ڈال دیتا ہے وہ سوسائٹی کا دباؤ اور اسکا مذاق ہے۔ انیس اسی ملکہ شاعری کے ساتھ جو اسکی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا اگر چہ تھی صدی ہجری میں ایران میں پیدا ہوتا، اور اسی سوسائٹی میں نشوونما پاتا جس میں فردوسی نے نشوونما پائی تھی تو ہمارے نزدیک اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ رزمیہ نظم میں وہی رتبہ پانا جو فردوسی

نے پایا تھا؛ اور فردوسی اسی اعلیٰ قابلیت کے ساتھ جو قدرت نے اسکے دماغ میں ودیعت کی تھی۔ اگر ہندوستان کی اس سوسائٹی کے سائے میں پتلا جو انیس کو میسر آئی تھی تو یقیناً وہ شاعری میں وہی صنف اختیار کرتا جو انیس نے اختیار کی تھی اور اس میں انیس سے کچھ زیادہ قبولیت حاصل نہ کرتا۔ اسی بنا پر ایران کا ایک متاخر شاعر کہتا ہے۔

نہست اندر زمانہ محمودے ورنہ ہر گوشہ صد چرخ نصرت
اور اسی اصول پر غالب مرحوم کہتے ہیں۔

تو اسے کہ جو سخن گسترانِ شیشینی مباحث منکر فالکے در زمانہ است
مرزا نے جس وقت شعر فارسی کے میدان میں قدم رکھا تھا اس وقت ہندوستان میں دو طرزوں کا زیادہ رواج تھا؛ ایک نظیری و عرفی وغیرہ کی طرز جو اکبر کے زمانے سے چلی آتی تھی؛ دوسری مرزا بیدل کی طرز جو عالمگیری کے عہد میں شائع ہوئی اور علوی و صہبائی پر اکرتی ہو گئی۔ جو لوگ شعر فارسی میں کمال بہم پہنچانا چاہتے تھے وہ انہیں دونوں سے کوئی طرز اختیار کرتے تھے۔ اگرچہ حافظ اور خسرو کی غزل اُن سے بہت زیادہ مقبول خاص و عام تھی مگر اُن وجوہات سے جو متاخرین کو طرز جدید اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہیں اور جن کا ذکر ہم دوسرے حصے میں کر چکے ہیں۔ مرزا نے اول بیدل کی روش پر چلنا شروع کیا؛ پھر اس نظر سے کہ اہل زبان اس طرز کو کمال باہر خیال کرتے تھے۔ نظیری و عرفی کی

طرز اختیار کی۔ ظاہر ہے کہ ایک ہندی نثر و شاعر جو ایسے ناپرساں زمانے میں پیدا ہوا ہو اور جس نے فارسی شاعری میں نظیری و عرفی وغیرہ کے کلام سے بہتر کوئی ممکن تقلید نمونہ نہ دیکھا ہو۔ وہ سوا اسکے کہ ان کا اتباع اختیار کرے اور کیا کر سکتا تھا۔ یہی بات کہ اس نے اس طرز شاعری میں کس قدر کامیابی حاصل کی ہے اور ان لوگوں کی پیروی کا کہاں تک حق ادا کیا ہے۔ سوا اسکو اس طرح ثابت کرنا تو ناممکن ہے جیسے دو اور دو چار، البتہ جو لوگ شعر فارسی کا صحیح مذاق رکھتے ہیں وہ اگلی دورہ کے شعرا اور مرزا کے کلام کا مقابلہ کرنے کے بعد امید ہے کہ مرزا کی اعلیٰ درجے کی قابلیت و استعداد کا اعتراف کریں گے اور اس بات کو تسلیم کریں گے کہ زمانے کا اقتضا اور سہولت کا دباؤ اس شخص کو جس روش پر ڈال دیتا وہ ضرور اس کا میاب ہوتا۔ چنانچہ اخیر عمر میں جب حبیب قاضی کے قصائد مرزا کی نظر سے گزرے تو اس کے کلام کی روانی اور بیباختہ پن دیکھ کر انکو قاضی کی روش پر چلنے کا خیال پیدا ہوا تھا، اور اسی لئے ان کے سب سے پچھلے قصیدوں اور قطعوں میں بہ نسبت پہلے قصائد اور قطعات کے زیادہ روانی اور بیباختگی پائی جاتی ہے۔ لیکن چونکہ اب دوسری چال چلنے کا وقت نہیں رہا تھا اس لئے اس روش کی تکمیل ہونی ناممکن تھی۔

اس کتاب میں۔ جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہے۔ مرزا کو شاعری کے لحاظ سے جایا نظیری و عرفی وغیرہ کا۔ بلکہ خود مرزا اپنا پیش رو تسلیم کرتے ہیں۔ ہم قلم قرار دیا گیا ہے سو قطع نظر اس کے کہ کوئی قطعی دلیل اس عرصے پر قائم نہیں ہو سکتی، اور ناظرین کے

ذوق و وجدان کے سوا کوئی چیز اسکا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ یہاں دو اور سوال پیدا ہوتے ہیں؛ اول یہ کہ ایک زبان دان آدمی شاعری میں اہل زبان کے برابر ہو بھی سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ایک پیرو اپنے پیشروں کے ساتھ مساوات کا درجہ حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟ سو دوسرے سوال کا جواب تو بالکل صاف ہے۔ دنیا میں ابتداء سے آج تک نہ صرف شعر و شاعری میں بلکہ ہر علم اور ہر فن اور ہر پیشہ میں اکثر پیرو اپنے پیش روؤں کے صرف برابر ہی نہیں بلکہ ان سے فائق اور افضل ہوتے رہے ہیں۔ فردوسی رزیتہ ثنوی میں اسدی اور ذوقی کا پیرو ہے؛ مگر دونوں سے گوئے سبقت لے گیا ہے۔ خواجہ حافظ غزل میں سعدی کے قدم قدم چلے ہیں مگر سعدی سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ قاضی قصیدے میں تمام قدم سے بڑھ گیا ہے۔ میر تقی نے تمام اگلے رنجتہ گویوں کو۔ جو یقیناً اس کے پیش رو تھے۔ غزل میں اپنے سے بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ میر انیس تمام مرثیہ گویوں سے جو ان سے پہلے ہوئے۔ بازی لے گئے ہیں۔ پس اگر مرزا غالب کو فارسی شاعری میں نظیری و عرفی سے افضل نہیں بلکہ صرف ان کا ہم قلم قرار دیا جائے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔

رہا پہلا سوال سو ظاہر ہے کہ شاعری کا ہنر دو مختلف لیاقتوں سے مرکب ہے؛ ایک مخیبیش یعنی قوت تخیل کی بلند پروازی، اور دوسرے مناسب الفاظ کے ہتھمال پر قدرت۔ انہیں سے پہلی لیاقت۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ ممکن ہے کہ ایک زبان دان

یہ نسبت اہل زبان کے، ایک کم علم بہ نسبت فاضل متبحر کے، اور ایک دیہاتی گنوار بہ نسبت خواص اہل شہر کے برابرتب افضل اور اعلیٰ درجے کی رکھتا ہو۔ دوسری نسبت اگرچہ بظاہر اہل زبان کے ساتھ مخصوص معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس میں بھی مثلاً ایک ہندی نثر ادا کتاب کے ذریعے سے خاص کر اس حصہ زبان میں جو فارسی کی محدود شاعری میں مستعمل ہے اہل ایران کی برابری کر سکتا ہے۔ علامہ ابن خلدون عربی زبان کی نسبت جو بقابلہ فارسی کے نہایت وسیع زبان ہے لکھتے ہیں کہ در ایک عجیب (یعنی غیر عربی) فصحاے عرب کے کلام کی مارت سے اہل زبان میں شمار ہو سکتا ہے۔ پس فارسی زبان جو نسبت عربی کے نہایت تنگ اور مختصر زبان ہے اس بات کے زیادہ قابل ہے کہ ایک ہندی نثر ادا فصحاے ایران کے کلام کی مزاولت سے اہل زبان میں شمار کیا جائے۔

مذکورہ بالا اصول کے موافق کچھ شک نہیں کہ ہم اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ مرزا کو ملکہ شاعری کے لحاظ سے اکیڑی دورے کے تمام شاعروں پر ترجیح دیں یا ان سے کم سمجھیں یا ان کے برابر قرار دیں۔ یہی دوسری لیاقت سوا اسکی نسبت پہلے حصے میں جا بجا ذکر کیا گیا ہے کہ مرزا نے ایک نہایت مستند صاحب زبان کی تعلیم و تلقین اور اپنے ذاتی تفحص اور کثرت مطالعہ اور خواصی فکر و رشح سخن اور خاص کر اپنی خدا داد لٹریچر کی قابلیت سے یقیناً وہ مرتبہ حاصل کر لیا تھا جس سے ایک زبانان مثل اہل زبان کے مستند سمجھا جاسکتا ہو۔ لارڈ مکالے نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ کوئی شخص غیر عربی زبان

میں اعلیٰ درجے کا شاعر نہیں ہو سکتا۔ بے شک انکا ایسا سمجھنا یورپ کی شاعری کے لحاظ سے بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ یورپ کی شاعری و حقیقت نیچر کی ترجمانی ہے۔ اسکا میدان اسی قدر وسیع ہے جس قدر نیچر کی فضا۔ اس کے فرائض مادری زبان کے سوا دوسری زبان میں جیسے کہ چاہئیں۔ ادا نہیں ہو سکتے، بلکہ ایشیائی شاعر جو اس طریقہ شاعری سے بالبدہ ہیں وہ اپنی مادری زبان میں بھی اسکی شکلات سے عمدہ برآمد نہیں ہو سکتے۔ بخلاف ایشیائی شاعری اور خاص کر تاخرین کی فارسی شاعری کے کہ یہاں نہیں معمولی خیالات کو جو قدر ماسدے سادے طور پر بیان کر گئے ہیں نئے نئے اسلوبوں اور نئی نئی تراکتوں کے ساتھ باندھنا یہی کمال شاعری سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی فی نفسہ ایک بہت بڑا کمال ہے لیکن ایسی شاعری میں زبان کا صرف ایک محدود حصہ مستعمل ہوتا ہے جسکو غیر زبان والا آسانی سے سیکھ سکتا ہے اور بشرطیکہ اس میں شاعری کی اعلیٰ قابلیت ہو اسکو شعراے اہل زبان کی طرح بلکہ بعض صورتوں میں ان سے بہتر استعمال کر سکتا ہے۔

مرزا کا موازنہ نظیری و عوفی کے ساتھ صرف قصیدے اور غزل میں ہو سکتا ہے، کیونکہ مشنوی میں نظیری محض صفر ہے، آسنے اس صنف کو چھوٹا کر نہیں۔ عربی نئے بینک چند ثنویاں لکھی ہیں، مگر صاحب آتشکدہ نے ان میں سے صرف ایک کی نسبت لکھا ہے کہ ”در بد گفشتہ است“ اور باقی کی نسبت اسکا یہ قول ہے کہ ”بسیار بد گفشتہ“ حکیم جام کا بیٹا حکیم حاذق عوفی کی ثنوی کی نسبت کرتا ہے۔

مثنوی طرز فصاحت و بدشت کان نمک بود و ملاحظت بدشت

البتہ ظہوری کے ساتھی نامہ نے ہندوستان میں بہت شہرت حاصل کی ہے مگر اسکا قصیدہ چنداں وزن نہیں رکھتا۔ بخلاف مرزا کے کہ اسکو مثنوی پر بھی تقریباً اسی قدر قدرت ہے جیسی قصیدے اور غزل پر۔ نثر میں نظیری و عرفی دونوں نے کوئی یادگار نہیں چھوڑی۔ البتہ ظہوری کی سہ تر کو ہندوستان میں بہت فروغ ہوا۔ مگر اس میں اول سے آخر تک ایک بے مزہ کہانی یعنی ابراہیم عادل شاہ کی مدح و ستائش کے سوا دوسرے مضمون کا نام نہیں جس سے کہنے والے کی قدرت بیان معلوم ہو۔ پس اگر ظہوری کی طرز بیان اور طرز عبارت آرائی کے حسن و قبح سے قطع نظر کی جائے تو بھی اس کے حق میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اسکو مدحیہ نثر کہنے کی اچھی آتی تھی۔ بخلاف مرزا کے کہ وہ اپنی طرز خاص میں ہر طرح کے مضامین لکھنے اور ہر طرح کے مقاصد ادا کرنے پر یکساں قدرت رکھتا تھا؛ خصوصاً مخدود خود ستائی، غم و اندوہ اور شکایت و زاری کے مضامین جس خوبی و لطافت اور بانگین کے ساتھ مرزا نے نثر میں بیان کئے ہیں اسکی نظیر صرف ہندوستانیوں کی نثر میں بلکہ متاخرین اہل ایران کی نثر میں مشکل سے دستیاب ہوگی۔ مگر افسوس ہے کہ ہم یہ باتیں ایسے زمانے میں لکھ رہے ہیں کہ گو ہر شخص آزادی سے اپنی رائے ظاہر کر سکتا ہے۔ لیکن فارسی زبان ہمارے ملک میں بہتر مزہ زبان کے ہو گئی ہے؛ اور اس لئے لوگوں سے اپنے دعوے کے ثبوت میں اس کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ دیکھو، پڑھو، سمجھو

اور جانجو۔

الغرض مرزا کی فارسی نظم و نثر کے متعلق ہماری رائے کا ماحصل یہ ہے کہ کچھ مرتبہ قصیدہ اور غزل میں عرفی اور نظیری کے لگ بھگ اور ظہوری سے بڑھا ہوا مثنوی میں ظہوری کے لگ بھگ اور عرفی و نظیری سے بالا، اور نثر میں تینوں سے بالا تر ہے۔ اگرچہ مرزا کی غزل میں کہیں کہیں پیچیدگیاں ہیں؛ اور نثر میں بھی اکثر فقرے نہایت پیچیدہ نظر آتے ہیں جو ممکن ہے کہ اہل زبان کے نزدیک فصاحت کے درجے سے گہے ہوئے ہوں؛ مگر ایسی کسروں سے کسی زبان کا اہل زبان کا کلام پاک نہیں ہو سکتا؛ اور نہ ایسی جزوی فروگزاشتوں سے کیسی استاد ی میں فرق آسکتا ہے ولیند و زرافاعا۔

گر سخن اعجاز باشد بے بند و پست دریدہ بیضا ہما انگشتا یک نیست

مرزا کے اردو کلام کی نسبت ہم دوسرے حصے میں بقدر ضرورت بحث کر چکے ہیں۔ مرزا کا موازنہ شعراے اردو زبان کے ساتھ صرف غزل میں ہو سکتا ہے؛ کیونکہ غزل کے سوا دیگر اصناف میں ان کا کلام کان لہ گین ہے؛ اور اردو کی نثر میں دیگر شعرا بجا بلکہ مرزا کے صفر محض ہیں۔ مرزا کی غزل کا ڈھنگ اگرچہ میر و سودا کی روش نہیں ہے؛ مگر خواص اہل ملک جو تقلید کی قید سے آزاد ہیں۔ ان کے چیدہ و برگزیدہ اشعار کو میر و سودا کے انتخاب سے کچھ کم پسند نہیں کرتے۔

مرزا کی نثر اردو نے تمام ہندوستان میں شہرت حاصل کی ہے اور خاص عام

نے بالاتفاق اُسکو پسند کیا ہے۔ اُنھوں نے اردو خط کتابت میں ایک خاص طرز
ایجاد کی ہے جو تمام ملک میں مقبول ہوئی ہے اور اکثر لوگوں نے اپنی بسات کے
موافق اُسکی پیروی کی ہے۔

ان تمام باتوں پر نظر کرنے کے بعد مرزا کی نسبت یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں معلوم ہوتا
کہ شریقی قابلیت کے لحاظ سے مرزا جیسا جامع حیثیات آدمی۔ امیر خسرو اور فیضی
کے بعد آج تک ہندوستان کی خاک سے نہیں اُٹھا؛ اور چونکہ زمانے کا رخ بدلا ہوا ہے
اس لئے آئندہ بھی یہ امید نہیں ہے کہ قدیم طرز کی شاعری و انشا پر داری میں ایسے
بالکمال لوگ اس سرزمین پر پیدا ہوں گے۔